The Evolution of the Art of Writing Chronograms in Deccani Poetry

(Deccani Shairy Mein Fanne Taarekh Goi ka Agaz-O-Irteqa)

A thesis submitted to the University of Hyderabad in partial fulfillment of the degree

DOCTOR OF PHILOSOPHY

in

Urdu

by

ALLAUDDIN

M.A,M.phil

2012

Department of Urdu

School of Humanities

University of Hyderabad

(P.O.) Central University,Gachi bowli

Hyderabad-500046.

Andhra Pradesh

India

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled ***''The Evolution of the Art of Writing Chronograms in Deccani Poerty''*** (***Deccani Shairy Mein Fanne Taarekh Goi ka Agaz-o- Irteqa).*** submitted by ***Allauddin*** bearing Regd.No ***06HUPH03*** in partial fulfillment of the requirements for the award of Doctor of Philosophy in Urdu is a bonafide work carried out by him under my supervision and guidance.

The thesis has not been submitted previously in part or full to this or any other University or Institution for the award of any degree or diploma.

Signature of the Supervisor
Dr.Mohd Naseemuddin

//Countersigned//

Head of the Department

Dean of the School

DECLARATION

I **Allauddin** hereby declare that the thesis entitled ***''The Evolution of the Art of Writing Chronograms in Deccani Poetry''*** (**Deccani Shairy Mein Fanne Taarekh Goi Ka Agaz -O- Irteqa)**.submitted by me under the guidance and supervision of **Dr.Mohd Naseemuddin** is a bonafide research work.I also declare that it has not been submitted previously in part or in full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma.

Date:

Signature of the candidate
Name:Allauddin
Regd.No.06HUPH03

فہرست ابواب

۱		پیش لفظ	1
۲	پہلا باب :	فن تاریخ گوئی اصول و مسائل	12
۳	دوسرا باب :	تاریخ گوئی کا آغاز اور دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی آغاز و ارتقاء	35
۴	تیسرا باب :	دکنی شاعری میں صوری تاریخ کی روایت	51
	الف :	بہمنی دور	
	ب :	عادل شاہی دور	
	ج :	قطب شاہی دور	
	د :	مغل دور	
	ھ :	آصفیہ دور	
	ز :	متفرق	
۵	چوتھا باب :	دکنی شاعری میں معنوی تاریخ کی روایت	238
۶	پانچواں باب:	مجموعی جائزہ	289
۷		کتابیات	320

پیش لفظ

تاریخ گوئی کی ابتدا زمانہ ماقبل تاریخ میں ہوئی ،اس لئے یہ کہنا قطعیت کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ یہ فن کب ظہور میں آیا۔انسانی معاشرہ اتنا قدیم ہے کہ تاریخ اس کا احاطہ نہیں کرسکی۔ بہت سی چیزیں ہم کو روایات اور قصے کہانیوں میں ملتی ہیں اور اتنے قدیم دور سے تعلق رکھتی ہیں جب علم تحریر بھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔تمدن کی ابتدا میں انسان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ چیزوں کو شمار کرے۔ چنانچہ اس نے علم ہندسہ ایجاد کیا۔

یہ فطرت انسانی کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کو دنیا یاد رکھے اور اس کے کارنامے اس کی زندگی کے بعد بھی تاریخ کا ایک حصہ بن جائیں۔قدیم عمارت پر ہم اکثر سنہ تعمیر کندہ پاتے ہیں مقصد یہ ہے کہ تعمیر عمارت کی تاریخ اہل عالم کے سامنے قائم ودائم رہے۔ان قدیم عمارتوں کے بنانے والے کب کے خاک کے ڈھیرے ہوئے لیکن عمارتیں باقی ہیں ۔اور بنانے والے کا نام اور تعمیر کا سنہ آج بھی ہمارے پیش نظر ہے۔امتداد زمانہ کے ساتھ یہ بھی ایک امر فطری ہے کہ جس طرح عمارتوں کے بنانے والے موت کی نیند سو گئے ۔اسی طرح ان کی بنائی ہوئی عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل گئیں ۔لیکن وہ عبارات اب بھی کتابوں میں محفوظ ہیں جو ان تعمیرات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان مرنا نہیں چاہتا۔ جب تک کوئی شخص انسانوں کے ذہین میں موجود ہے،وہ شخص زندہ ہے۔ جب کوئی کارنامہ تاریخ کا حصہ قرار دیا جاتا ہے،وہ کارنامہ جاوداں ہے۔اسی لیے یہ تحریک پیدا ہوئی کہ انسانی کارناموں کو تاریخ گوئی کے ذریعے قائم وجاوداں بنایا جائے ۔اسلامی دور کے مشہور تاریخی واقعات،فتوحات سنین پیدائش ووفات جلوس شاہانہ تصانیف کتب وغیرہ تاریخ گوئی کے ذریعے محفوظ ہیں۔

کسی لفظ ،فقرہ،عبارت مصرع یا شعر کے ذریعہ کسی واقعہ کی خبر دینے اور ملتوبی حروف کے اعداد بحساب ابجد اس واقعہ کا سال برآمد کرنے کو اصطلاح میں تاریخ کہتے ہیں اور گنتی کے اس قاعدہ کو جمل۔

ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر ہے۔ابجد آٹھ کلموں پر مشتمل ہے۔اوران کلموں کے ہر

حرف کی قیمت متعین ہے۔

۱	۲	۳
ابجد	ھوز	حطی

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰

۴	۵	۶
کلمن	سعفص	قرشت

ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰

۷	۸
ثخذ	ضظغ

ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ ہمارے پاس عرب شاعروں کی تاریخ گوئی کے قدیم ترین نمونے موجود نہیں ہیں۔ ہماری تاریخ گوئی کی ابتدا فارسی شاعری سے ہوتی ہے۔ سب سے قدیم نمونے تاریخ گوئی کے ایرانی شاعری میں پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد فارسی گویانِ ہند کی شاعرانہ کاوشوں میں ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ اردو شاعری کا دور شروع ہوتا ہے اور تاریخ گوئی کا سلسلہ فارسی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں پھیل جاتا ہے۔

فارسی تاریخ گوئی کے نمونے بہت قدیم سے دستیاب ہوتے ہیں۔ فردوسی نے اپنے شاہ

نامہ کی تاریخ ۴۰۰ھ میں کہی ہے۔

زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار

کہ من گفتم ایں نامہ نامدار

۸۰×۵=۴۰۰ھ

اورگرشاسب نامہ کی تاریخ اسدی نے ۴۵۸ نکالی ہے:

زہجرت بدورِ سپہری کہ گشت

شدہ چار صد سال و پنجاہ وہشت

۴۵۸ھ

یہ دونوں تاریخیں صوری ہیں، یعنی شاعر نے بجائے کسی لفظ یا ٹکڑے یا مصرعے کے جس کے اعداد سے سال مطلوبہ برآمد ہوتا، اپنے قطعے میں تاریخ وقوعہ درج کردی ہے۔ فارسی شاعری کی قدیم معنوی تاریخوں میں محقق طوسی کی یہ تاریخ قابل ذکر ہے۔ اس نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی تاریخ ''خون''

ان دنوں معنوی تاریخ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ بجائے پورا مصرع یا ایک ٹکڑا تلاش کرنے کے کسی ایک لفظ سے سال مطلوبہ برآمد کیا جاتا تھا۔ کسی ایک لفظ سے تاریخ نکالنا ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ گوئی کے لیے شاعر ہونا چنداں ضروری نہ تھا۔ جب تاریخ گوئی کی صنف کو رواج ہوا تو یہ شاعری کا ایک اہم جزو بن گئی۔ شعرا نے تاریخ گوئی کو اپنا لیا۔ تاریخیں مصرعوں کے ذریعے کہی جانے لگیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی قطعات بطور ایک صنف شاعری کے وجود میں آ گئے۔ تاریخ گوئی کا فن جب ترقی پذیر ہوا تو طرح طرح کی صنعتیں نکل آئیں۔ تعمیہ تخرجہ ہونے لگا۔ نت نئی تاریخیں کہی جانے لگیں۔ پیدائش، وفات، شادی بیاہ اور مختلف رسوم کے موقع پر شرفا میں یہ دستور ہو گیا کہ اس موقع کو یاد رکھنے کی خاطر اس کے متعلق تاریخی قطعات فراہم کیے جائیں۔ اس طرح تاریخ گوئی کا تعلق معاشرے کی سرگرمیوں سے اور بھی گہرا ہو گیا اور یہ ضروری نہ رہا کہ محض تاریخی نوعیت کے واقعات ہی

کو نظم کیا جائے اور ان کی تاریخ نکالی جائے۔

اردو میں تخلیق ادب کا آغاز دکن میں ہوا۔ دکنی کے قدیم شعراء نے شاعری کی مختلف اصناف فارسی سے مستعار لیں۔ اصناف سخن کے ساتھ ساتھ انھوں نے شاعری کے صنائع و بدائع بھی فارسی سے اخذ کیے۔ اس طرح مختلف صنائع و بدائع کے ساتھ تاریخ گوئی کا فن بھی فارسی سے دکنی میں آیا۔ اردو میں بیشتر اصناف ادب کے اولین نمونے دکنی کے خزینہ ادب میں ملتے ہیں۔ جیسے اردو کی پہلی مثنوی، اردو کی پہلی غزل، اردو کا پہلا قصیدہ، اردو کا پہلا مرثیہ اردو کی پہلی رباعی اور نثر میں اردو کی پہلی داستان وغیرہ سب دکنی میں ملتی ہیں۔ اسی طرح مختلف صنائع و بدائع کا استعمال بھی دکنی شعراء کی اولیات میں سے ہے۔

دکنی زبان کے ادبی سرمایے کے پیش نظر بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں تاریخ گوئی کا آغاز بھی دکنی زبان میں ہوا۔ دکنی کی پہلی تاریخ یا دکنی زبان میں تاریخ گوئی کے اولین نمونے کی نشاندہی نہایت مشکل ہے۔ تاہم راقم الحروف کے محدود علم و مطالعہ کے مطابق دکنی زبان کی اولین تاریخ بہمنی دور کے شاعر اشرف بیابانی کی مثنوی نوسر ہار کی تصنیف کی تاریخ ہے۔ اشرف نے نوسر ہار واقعہ کربلا کے موضوع پر لکھی۔ اس کا سنہ تصنیف ۹۰۹ ہجری ہے جس کی نشاندہی اس نے مثنوی کے دو مقامات پر اس طرح کی ہے۔

ہجرت نبی نو سو نو
کھیا اشرف نو سر یو

ایک اور جگہ کہتا ہے:

نو سو ہوئے اگلے نو
یہ دکھ لکھیا اشرف نو

دکنی شعراء مبالغے کے مقابلے میں حقیقت و صداقت، اور تصنع و تکلف کے مقابلے میں فطری انداز اور سادگی کو پسند کرتے تھے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فن جمل کے تکلفات میں پڑنا گوارا

نہیں کیا اور تاریخ گوئی کے لیے صوری طریقے کے راست اظہار اور آسانی کو اپنایا۔لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکالنا چاہئے کہ دکنی شعراء معنوی تاریخ کہنے پر قادار نہیں تھے۔دکنی ادب کے ذخیرے میں معنوی تاریخیں بھی ملتی ہیں جن سے اس فن میں شعرائے دکن کی قدرت ومہارت کا پتہ چلتا ہے۔

دکنی شاعری کے سرمایے میں صوری تاریخ کے مختلف نمونے ملتے ہیں۔دکنی شعراء نے الفاظ کے ذریعہ مطلوبہ زمانے یا سنہ کے اظہار کے متنوع طریقے اختیار کیے ہیں۔ان میں ایک عجیب طریقہ یہ بھی ہے کہ شاعر صرف کسی بادشاہ کے دور یا صدی کا ذکر کرتا ہے واضح طور پر کسی خاص سنہ کا تعین نہیں کرتا۔قریشی بیدری کی تصنیف ''بھوگ بل'' میں تاریخ کے اظہار کی یہ صورت ملتی ہے۔قریشی نے اپنی مثنوی بھوگ بل جو سنسکرت کام شاستر کا دکنی روپ ہے برید شاہی خاندان کے فرمان روا امیر برید ثانی کے دور میں تصنیف کی۔وہ کہتا ہے۔

بھی اس بعد در دور ثانی امیر
کہ جن شاہ بھوگی ہیں نزمل سریر
سو اس شاہ کے دور بیدر مقام
یو شاعر کیا نظم دکنی تمام

چونکہ امیر برید دوم کا دور حکومت ۱۰۱۰ء تا ۱۰۱۸ء ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے قریشی نے یہ مثنوی مذکورہ سنین کے درمیانی دور میں لکھی۔

دکنی ادب پر متشرقین سے لے کر شمالی ہند اور جنوبی ہند پاکستان کے محققوں اور نقادوں نے قابل قدر تحقیقی وتنقیدی کام سرانجام دیا ہے۔دکنی ادب کی کم وبیش ہر اہم شاعر کی مثنویات اس کے دیوان یا کلیات کی تحقیق وتدوین اور تحسین کی گئی۔اسی طرح مثنوی،غزل،قصیدہ،مرثیہ،رباعی وغیرہ دکنی کی تمام اہم اصناف کے آغاز وارتقا پر مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اتفاق یہ ہے کہ کسی نے دکنی میں تاریخ گوئی کی روایت اور اس کے آغاز وارتقا پر کوئی تحقیقی یا تنقید کتاب تو کیا اس موضوع پر کوئی مضمون بھی نہیں لکھا۔اسی کے پیش نظر جب پی ایچ.ڈی میں راقم الحروف کے لیے موضوع کے

انتخاب کا مرحلہ پیش آیا تو استاد محترم نے میرے لیے دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی کا آغاز وارتقا کا موضوع تجویز کیا جسے شعبے کی کمیٹی نے منظوری دی۔

راقم الحروف نے اس مقالے کو درج ذیل ابواب میں منقسم کیا ہے۔

پہلا باب : فن تاریخ گوئی اصول ومسائل

دوسرا باب : تاریخ گوئی کا آغاز اور دکنی شاعری میں فن تاریخ کو آغاز وارتقاء

تیسرا باب : دکنی شاعری میں صوری تاریخ کی روایت

چوتھا باب : دکنی شاعری میں معنوی تاریخ کی روایت

پانچواں باب: مجموعی جائزہ

کتابیات

باب اول :

فن تاریخ گوئی اصول ومسائل

اس باب میں فارسی فن تاریخ گوئی کے اصول وقوانین کے پس منظر پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے مسائل فن تاریخ گوئی میں ہمزہ ،الف ممدودہ ،تائے مدورہ ،تشدید وغیرہ کے اصول ومسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے علاوہ ازیں فن تاریخ گوئی کے طریقے اور اقسام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے تاریخ نکالنے کے عام طور پر دو طریقے ہیں ایک ہے صوری دوسری معنوی اسی طرح معنوی تاریخ کے اقسام جیسے سالم الاعداد اور ناقص الاعداد و نیز تدخلہ اور تخرجہ بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔

باب دوم :

تاریخ گوئی کا آغاز اور دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی کا آغاز وارتقاء

اس باب میں فارسی شاعری کی تاریخ گوئی کے آغاز پر سرسری گفتگو کرتے ہوئے اس کی چند مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی کا آغاز بہمنی دور کے شاعر اشرؔف کی

تصنیف ''نوسر ہار'' سے ہوتا ہے بعد ازاں عہد عادل شاہی ،عہد قطب شاہی ،عہد مغل اور عہد آصفیہ تک کی شاعری میں تاریخ گوئی کے ارتقاء پر نظر ڈالی گئی ہے۔

باب سوم :

دکنی شاعری میں صوری تاریخ کی روایت

اس باب میں دکنی شعراء کے سوانح اور ان کی تخلیقات اور شعری اکتسابات کا مختصراً ذکر کیا گیا اور ان شعراء کی شاعری مثلاً نظم ،مثنوی ،قصیدہ ،غزل ،مرثیہ وغیرہ میں صوری تاریخ گوئی کے مختلف اقسام اور نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

جیسے : قطب مشتری (وجہی) ،سیف الملوک و بدیع الجمال ،طوطی نامہ (غواصی)، پھول بن (ابن نشاطی) ،معراج نامہ (بلاقی) بہرام و گل اندام (طبعی) ،رضوان شاہ و روح افزا (فائز)، خوب ترنگ (خوب محمد چشتی)، چندو بدن و مہیار (مقیمی)، قصہ بے نظیر (صنعتی)، خاور نامہ (رستمی)، جنگ نامہ (سیواک)، ظفر نامہ (لطیف) ،مفید الیقین (فتاحی)، معجزہ حضرت فاطمہؓ (محبّ)، وفات نامہ (دریا) ،بوستان خیال (سراج) ،تحفۃ النساء (باقر آ گاہ)۔

اس امر میں جن محققین سلف سے اختلاف رائے کیا گیا ہے ان میں نصیر الدین ہاشمی ،مولوی عبدالحق ،ڈاکٹر زور ،شمس اللہ قادری اور نذیر احمد شامل ہیں۔

باقر آ گاہ کے اشعار میں صوری تاریخ میں اعداد کے اظہار کے طریقے ملتے ہیں۔

دکنی شاعری میں سب سے زیادہ تاریخیں باقر آ گاہ نے ہی کہی ہیں۔

باب چہارم :

دکنی شاعری میں معنوی تاریخ کی روایت

اس باب میں ان دکنی شعراء کی سوانح اور تصانیف پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے جنھوں نے معنوی تاریخ گوئی کو اپنی تخلیقات میں شامل کیا ہے اس باب میں اس کے اقسام و نمونے بھی درج

کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً تاریخ پیدائش ،تاریخ وفات وغیرہ موقعوں پر کہی گئی تاریخیں وغیرہ۔

دکنی شاعروں کے ہاں معنوی تاریخ میں تخرجہ ،تدخلہ کی صنعتوں کا استعمال بھی ملتا ہے مثلاً مخزن عشق (وجدی کرنولی)،مثنوی گلدستہ (صنعتی) اور قصہ ماہ روپری (محمد رضا خاں) وغیرہ۔

جیسے جنت سنگار (ملک خوشنود)،گلشن عشق (نصرتی)،مثنوی گلدستہ (صنعتی)،مراۃ الحشر (فراقی)،نیہہ درپن (سید احمد ہنر) پنچھی باچھا (وجدی)،روضتہ الاطہار (نوازش علی خاں شیدا)، بہارستان عشق (نامی)،روضتہ الاسلام (باقر آگاہ)،کرامات نامہ (دائم)۔

اس ضمن میں جن محققوں کی تحقیقی نتائج سے اختلاف کیا گیا ہے ان میں ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر زور نصیر الدین ہاشمی ،شمس اللہ قادری ،ڈاکٹر محمد علی اثر اور عبد القادر سروری شامل ہیں۔

باب پنجم :

مجموعی جائزہ

یہ اس مقالہ کا آخری باب ہے اس باب میں مذکورہ بالا ابواب کے مباحث کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔

کتابیات :

اس مقالے میں بہمنی دور سے لے کر عہد مغلیہ تک دکنی شاعری کے مختلف اصناف مثلاً مثنوی، غزل، قصیدہ اور مرثیہ وغیرہ میں تاریخ گوئی کی مختلف اقسام کا مطالعہ کیا گیا ہے اور اس کے نمونے پیش کیے گئے ہیں تا کہ دکنی شاعری میں تاریخ گوئی کے آغاز وارتقاء کی مکمل روایت سامنے آسکے اس سلسلے میں دکنی کے مطبوعہ شہ پاروں کے علاوہ دکنی مخطوطات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مقالے کی تکمیل پر سب سے پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں سجدہ سپاس بجا لاتا ہوں کہ اس نے مجھے وہ لگن ولولہ، جوش، و جستجو عطا کی جس کے سبب میں راہ تحقیق کی سنگلاخ وادیوں سے عزم واستقامت کے ساتھ گزر سکا۔ مقالے کی تکمیل پر سب سے پہلے میں اپنے مشفق

وخلص رہنماوگراں قدر نگراں ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس ریڈر صدر شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا صمیم قلب سے ممنون ہوں کہ آپ نے موضوع کے انتخاب سے لے کر مقالے کی تسوید تک ہر موقع پر میری بھر پور رہنمائی کی۔اور ہر وقت اپنے گراں قدر مشوروں سے نواز تے رہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ استاد محترم کے گراں قدر مشوروں اور بے پایاں تعاون کے بغیر یہ مقالہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔انھوں نے دوران تحقیق میں اپنے ذاتی لائبریری کی کتابوں سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔اور عدیم الفرصتی کے باوجود دقیق النظری سے میرے مقالے کی جانچ کی اور مجھے تحقیق وتحریر کے اہم نکات سے واقف کرایا۔

میں شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے اپنے دیگر اساتذہ کرام ممتاز ومعروف افسانہ نگار عالی جناب پروفیسر محمد بیگ احساس صدر شعبہ اردو، عالی جناب پروفیسر محمد انور الدین صاحب سابق صدر شعبہ، عالی جناب پروفیسر مظفر شہ میری صاحب ،عالی جناب ڈاکٹر حبیب نثار صاحب ریڈر، محترمہ ڈاکٹر رضوانہ معین صاحبہ ریڈر، محترمہ ڈاکٹر عرشیہ جبین صاحبہ، عالی جناب پروفیسر رحمت یوسف زئی ،عالی جناب میر محبوب حسین ،عالی جناب ڈاکٹر نشاط احمد، عالی جناب ڈاکٹر کاشف صاحب ،عالی جناب ڈاکٹر عبدالرب منظر صاحب ،عالی جناب ڈاکٹر زاہد صاحب کا تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں کہ جن کے مفید مشورے میرے لئے کار آمد رہے۔شعبہ کے آفس کے عملے باخلوص محترمہ بسالت النساء صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے دفتری امور میں میرا بھر پور تعاون کیا۔اور مسٹر رام مورتی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنھوں نے دفتری ضرورتوں میں تعاون کیا۔

میں اپنے دیگر مشفق اساتذہ پروفیسر حمید سہروردی صاحب سابق صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ، عالی جناب عبدالرب استاد صاحب صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ، عالی جناب پروفیسر خالد سعید صاحب موالانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، عالی جناب ڈاکٹر حشمت فاتحہ خوانی وعالی جناب ظہیر احمد خاں صاحب شعبہ اردو کرناٹک کالج بیدر کا مشکور ہوں کہ جن کی ہدایتیں

اور مشورے میرے لئے مشعل راہ بنے رہے۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں مختلف کتب خانوں کے ذمہ دار حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے اپنے کتب خانوں سے استفادے کا موقع دیا۔اس کی تفصیل یوں ہے۔ اندرا گاندھی میموریل لائبریری ،کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو،کتب خانہ سالار جنگ میوزیم ،اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ،نظام ٹرسٹ لائبریری ،عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری وغیرہ کے عہدہ داران مجاز کا بھی مشکور ہوں۔

میرے عزیز ترین دوست احباب کا بھی میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انھوں نے میرے مقالے کی تیاری میں میری مختلف ذرائع وطریقوں سے مدد کی ہے جن میں قابل ذکر ڈاکٹر محمد شمس الدین صاحب ،ڈاکٹر حکیم رئیس فاطمہ صاحبہ ،ڈاکٹر محمد سمیع الدین ،ڈاکٹر جاں نثار محمد یحیٰ، سید ذاکر علی ،محمد ماجد میاں ،محمد اسماعیل خاں ،محمد ایاز الدین ،محمد عبد المقتدر ،محمد شیخ وسیم ،محمد مشتاق احمد ،محمد مقیم احمد ،محمد شفیع ،محمد اقبال احمد ،معین الدین ،محمد عبد الخالق ،سید جمال اللہ حسینی ہیں۔

میرے عزیز القدر دوست شیخ شاہ ولی کا بھی شکر گزار ہوں۔جنھوں نے میرے تحقیقی مقالہ کی کمپوزنگ کی ذمہ داری لی اور بخوبی میرے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

میں اپنے والد محترم محمد معین الدین صاحب زمیندار اور والدہ محترمہ صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ ان کی دعائیں اور محبتیں و شفقتیں ہر حال میں میرے شامل حال رہیں۔اپنی شریک حیات کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے ہر وقت اور ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔

علاؤالدین

ریسرچ اسکالر

یونیورسٹی آف حیدر آباد

پہلا باب :

فن تاریخ گوئی اصول و مسائل

تاریخ کے معنی ہیں ''وقت پیدا کرنا''۔ جب چند حروف ایسے جمع کئے جائیں کہ ان کے عدد سن مطلوب کے مطابق ہوں تو اس کو تاریخ کہتے ہیں۔[1]

اصطلاح میں کسی لفظ ،لفظوں کے مجموعے ،فقرے ،عبارت ،مصرعے ،شعر ،عبارت کے کسی ٹکڑے یا اشعار یا شعر کے جزو کی مدد سے سن ہجری یا عیسوی میں کسی واقعہ کے ظہور میں آنے کی تاریخ نکالنے کو تاریخ گوئی یا فن تاریخ گوئی کہتے ہیں۔ تاریخ گوئی کے لئے کسی خاص واقعہ یا موضوع کی تخصیص نہیں ہے۔ ذاتی و غیر ذاتی ،معاشرتی و تہذیبی ،علمی و ادبی اور سیاسی و تاریخی ،ہر قسم کے واقعات و موضوعات کی تاریخ نکالی جا سکتی ہے۔ بقول جلال لکھنوی:

"جاننا چاہیے کہ تاریخ لغت میں
کسی چیز کے وقت ظاہر کرنے کو کہتے
ہیں اور مورخین یعنی تاریخ گویوں کی
اصطلاح میں کسی امر عظیم، اور واقعہ
قدیم و مشہور ،مانند کسی بادشاہ کی
سلطنت یا کسی فتنہ وفساد وجنگ
وکارزار یا شادی ومرگ ،یا بنائے عمارت
وباغ وغیرہ و دیگر سوانح کی ابتداء کی
مدت معین کرنے کو بولتے ہیں۔"[2]

لیکن تاریخ گویوں نے بالعموم ،امر عظیم اور واقعہ قدیم و مشہور کے شرط کی پابندی نہیں کی بلکہ معمولی معمولی واقعات و حالات کی تاریخیں بھی نظم ونثر دونوں میں کہی ہیں۔ صاحب خزانۂ عامرہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ:

"اصطلاح میں تاریخ اُس کو کہتے
ھیں کہ کوئی لفظ یا فقرہ،عبارت،مصرع
یا بیت ایسی تجویز کریں کہ اس کے
مکتوبی حروف کے عددوں سے بہ حساب
جمل سن اور سال کسی واقعہ شادی یا
وفات،کے معلوم ھوں یا نکاح،خواہ تولد
فرزند،یا تصنیف کتاب،خواہ لڑائی
یابادشاہ کے جلوس یا اور امر کے وقوع کا
زمانہ سمجھا جائے۔"[۳]

تاریخ گوئی کا فن خاصا قدیم ہے اور دوسرے فنونِ ادبی کی طرح ،عربی وفارسی کی معرفت اردو تک پہنچا ہے۔اس فن کابڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے کسی واقعہ کے ظہور میں آنے کی تاریخ کو مستقلاً محفوظ کرلینے میں آسانی پیدا ہوجاتی ہے۔پرانے سے پرانے، واقعہ کی تاریخ ،اس کی مدد سے ذرا دیر میں یاد آسکتی ہےاور دوسرے افادات کے ساتھ،تاریخ کے اس مروّجہ علم میں بھی معاون ہوسکتی ہے جواقوام وملل کے حالات وواقعات کے نام سےمدراس وجامعات میں پڑھائی جاتی ہے۔مختصراًیوں سمجھنا چاہئے کہ کسی واقعہ کی تاریخ وقوع کولفظوں کے ذریعے دائماً محفوظ کرلینے کا نام فنِ تاریخ ہے۔مثلاًاگرکسی شخص کونیاز فتح پوری کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو،البتہ اسے اس کاعلم ہوکہ ان کا تاریخی نام "لیاقت علی خاں" تھا وہ شخص اس نام کی مدد سے ان کا سال پیدائش معلوم کرسکتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ اس فن میں حروف سےاعداد کا کام لیا جاتا ہے،یعنی ہرحرف کاایک خاص عدد مقرر ہے۔اور جب متعلقہ حروف کے اعداد جمع کردیتے ہیں تو مطلوبہ تاریخ بر آمد ہوجاتی ہے، چنانچہ اُوپر کی مثال میں "لیاقت علی خاں" کےحرفوں کے اعداد فن تاریخ گوئی کے مطابق اس طور پر بنتے ہیں۔

ل+ی+ا+ق+ت+ع+ل+ی+خ+ا+ن=لیاقت علی خاں

۱۳۰۲=۵۰+۱+۶۰۰+۱۰+۳۰+۷۰+۴۰۰+۱۰۰+۱+۱۰+۳۰

گویا اس نام کے ذریعے معلوم کرلیا گیا کہ نیاز فتح پوری کی تاریخ پیدائش ۱۳۰۲ھ ہے۔
تاریخ نکالنے کا یہ طریقہ، جیسا کہ عرض کیا گیا، بہت قدیم ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب اسے وہ مقبولیت نہیں رہی جو پہلے تھی، پھر بھی اس سے دلچسپی رکھنے والوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ابھی موجود ہے۔ اس دلچسپی کے دو خاص سبب ہیں، ایک تو یہی، اپنی ضرورت کی تاریخ کو آسانی سے محفوظ کر سکتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ ہمارے اسلاف عام طور پر قابل ذکر واقعات کی تاریخوں کا تحفظ اسی شکل میں کرتے تھے، ایسے میں جب تک، آج کا کوئی ادیب یا محقق اس فن کے رموز واُصول سے واقفیت نہ رکھتا ہو وہ کسی واقعے کی تاریخ یا سن کا سراغ نہیں لگا سکتا۔ ؎

تاریخیں دو طریقے سے نکالی جاتی ہیں۔

(۱) صوری　　　(۲) معنوی

(۱) صوری :

صوری طریقے سے مراد، ایسا اسلوب تاریخ گوئی ہے جس میں مطلوبہ تاریخ یا سال کو واضح الفاظ کی صورت میں بیان کردیا گیا ہو اور حرفوں کے اعداد محسوب کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ؎

صوری تاریخ، تاریخ کی اس صورت کو کہتے ہیں جس میں زمانے کا اظہار اعداد کی مدد سے الفاظ کی شکل میں کیا جاتا ہے۔

یہی بات ساحر لکھنوی نے بھی بیان کی ہے۔

صوری تاریخ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی واقعے کے ظہور میں آنے یا وقوع پذیر ہونے کا سال یا مہینہ وغیرہ الفاظ میں بیان کردیا جائے۔ اس میں حساب جمل کا دخل نہیں ہوتا اور ظاہری الفاظ ہی تاریخ کا مادہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو ظاہری تاریخ بھی کہتے ہیں۔

مثلاً شیخ سعدیؔ نے اپنی مشہور معروف کتاب گلستان کی تاریخ یوں کہی۔

دراں مدّت کے مارا وقت خوش بود

زہجرت، شش صد و پنجاہ و شش بود

اس کے دوسرے مصرعے میں واضح لفظوں میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ گلستان کا سال تصنیف

۶۵۶ھ ہے۔[۱]

جیسے

ہزار و صد و شعت و دویں غرض

اجل کا بہا نہ ہوا وہ مرض

جس سے ۱۱۶۲ کا عدد واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اس طریقے میں زیادہ زحمت نہیں ہوتی اور اعداد جمل کے بغیر ہی تاریخ بیان کر دی جاسکتی ہے۔

حضرت خوب محمد چشتی نے ''خوب ترنگ'' کی تاریخ یوں لکھی ہے۔

خوب محمد کئے بچار

چودہ گھاٹ اوس برس ہزار

یعنی ہزار میں سے چودہ کم کئے جائیں تو ۹۸۶ھ برآمد ہوتا ہے جو خوب ترنگ کا سن تصنیف ہے۔

ابنِ نشاطی نے پھول بن کا سنہ تکمیل یوں لکھا ہے۔

اتھا تاریخ لایا تو یو گلزار

اگیارہ سو کوں کم تھے تیں پر چار

اس طرح اس کا سنہ تصنیف ۱۰۶۶ھ قرار پاتا ہے۔[۲]

(۲)معنوی تاریخ :

فیروز اللغات میں معنوی کے معنوی =منسوب بہ معنی ۔باطنی ،ذاتی ،اصلی تحریر کئے گئے ہیں۔جس کا مطلب یہ کہ وہ معنی جو باطن میں ہے۔یا ظاہر نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس مصرع سے تاریخ نکلتی ہے اس کے باطن میں یعنی حروف کے اعداد میں اصلی معنی پوشیدہ رہتے ہیں جو حساب کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔گویا اعداد سے بحساب جمل سنہ یا سال کا اخراج کرنا۔ساحرلکھنوی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے:

"معنوی تاریخ اسے کہتے ہیں
جس کی بنیاد حساب جمل پر ہوتی ہے
اس میں قاعدئہ جُمل سے حروف کے اعداد
جمع کرکے تاریخ نکالی جاتی ہے۔اس کو
باطنی تاریخ بھی کہتے ہیں۔حقیقت میں
یہی فن تاریخ گوئی ہے۔"[۸]

معنی تاریخ ،حساب جمل سے یعنی حروف کے اعداد کے ذریعے نکالی جاتی ہے اور دراصل طریقہ تاریخ گوئی کو فن تاریخ گوئی کہتے ہیں۔یہ طریقہ اولاً سیدھا سادہ تھا اور مادّہ تاریخ کے سارے حروف کو جمع کرکے تاریخ نکل آتی تھی،یہ طریقہ آج بھی عام ہے اور حق یہ ہے کہ اسی طریقے سے ہزاروں،خوبصورت،آسان مختصر اور واقعہ کی نسبت سے موزوں ترین تاریخیں نکالی گئی ہیں۔مثلاً

کشمیری نے ابوطالب کلیم کی وفات یوں کہی:

طور معنی بود روشن ازکلیم = ۱۰۶۱ھ

ضامن علی جلال لکھنوی نے میر انیس کی وفات پر کہا:

مرد ہے ہے سخن ورِ کامل = ۱۲۹۱ھ

سرکشن پرشاد نے داغ دہلوی کی تاریخ یوں لکھی:

دِلّی کا چراغ بجھ گیا آہ = ۱۳۲۲ھ

۹

تاریخ گوئی کی اسی دوسری معنوی صورت کا مکمل دارومدار نظام ابجد پر ہے۔ جیسے حسابِ جمل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے،اس پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس نظام کی ایجاد پر گفتگو کی جائے۔ابجد کے بارے میں فرہنگ آصفیہ میں صاف طور سے درج ہے۔

''ابجدین دو ہیں ایک آدم علیہ السلام کی تربیت دی ہوئی اور دوسری حضرت ادریس علیہ السلام کی''

اس کا مطلب ہے کہ تخلیق عالم وآدم کے ساتھ ساتھ حروف کی بھی تخلیق ہوئی۔جیسا کہ سورہ بقرہ کی اکتیسویں آیت میں فرمان خدا ہے۔ترجمہ:''اور آدم علیہ السلام کو سب چیز وں کے نام سکھادئے''۔ظاہر ہے کہ اشیاء کے نام حروف اور الفاظ کے ذریعے ہی سکھائے گئے ہوں گے۔

فرہنگ آصفیہ میں ہی حضرت ادریس کی ابجد رائج ہونے کی بات اس طرح کہی گئی ہے۔

چنانچہ آج کل ادریسؑ ہی کی ابجد جاری ہے انھوں نے اسی ابجد کو ترتیب دے کر آٹھ بامعنی کلمے بنائے اور ابجد ادریسی اس کا نام رکھا۔ابجد ادریسی کے آٹھوں کلمے یہ ہیں: ابجد،ہوز،حطی، کلمن،سعفص،قرشت،ثخذ،اور ضظغ۔''

ایک دوسری روایت میں بعض لوگوں نے ان کلموں کا موجد اباجادنامی بادشاہ کو قرار دیا ہے۔باقی سات کلمے اس کے بیٹوں کے نام پر ہیں۔اسی طرح کی بہت سی اور روایتیں بھی ہیں جیسا کہ دائرہ معارف اسلامیہ،جلد اول میں تحریر ہے۔

(۱)ابوجد یا اباجادنامی ایک بادشاہ گزرا ہے۔اسی کا مخفف ابجد ہے۔باقی سات کلمات کا تعلق اس کے سات بیٹوں سے ہے۔

(۲)مرامر نامی کسی شخص نے رسم الخط ایجاد کیا تھا اور یہ آٹھوں کلمات اس کے آٹھ بیٹوں کے نام ہیں۔

(۳)ان کلمات کے حروف خاص ترتیب اور مفہوم کے ساتھ حضرت آدمؑ پر نازل ہوئے۔ جنھیں ترتیب دے کر حضرت ادریسؑ نے یہ آٹھ کلمات بنالئے۔

(۴)ان کلمات کو مداین کے چھ بادشاہوں نے ایجاد و مرتب کیا تھا۔

(۵)ان کلمات کا تعلق دیووں،شیطانوں اور دنوں کے ناموں سے ہے۔

ان آٹھوں کلموں کی نسبت بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حسابی جملے حضرت شیثؑ پر نازل ہوئے ہیں اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ترتیب دیے گئے۔[۱۰]

علامہ فتح پوری نے ''ابجد کی ایجاد'' کے عنوان سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے جو رائے ظاہر کی ہے اس کے مطابق ان کلمات کی ایجاد و اختراع کے بارے میں اس طرح کی جتنی روائتیں ملتی ہیں ،سب بے دلیل و بے بنیاد ہیں ،ان کے لفظوں میں: ''یہ سارے بیانات لغو ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے حروف ہجا عبرانی اور آریائی زبان سے حاصل کئے اور چونکہ وہاں یہی ترتیب تھی،جو ابجد ،ہوز وغیرہ میں پائی جاتی ہے اس لئے عربوں نے بھی اُسے بجنسہ لے لیا ،بعد کو البتہ اس ترتیب میں بلحاظ طرز تحریر و مخارج کچھ فرق ہو گیا۔''

ابجد کی تشریح کرتے ہوئے اس کی ایجاد و اختراع کے بارے میں کم و بیش اسی قسم کا حکم ان کلمات کے بارے میں دائرہ معارف اسلامیہ کے مرتبین نے لگایا ہے۔[۱۱]

فرہنگ آصفیہ میں بھی ضوابط عظیم کے حوالے سے ہی بزبان اردو ان الفاظ کے معنی مندرجہ ذیل دیے گئے ہیں۔

''ابجد یعنی شروع کیا،ہوز یعنی مل گیا،حطی یعنی واقف ہوا،کلمن یعنی متکلم ہوا،سعفص یعنی اس سے سیکھا،قرشت یعنی ترتیب دیا،ثخذ یعنی محفوظ رکھا اور ضظغ یعنی تمام کیا۔''

عربی زبان میں ان حروف کی قیمت ان آٹھوں الفاظ کے حروف کے لحاظ سے بالترتیب

اکائی کے زمرے میں ایک سے ۹ تک ایک ایک کر کے قیمت بڑھتی جائے گی۔دہائی یعنی دس آجانے پر اگلے حروف کی قیمت دہائی کے حساب سے ہی بڑھائی جائے گی اسی طرح سیکڑہ یعنی سو کی قیمت آجانے پر یہ سلسلہ سیکڑے میں آگے بڑھے گا جو ایک ہزار پر ختم ہو جاتا ہے۔

ابجد ہوّز کے جن آٹھ کلمات کا ذکر اُوپر کیا گیا۔ان میں سے ہر حرف کی قیمت یا اعداد بحساب جمل مقرر ہے۔جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱				۲			۳		
ابجد				ہوز			حطی		
ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰

۴				۵				۶			
کلمن				سعفص				قرشت			
ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰

۷			۸		
ثخذ			ضظغ		
ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

ان ہندسوں کا حساب خود اس بات کا متقاضی ہے کہ اس علم میں جوڑنے،گھٹانے یہاں تک کہ ضرب اور تقسیم کی بھی ضرورت کو سمجھا جائے اور اس علم میں ادب کے ساتھ ساتھ حساب کو

بھی اہمیت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ گوئی کے اس طریقے کو جس میں حروف ابجد کا استعمال ہوتا ہے اصطلاحاً ''علم جُمل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[۱۲]

عربی میں فارسی کے حروف پ، چ، ژ، اور گ نہیں ہیں، یہی صورت ہندی اور اردو کے حروف ٹ، ڈ، اور ڑ کی ہے۔ اس لیے ان کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ ان حرفوں کی قیمت اردو حروف تہجی میں ان حرفوں سے قبل آنے والے حرف کی قیمت کے مطابق مقرر کر دی گئی ہے چنانچہ:

'پ' کے اعداد 'ب' کے مطاطق یعنی ۲
'ٹ' کے اعداد 'ت' کے مطابق یعنی ۴۰۰
'چ' کے اعداد 'ج' کے مطابق یعنی ۳
'ڈ' کے اعداد 'د' کے مطابق یعنی ۴
'ڑ' کے اعداد 'ر' کے مطابق یعنی ۲۰۰
'ژ' کے اعداد 'ز' کے مطابق یعنی ۷
'گ' کے اعداد 'ک' کے مطابق یعنی ۲۰

حروف کی مندرجہ بالا قیمتیں یا اُن کے اعداد معلوم ہوں اور وہ خاص فقرہ یا مادۂ تاریخ بھی سامنے ہو، جس سے تاریخ نکالی گئی ہے تو اس کے حروف کے اعداد کو جمع کر کے مطلوبہ تاریخ حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن اعداد شمار کرنے کے بھی کچھ اُصول وضوابط ہیں اور جب تک وہ ذہن میں نہ ہوں تاریخی مصرع یا فقرے سے صحیح تاریخ کا برآمد کرنا مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کی تفصیل کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اہم اُصول جن پر تقریباً سارے محققین اور اہل فن متفق ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا): الرحمٰن اور عبدالرشید میں ،ال کے اعداد شمار ہوں گے حالانکہ یہ پڑھنے میں نہیں آتے۔

(ب): خوش اور خواب میں 'و' کے اعداد لیے جائیں گے۔ اگر تلفظ میں یہ ظاہر نہیں ہوتا۔

(ج): عربی کے بعض فقروں مثلاً امنوا اور قالوا وغیرہ کے آخر میں جو الف، آتا ہے، ہر چند

کہ تلفظ میں ادا نہیں کیا جاتا لیکن ان کا عدد لیا جائے گا۔

(د): چہ، اگر چہ، نہ اور فسانہ، وغیرہ کا آخری حرف ہائے ہوز تلفظ میں ادا نہیں کیا جاتا، لیکن چونکہ مکتوبی ہے اس لیے اس کے عدد لیے جائیں گے۔

(س): بھ، جھ، تھ وغیرہ کی بھی یہی صورت ہے، ان ہائے مخلوط اگر چہ الگ سے واضح آواز نہیں دیتی پھر بھی مکتوبی ہونے کے سبب حساب میں شامل کی جائے گی۔

(ک): سنگ، جنگ اور رنگ میں ''نون'' پڑھنے میں بہت واضح نہیں ہے مگر چونکہ لکھا گیا ہے اس لیے شمار کیا جائے گا۔

(ل): عربی کے فقروں میں جیسے ناصر، واقتلوا ھمہ وغیرہ کا الف شمار ہوگا، کہ تلفظ میں نہ آنے کے باوجود مکتوبی ہے۔

(م): فارسی تراکیب مثلاً دل وجاں ورسم وراہ کا حرف عطف ''واؤ'' اکثر پڑھنے میں نہیں آتا لیکن محسوب کیا جائے گا۔ یوں سمجھنا چاہیے تاریخ گوئی کے فن میں حروف کا شمار، اُصول تقطیع یا فن عروض کے بالکل برعکس ہے، عروض یا تقطیع کی بنیاد ملفوظ الفاظ پر ہے۔ یعنی وہ ساری آوازیں تقطیع میں شمار ہوں گی، جو کسی لفظ کے تلفظ میں شامل ہیں، خواہ اِملا میں ان کا اظہار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اس کے برعکس تاریخ نکالنے میں وہ سارے حروف محسوب ہوں گے، جو کسی لفظ کے اِملا میں آئے ہیں، خواہ تلفظ سے خارج ہی کیوں نہ ہوں۔

البتہ بعض الفاظ اردو میں، ایسے نظر آئیں گے جن میں اگر چہ کوئی حرف کسی نہ کسی شکل میں اُوپر یا نیچے، یا شروع اور آخر میں مکتوب ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کے اعداد شمار نہیں کئے جاتے، وجہ یہ ہے کہ اردو میں تاریخ گوئی کی اساس، عربی اِملا ہے اور عربی الفاظ کے اِملا میں اس قسم کے حروف بطور اصلی شمار نہیں کئے جاتے، اسی لیے۔

(ا) عیسیٰ اور موسیٰ سمٰوات وغیرہ کی 'ی' پر جو الف لکھا گیا ہے، وہ تاریخ گوئی میں محسوب نہ ہوگا،

(ب) خرم فرخ، کلّن وغیرہ کے حرف وسط پر اگر چہ تشدید ہے اور یہ دوبار پڑھنے میں آتے ہیں لیکن چونکہ دوبار مکتوب نہیں ہوئے اس لیے شمار نہیں ہوں گے۔

(ج) آب، آم، آگ وغیرہ کے شروع کا الف، مد کے ساتھ آیا یعنی ممدودہ ہے اور تلفظ میں بھی مکّرر آتا ہے۔ مگر چونکہ دوبار نہیں لکھا جاتا اس لیے صرف ایک لفظ شمار ہوگا۔

(د) ہمزہ، عربی کے حروف تہجی میں شامل نہیں، اس لیے اصولاً اور عموماً اس کا کوئی عدد محسوب نہ ہوگا۔ لیکن عربی، فارسی اور اردو میں چونکہ ہمزہ، سیکڑوں الفاظ میں مستقل حرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لیے جن الفاظ میں ہمزہ، تلفظ کے اعتبار سے 'ی' کا قائم مقام ہوگا اور اس کے اظہار کے لیے ہمزہ کے نشان کے علاوہ ان کے اِملا میں کوئی شوشہ یا دندانہ بنایا جائے گا، اُن کے ہمزہ کے دس لفظ لیے جائیں گے۔ مثلاً ''آئینہ'' کے لفظ کو لے لیجیے۔ اس میں ہمزہ، چونکہ 'ی' کا قائم مقام اور مستقل حرف کے طور پر دندانے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس لفظ کو ''آئینہ'' متصور کیا جائے گا اور اس میں حرف 'ی' کو اعداد دوبار شمار ہوں گے۔[۱۳]

چنانچہ جلال لکھنوی نے بہت واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

ہمزہ کا ایک عدد لینا کسی طرح صحیح
نہ ہوگا۔ غلط بلکہ اغلاط ہے کہ مورخینِ
ثقاوت نے کبھی ہمزہ کا کوئی عدد تاریخ
میں نہیں لیا، یائے معروف جس پر ہمزہ
یعنی خطِ منخی لکھ دیتے ہیں، عربی کی
ہوخوا، فارسی کی، خواہ ہندی کی اس
کے بیس عددلیے جائیں گے۔ اس لیے جب
کسرئہ ماقبل، اس کا اشباع پائے گا، وہ
دوسری 'یا' ہوجائے گا اور کتابت بھی

دو یـائـوں سے چاهیئے جیسے مائی،ھوائی
،خدا ئی، رهائی،آئی ،بنائی ،دکھائی ،گئی
،کـئی بـمـعـنـی چـند،نئی بمعنی نو،ھوئی
وغیـره کی یائے معروف کے بیس اعدادلیے
جـائیـں گـے اوریائے مجمول کے عدد،خواه
اس پـر همزه لکھا جائے خواه نه لکھا جائے
دس عـددلیـے جائیں گے جیسے جائے،خدا
ئے،صـفـائـے ،آئـے، پـا ئے،لائے،کی جـائے
مجھول کے عدد دس لیے جائیں گے ؔ

یہی کیفیت، قائد، دائم، قائم، ضائع، مائع، شائع، ضائع، بدائع، ذرائع، نائب، جائز، شائستہ، غائر، تائب، صائب، غائب، خائف، تحائف، کوائف، لطائف، غرائب، عجائب، زائد فائز، نائلہ، رئیس، سئیس، شاید، تائید، عنایت، رعایت، زائر، دائر، سائل، قائل، حائل، مائدہ، طائفہ، لائفہ، فائقہ، فائدہ، بلائیں، سنائیں، دکھائیں، بیوائیں، جائیے، چاہئیے، لائیے، سوئیے، روئیے، شائق، معائنہ، مضائقہ، چھوئیں، بوئیں، دھوئیں، سائبان، رائگاں شرائط، جزائر، نقائص، مسائل، قرائن، نائن، ذائقہ، لائق، فائق، آرائش، زیبائش، کے قبیل، کے بے شمار الفاظ کی ہے کہ ان میں ہمزہ بطورِ حرف مستقل شوشے یا داندانے کے ساتھ آیا ہے اس لیے اس کے دس عدد لیے جائیں گے۔

مندرجہ بالا مثالوں کے برعکس علماء، فقرا، شعراء، انشاء، جاؤ، کھاؤ، لاؤ، آئے، جائے، کھائے، بندۂ خدا، دیدۂ نم، نامۂ شوق، نالۂ دل، حوصلۂ دل، عمدۂ منتخبہ، تذکرۂ شعراء اور اس کے بہت سے الفاظ کا ہمزہ محسوب نہ ہوگا کہ ان میں، اس کی حیثیت، نہ تو حرف زائد کی ہے اور اس کے لیے کوئی

شوشہ یا دندانہ استعمال کیا گیا ہے۔

بعض تاریخ گویوں نے اس قیاس پر ہمزہ ،عربی کے بعض الفاظ میں ،کہیں الف کا قائم مقام ہوتا ہے کہیں 'ی' کا اور کہیں واو کا،کبھی اس کا ایک عدد لیا ہے،کبھی دس اور پانچ عدد شمار کیے ہیں ،لیکن جیسا کہ جلال کا قول ،اُوپر گزر چکا ہے،یہ کسی طرح درست نہیں ،بلکہ غلط محض ہے۔اصلاً،ہمزہ کے اعداد شمار کرنے کا وہی اُصول درست ہے جس کی تفصیل اُوپر دی جا چکی ہے۔یعنی ہمزہ کے صرف دس عدد 'ی' کے بدل کے طور پر،اس وقت لئے جائیں گے جب کہ اُسے مستقل حرف کی حیثیت سے دندانے کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہو۔[۱۵]

الف ممدودہ :

اس میں دو الف محسوب کرنا قاعدہ کی رو سے صحیح نہیں۔تاریخ میں حرف ابجد کے اعداد مکتوبی لئے جاتے ہیں۔کتابت میں الف ممدودہ ایک ہی لکھا جاتا ہے مد حساب کی مد سے خارج ہے۔

بعض شعراء کے نزدیک الف ممدودہ کے دو عدد لینا درست ہے اُن کی رائے ہے کہ عربی میں الف ممدودہ (اا) دو الف ملا کر لکھا جاتا ہے اور تقطیع میں بھی دو الف یعنی آبروزن فا شمار کیا جاتا ہے۔لیکن جن لوگوں نے دو عدد لئے ہیں محض ضرورت تاریخ ہے[۱۶]

قواعد تاریخ گوئی میں الف ممدودہ کے عدد دو طرح سے لئے گئے ہیں۔الف ممدودہ (آ) کا ایک عدد الف مقصورہ کے برابر بھی لیا جاتا ہے اور اس کے دو عدد بھی بعض تاریخوں میں ملتے ہیں۔

جلالؔ نے الف ممدودہ کو الف مقصورہ کے برابر لکھا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''الف ممدودہ کا جو اول الفاظ میں آتا ہے۔تاریخ میں ایک عدد لیا جائے گا۔اس لئے کہ کتابت اس کی ایک الف کے ساتھ ہے۔مثلاًلفظ احاد(ا،۱)(ح،۸) (ا،۱) (د،۴) کے (۱۴)اور لفظ آزاد(آ،۱)(ز،۷)(ا،۱)(د،۴) کے (۱۳)عدد لیے جائیں گے۔[۱۷]

تائے مدّورہ :

تائے مدّورہ عربی الفاظ کے آخر میں استعمال کی جاتی ہے۔جس کی صورت ہائے ہوز کی طرح گول ہوتی ہے لیکن اس پر دو نقطے بھی لگے ہوتے ہیں جیسے زکوٰۃ،صلوٰۃ وغیرہ قرآن مجید میں جس مقام پر اس کا استعمال جملے کے آخر میں ہوا ہے اس کی آواز ہائے ہوز میں تبدیل ہوگئی ہے جس سے نقطوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی ہے یہ حرف عربی زبان کا ہوتے ہوئے بھی نظام ابجد میں استعمال نہیں کیا گیا ہے اسی لئے اس کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے۔اس حرف کی دو جداگانہ آوازیں ہونے کی بنا پر اس کے اعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کی مکتوبی شکل کے مطابق نقطے لگے ہونے پر ''تائے قرشت'' مان کر ۴۰۰ عدد اور نقطے نہ ہونے پر ہائے ہوز مان کر پانچ عدد شمار کئے جاتے ہیں ۔یہی صحیح بھی ہے کیونکہ قاعدہ جمل میں مکتوبی حروف کی حیثیت ملفوظی حروف سے زیادہ اہمیت کی متقاضی ہے یعنی صرف انھیں حروف کے عدد شمار کئے جانے چاہئے جو لکھنے میں آتے ہیں پڑھنے والوں کے حروف شمار نہیں کئے جاتے جیسا کہ الف مقصورہ کے باب میں ''یا'' اور ''الف'' کی بحث میں ثابت کیا جاچکا ہے۔مثال میں محمد طاہر آبادی کی تاریخ پیش کی جاتی ہے جو موصوف نے ''دھشت بہشت'' کی تعمیر مکمل ہونے پر تحریر کی تھی۔

آنکہ مقصود وی از عمر و حیوۃ

بند گی رہ شہ با طاعات

پہلے مصرع میں حیوٰۃ میں تائے مدورہ ہے ۔جس کی آواز تائے قرشت جیسی بہت نمایاں ہے کیوں کہ یہ طاعات کا قافیہ بھی ہے۔عام چلن میں ''حیوٰۃ'' کو حیات لکھا جاتا ہے لیکن نصر آبادی نے اسے تائے مدورہ (ۃ) لکھا ہے۔اور اس کے عدد ۴۰۰ (چارسو) شمار کئے ہیں ۔مصرع گذشتہ میں جنۃ ''الماوی'' کو ''جنت الماوی'' ہی لکھ کر اس کی 'ت' کے چارسو عدد شمار کئے گئے تھے۔درگاہ علی برید جو دکن کے شہر بیدر میں واقع ہے اس کے گنبد کی قطعہ تاریخ ایک کتبہ پر اس طرح

لکھی ہوئی ہے:

بانی	این	گنبد	گردون مثال
شاہ	فرخندہ	برید	نیل خو
مصرع	آخر	کہ	تاریخ بناست
نام	گنبد	:قبتہ	الا نوار گو

(۹۸۴)

اس تاریخ میں بھی 'ۃ' کے چارسو عدد شمار کئے گئے ہیں کیونکہ سیکڑے والے حروف صرف 'ق' 'ۃ' اور 'ر' ہی موجود ہیں۔غرض کہ یہ تائے مدورہ جس طرح لکھی جائے گی اسی حساب سے اس کے عدد شمار کئے جائیں گے۔[۱۸]

تاریخ گوشاعروں اور ان کے ناقدوں نے معنوی تاریخ کو صرف تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔معنوی تاریخ کے اقسام:

(۱) سالم العدد (۲) تعمیہ تدخلہ (۳) تعمیہ تخرجہ

(۱) سالم تاریخ :

(۱) سالم تاریخ سے مراد ایسی تاریخ ہے جس کے جملے ،لفظ یا مصرع سے مکمل تاریخ برآمد ہوتی ہو۔معنوی تاریخ کی یہی صورت زیادہ بہتر اور مقبول عام ہے۔اس قسم کی تاریخ نکالنے کے لئے استعمال کئے گئے لفظ ، جملے ،مصرع یا مصرع کے جز کے حروف کے عدد کسی وقوع پذیر واقع کے سال یا سنہ کے برابر نکل آتے ہیں۔اسی طرح کی تاریخ نکالنے کا چلن نوے فی صد سے زیادہ کھائی دیتا ہے۔مثلاً ۹۵۱ھ میں جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست پا کر ایران کے بادشاہ کی پناہ میں پہنچا تو محتشم کاشی نے اس واقع کی ایک شاندار تاریخ نظم کی جس کے دوشعر درج کئے جاتے ہیں۔

از یک طرف ہمای ہمایوں کہ کام دھر
جست از رکاب بوسی اوگشت کا میاب
تاریخ آن قران طلب یدم زعقل گفت
بوسید کامجوی جھان شاہ رارکاب

آخری مکمل مصرع ''بوسید کامجوی جھان شاہ رار کاب'' سے ۹۵۱ھ سالِ واقعہ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔

(۲) تعمیہ تدخلہ :

لغت میں تعمیہ کے معنی چھپانا، ڈھانکنا، معما کہنا، وغیرہ کے ہیں۔ (**فیروز اللغات ص۲۳۲**) کیونکہ تعمیہ تاریخوں میں اصل عدد ظاہر کرنے کے لئے ایک شکل معمہ جیسی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ پہیلی اچھی خاصی شکل طلب بھی ہوجاتی ہے اس لئے ایسی تاریخوں کو جن میں مطلوبہ عدد کی کچھ کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ تعمیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر کسی تاریخ کے عدد میں کچھ کمی ہوتی ہے تو وہ شعر میں دئے گئے کسی اشارے سے پوری کی جاتی ہے۔ اگر اس میں کچھ عدد داخل کرنا ہوتے ہیں تو اسے تعمیہ تدخلہ کہتے ہیں یعنی داخل کرنے کا معمہ مثال کے طور پر صحف ابراہیم میں حسین خان زائد کی تاریخ وفات جو خواجہ عبداللہ تائید نے برآمد کی ہے پیش کی جاتی ہے۔

داشت چون زایر حسین لقب
آن سفر کردہ زین سرای غرور
گشت تاریخ او زروی سداد
باشہ کربلا ابد محشور

مندرجہ بالا آخری مصرع سے ۱۱۲۲عدد برآمد ہوتے ہیں لیکن زایر کی سال وفات ۱۱۸۲ھ ہے لہذا پہلے مصرع میں ایک اشارہ کیا گیا کہ ''زروی سداد'' سداد کے چہرہ سے یعنی سداد کے 'س' کے ساٹھ عدد شامل کرنے پر یہ تاریخ ۶۰ +۱۱۲۲=۱۱۸۲ ہو جاتی ہے اس خاص اشارے اور ساٹھ عدد داخل کرنے کی بنا پر اس طریقے کو تدخلے کا نام دیا گیا[۱۹]

مرزا مظہر جان جاناں کو کسی نے شہید کر دیا تو سودا نے اس کی تاریخ لکھی۔

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتد شوم
اوران کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کہی باروے درد
سودا نے کہ ''ہائے جان جاناں مظلوم''

ہائے جان جاناں مظلوم کے اعداد ۱۱۹۱ ہوتے ہیں اس میں روئے درد یعنی دال کے اعداد ۴ شامل کیئے گئے تو مطلوبہ ۱۱۹۵ھ برآمد ہوا۔ اور پھر خوبی یہ ہے کہ باروئے درد کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ درد کا پہلا حرف دال مادہ تاریخ میں داخل کیا جائے اور ساتھ ہی رنج والم کا اظہار بھی ہے[۲۰]

(۳) تعمیہ تخرجہ :

یعنی خارج کرنا، کم کرنا، کسی مصرع، جملہ یا لفظ یا لفظوں سے تاریخ نکالنے کے لئے ان میں جتنے عدد سال مطلوبہ سے زیادہ ہوں ان کے کم کرنے کی طرف اشارہ کرنا جس کے عمل سے سال واقعہ برآمد ہو جائے۔ اس طرح کی تاریخیں نکالنے کا رواج نویں صدی ہجری کے اوایل میں ہی نظر آتا ہے جیسا کہ امیر تیمور کی سال وفات پر کہی گئی مولانا بہاء الدین جامی کی تاریخ سے واضح ہے۔

تیمور کہ چرخ پیر رادل خون کرد
وزخون عدوری زمین گلگوں کرد
درھژدہ شعبان سوی علیین تاخت
فی الحال ''زرضوان'' سروپا بیرون کرد

اس رباعی کے مطابق ۱۸/شعبان ۸۰۷ھ کوتیمور کا انتقال ہوا تھا۔جس کے لئے شاعر نے پہلے ''رضوان'' لفظ کا انتخاب کیا پھر اس کا سر اور پیر باہر کرنے یعنی جدا کرنے کا اشارہ کیا۔مکمل رضوان لفظ کے ۱۰۵۷ عدد ہوتے ہیں لیکن اس لفظ کا سر یعنی 'ر' اور پیر یعنی 'ن' الگ کرنے سے صرف 'ضوا' بچ جاتا ہے ان 'ض' 'و' اور 'الف' کے عدد ۸۰۷ ہوجاتے ہیں جو تیمور کا سال وفات ہے۔[۱۱]

مومن کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے:

دخت روشن رواں ہوئی پیدا
کیا ہی چمکا ہے اختر مومن
نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے
کہی تاریخ ''دختر مومن''

دختر مومن کے اعداد بحساب جمل ۱۳۴۰ ہیں۔اس میں سے نال کے اعداد ۸۱ نکال دیئے گئے تو ۱۲۵۹ باقی رہے گا۔یہی سنہ ولادت ہے۔[۱۲]

اس بات کو تمام ماہرین نے تسلیم کیا ہے کہ تعمیہ یعنی تدخلہ وتخرجہ ایک سے نو تک محدود رہے تو بہتر ہے۔زیادہ کا ہو اور اس میں کوئی حسن پیدا ہو رہا ہو تب ہی درست ہے سینکڑوں کا تعمیہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

جب کسی کلمہ کے پہلے حرف کو مادہ میں سے خارج کرنا یا شریک کرنا مقصود ہو تو سر،ابتدا،اول ۔لب،دست،چشم،رُخ،دہان،دندان،روئے،زبان بینی پیش،شاخ،تاج،بالا کا اشارہ کرنا چاہیے۔اگر سہ حرفی یا پنج حرفی الفاظ میں سے درمیانی حرف کا تخرجہ یا تدخلہ کرنا مقصود ہو تو

دوم، اوسط، میان کمر، ضمیر، دل، قلب، جگر، شکم، روح، جان، سینہ، ناف وغیرہ کے کنائے سے کام لینا چاہئے، اگر حرف آخر کا تعمیہ مطلوب ہو تو سوم، انجام، پس، پائے، اصل، پایاں، انتہا، زیریں، آخر، غایت، نہایت کے اشارے سے مطلب پورا کرنا چاہئے۔

تعمیہ حرفی کے لئے مذکورہ اشارات سے مورخ اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ لیکن تعمیہ لفظی کے لئے جن کنایوں یا اشاروں کا نشان اساتذہ کی تاریخوں میں ملتا ہے وہ بہت لطیف ہے۔ کبھی کبھی الفاظ کا استعمال اس قدر لطیف، باریک اور انوکھا ہوتا ہے کہ جن کی گہرائیوں تک ایک دقیق النظر مورخ ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی ہیں۔ اور جن کی معنوی لطافتوں کی حدود سے صرف ایک مورخ ہی واقف ہو سکتا ہے۔ ایک اچھا مورخ الفاظ پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ان کی قیمت عددی اس کے ازبر ہوتی ہیں۔ وہ اپنی مطلب برداری کے لئے صرف ایسے اچھوتے اور نادر الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس کے مقصد کی بلندیوں سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ لیکن بہت کم مورخ اس پرخار راستے پر گامزن ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں[۲۴]

تاریخ کہتے وقت حسب ذیل امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) مادۂ تاریخ صاف، سادہ، برمحل، اور واضح ہونا چاہئے۔ لفظ ہست، باشد، گو، گفت، وغیرہ مقولہ کے لئے آتے ہیں۔ آخر مادۂ میں ایسے لفظ داخل نہیں کرنے چاہئیں، جہاں تک ممکن ہو تعمیہ تخرجہ سے مادۂ کو صاف رکھیں۔ الفاظ شستہ ورفتہ لائیں۔ بھرتی سے بچائیں جب کسی تقریب کا مادہ نکالنا منظور ہو تو پہلے اس تقریب کو دیکھیں کہ تہنیت کے واسطے ہے یا تعزیت کے لئے یا کس تقریب کے لئے۔ پھر اسی تقریب کے الفاظ جمع کریں۔ اگر الفاظ مقررہ میں کمی بیشی رہے تو دوسرا لفظ موافق کمی بیشی کے تلاش کریں۔ مثلاً شادی کا مادہ ۱۲۸۵ ہجری تلاش کرنا ہے تو لفظ شادی کے عدد لیں جو ۳۱۵ ہوتے ہیں اب اسی طرح کا دوسرا لفظ ڈھونڈیں جس کے عدد موافق کمی سنہ مطلوبہ کے ہوں وہ لفظ عشرت ہے کہ جس کے عدد ۹۷۰ ہوتے ہیں باہم جمع کیا تو ۱۲۸۵ ہوئے گویا شادی عشرت مادہ ہاتھ آیا۔ اسی طرح جس تقریب کی تاریخ مطلوب ہو خیال کر کے نکالیں۔

(۲) سال تاریخ کا مصرعہ پورا ہو تو بہتر ہے، فقرۂ تاریخ مشکوک نہ ہو۔

(۳) جس واقعہ کا سال نکالا جائے اس کے حسب حال پورا مصرعہ ہو۔ اگر پورا مصرعہ نہ ہو تو خلاف واقع یا مشکوک جملے نہ ہوں جس سے کچھ پتہ نہیں چلے۔

(۴) جہاں تک ممکن ہو تعمیہ تخرجہ سے بچنا بہتر ہے۔

(۵) زیادہ بکھیڑے کی تاریخ نہ ہو کیوں کہ تکلف میں تاریخ کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے۔

(۶) تاریخ کا موضوع یہ ہے کہ بقاعدہ ابجد آسانی سے سال طبع نکلے۔ جمع، تفریق، ضرب کا جھگڑا نہ رہے۔[۲۳]

فہرست حوالہ جات

۱۔ ابوالبلاغت رتن پنڈوروی، فن تاریخ گوئی، ص ۱۷

۲۔ بحوالہ مقدمہ افادۂ تاریخ، ص ۲ مطبوعہ مطبع جعفر لکھنو مطبوعہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء

۳۔ بحوالہ بحر الفصاحت، ص ۹۹۶ مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۶ء

۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، فن تاریخ گوئی اور اردو میں اس کی روایت، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر لاہور ص ۲۶، ۶۳

۵۔ ایضاً، ص ۷۰

۶۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت ص ۱۵

۷۔ رحمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع وبدائع، ص ۴۵۵

۸۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت ص ۲۲

۹۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، فن تاریخ گوئی اور اردو میں اس کی رویت، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۸۲ء لاہور، ص ۷۰

۱۰۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت ص ۱۸، ۱۹

۱۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، فن تاریخ گوئی اور اردو میں اس کی رویت، (مشمولہ نقوش) بابتہ ستمبر ۱۹۸۲ء لاہور، ص ۶۴

۱۲۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت، ص ۲۱

۱۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، فن تاریخ گوئی اور اردو میں اس کی روایت، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۸۲ء لاہور ص ۶۶، ۶۷

۱۴۔ بحوالہ افادۂ تاریخ، ص ۱۳

۱۵ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۸۲ء لاہور، ص ۶۸

۱۶ ابوالبلاغت رتن پنڈوروی، فن تاریخ گوئی، ص ۱۸

۱۷ کسریٰ منہاس، جلال آں تسلیم اور ولا کی مصرکہ آرائی، مشمولہ نقوش ستمبر ۱۹۸۱ء لاہور، ص ۱۶۸

۱۸ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت ص ۲۹، ۳۰

۱۹ ایضاً ص ۳۲

۲۰ رحمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع وبدائع تاریخی وتنقیدی مطالعہ، ص ۴۵۲

۲۱ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت، ص ۳۴

۲۲ حمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع وبدائع تاریخی وتنقیدی مطالعہ، ص ۴۵۳

۲۳ کسریٰ منہاس، فن تاریخ گوئی، ص ۱۵۸

۲۴ ابوالبلاغت رتن پنڈوروی، فن تاریخ گوئی، ص ۲۷

دوسرا باب :

تاریخ گوئی کا آغاز اور دکنی شاعری میں فن تاریخ گوئی کا آغاز و ارتقاء

لغات میں لفظ تاریخ کے معنی وہ جملہ یا فقرہ یا مصرع جس کے اعداد نکالنے سے کسی واقعے کی تاریخ نکل آئے، بھی ہے۔ ''مہذ اللغات'' میں تاریخ کے معنی مندرجہ ذیل درجہ ہیں۔

''کسی واقعے کا سنہ وقوع کسی لفظ، جملے یا مصرع سے بحساب ابجد اعداد نکال کر حاصل ہونا ہے۔قول فیصل :اس کا صرف ''کہنا اور نکالنا'' کے ساتھ ہے۔''

''نوراللغات'' میں کچھ تفصیل سے اس طرح کی عبارت درج ہے۔''کسی چیز کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا۔ کسی امر عظیم کے وقت کا تعین کرنا، کسی واقعے کا ایسے الفاظ میں ظاہر کرنا جن کا اعداد بحساب جمل جوڑنے سے زمانہ وقوع ظاہر ہو مثلاً اردو کا نادر لغت نوراللغات کی تالیف کی تاریخ ہے جس سے ۱۹۱۷ نکلتے ہیں''۔

تاریخ گوئی کی ابتدا کب ہوئی، یہ کہنا قطعیت کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ یہ فن کب ظہور میں آیا۔لسانی معاشرہ اتنا قدیم ہے کہ تاریخ اس کا احاطہ نہیں کر سکی۔ بہت سی چیزیں ہم کو روایات اور قصے کہانیوں میں ملتی ہیں اور اتنے قدیم دور سے تعلق رکھتی ہیں جب علم تحریر بھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔تمدن کی ابتداء میں انسان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ چیزوں کو شمار کرے۔ چنانچہ اس نے علم ہندسہ ایجاد کیا۔قیاس یہ کہتا ہے کہ انسان کو ہندسے کی ضرورت اپنے تمدن کے ابتدا میں پیش آئی ہوگی۔ایک ایسے دور کا تصور کرنا ہمارے لئے مشکل بلکہ غیر ممکن ہے جب انسان کو چیزوں کے شمار کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی ہو۔ بالکل ابتدا میں جب انسانوں نے مل جل کر رہنا شروع کیا ہوگا تو اس ضرورت کا احساس ہوا ہوگا کہ فرد واحد کے پاس اتنی بھیڑیں یا بکریاں ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب دولت کا شمار بھیڑوں یا بکریوں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔اس سے بھی پہلے جب روزی کا دارومدار شکار پر تھا تب بھی کسی نہ کسی حد تک گنتی کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ اول اول ذخیرہ اندوزی انسانی فطرت میں شامل نہ ہوگی۔ چیزوں کو انگلیوں پر گن لیا جاتا ہوگا۔لیکن انگلیوں کی تعداد بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں مل کر بیس ہوتی ہیں۔ دشواری اس وقت پیش آتی ہوگی جب تعداد اشیاء بیس سے زیادہ ہوتی ہوگی۔ ایسے موقع پر بیس

پر ایک بیس پر دو بیس پر پانچ وغیرہ کسی نہ کسی طرح یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ تعداد اشیاء یوں تو بیش از شمار ہیں لیکن ایک یا دو یا پانچ اضافہ کر کے بھی حاصل تعداد تک پہنچا جاسکتا ہے۔اشمار کرنے کا ایک آسان تحریری طریقہ بھی تھا، جتنی چیزیں شمار کی جاتیں، ہر چیز کے لیے ایک لکیر کھینچ دی جاتی، ایک چیز ہوئی تو ایک لکیر بنا دی اور دس چیزیں ہوئیں تو دس لکیریں بنا دی گئیں۔ابتدائے تمدن میں جب پیچیدہ حساب انسانی تصور سے باہر تھا، ایک ساتھ دس تک گن لینا ہی بڑی بات تھی۔ایک سطر میں ایک سے دس لکیریں کھینچتے چلے گئے، پھر دوسری سطر شروع ہوئی۔اگر چیزوں کی تعداد بیس ہے تو دس لکیروں کے نیچے دس لکیریں بنا دی گئیں اور پچیس ہے تو تیسری سطر میں پانچ لکریں کھینچ دی گئیں۔دہائی کا تصور غالباً اسی طرح صورت پذیر ہوا ہوگا۔

جیسے جیسے انسانی معاشرہ نشو ونما پاتا رہا، حساب کی پیچیدگیاں بھی بڑھتی گئیں۔معاشرے کے ساتھ سرمایہ داری کا ایک بنیادی تعلق ہے۔لین دین بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ ذخیرہ اندوزی کی تحریک ترقی پاتی گئی۔اس کا منطقی نتیجہ علم ہندسہ ایجاد ہوا۔دولکریں کھینچنے سے کہیں آسان یہ ہے کہ دو کا ہندسہ بنا دیا جائے۔اور اسی کے ساتھ یہ دونوں ضرورتیں پوری ہوگئیں۔۲صفر کے ایجاد نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔اب دہائی سے سیکڑہ اور لاکھ وغیرہ تک گننا مشکل کام نہ رہا۔دوسری جانب انسانی معاشرے میں تقریر کے دوش بدوش تحریر کو ترقی ہونے لگی، جب ہم سوچتے ہیں کہ علم تحریر کے ایجاد سے پہلے انسان اپنا مافی الضمیر کیوں کر ظاہر کرتا ہوگا تو کئی پہلو ہماری سمجھ میں آتے ہیں۔مثلاً ایک شخص اپنے پڑوسی کے گھر گیا اور وہاں سے ایک پیالہ اپنی ضرورت کے لیے اٹھالایا۔پڑوسی اس وقت موجود نہ تھا۔لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہونا فطری ہے کہ پڑوسی کو کیوں آگاہ کیا جائے۔پیالہ اٹھالانے والے شخص پر لازم آیا ہوگا کہ کوئی نشان اس قسم کا بنادے کہ پڑوسی کو پوری بات معلوم ہوجائے۔ایسے موقع پر وہ اغلباً یہ کرتا ہوگا کہ دیوار پر پیالے کی تصویر کھینچ دی۔لیکن یہی عمل بار بار کرنا پڑے تو پیالے کی تصویر ہر مرتبہ کھینچنا باعث زحمت ہوتا ہے۔پس پورا پیالہ نہ بنایا، پیالے کا ایک حصہ بنادیا۔رفتہ رفتہ تصویر کی جگہ علامت کافی سمجھی جانے لگی ہوگی۔اس طرح تصویری طرز تحریر

ایجاد ہوا ہوگا۔ پھر معاشرے کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم تحریر نے بھی ترقی کی ہوگی۔ چنانچہ جب علم ہندسہ ایجاد ہوا ہوگا تو دوسری طرف حروف تہجی بھی وجود میں آ گئے ہوں گے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں سے پہلے حروف تہجی وجود میں آئے یا ہندسے، یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں بیک وقت یا قریب قریب ایک ساتھ ایجاد ہوئے ہوں۔ بعض اہل فکر کا خیال ہے کہ ہندسوں کا ایجاد بہر صورت حروف کے ایجاد کے بعد عمل میں آیا۔ صاحب 'غرائب الجمل' نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اول تصویری حروف ایجاد ہوئے اور اس کے بعد ہندسے، عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اہل مصر تصویری حروف اور علم ہندسہ کے موجد تھے غیر تصویری حروف تہجی غالباً ۱۸۰۰ ق م میں سامی النسل اقوام نے ایجاد کیے۔[۲]

اسلامی تہذیب کے فنونِ شریفہ میں تاریخ گوئی کو جو مقام حاصل ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، لیکن یہ سوچ کر رنج ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ ہم اپنی تاریخ سے منحرف ہوتے جا رہے ہیں۔ دور حاضر میں ہماری تہذیب اپنے پر فخر کرنے کی بجائے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے کارناموں پر شرمندہ ہے۔ اسلامی زمانے میں اور اس کے بعد اب سے کچھ سال پہلے تک بھی خوش نویسی شہسواری، شاعری، طب یونانی، نجوم اور رمل اور اس قبیل کے بہت سے دوسرے علوم وفنون پرانے گھرانوں میں ہر شخص کو سکھائے جاتے تھے۔ ان کا شوق عام تھا اور مہذب ہونے کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ انھیں فنون میں تاریخ گوئی بھی شامل تھی، عالم یہ تھا کہ حاضر طبع لوگ خواہ وہ شاعر ہوں یا نہ ہوں چلتے پھرتے تاریخیں کہہ لیتے تھے۔ پچھلی نسل تک ایسے لوگ کم یاب نہ تھے، اب یہ حال ہے کہ تاریخ گوئی بھی مردہ فنون میں شامل ہوتی جا رہی ہے۔ نہ وہ اہل کمال رہے اور نہ وہ ذوق وشوق باقی ہے۔ مگر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں ایسے بے شمار لوگ مل جاتے تھے۔ جو نہ عالم ہوتے تھے نہ شاعر، مگر اپنی موزونی طبع کے بل بوتے پر حسب فرمائش تاریخ نکال سکتے تھے، مثلاً کہیں مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ کسی نے توجہ دلائی کہ حضرت اس کی تاریخ تعمیر کیا ہو سکتی ہے۔ تو انھوں نے بلا تکلف ایک مجموعہ الفاظ جو ان کی زبان پر جاری ہو گیا اور کہا لیجئے یہ ہے تاریخ تعمیر، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی

موزوں تاریخیں باتوں باتوں میں کہہ دیتے تھے۔ ایسے موقع پر کچھ حیرت بھی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے کہ یہ ایک عام بات تھی۔ ایسے لوگ بھی دیکھے گئے ہیں۔ جنھوں نے فرمائش پر یکے بعد دیگرے بیسیوں تاریخیں نکال دیں۔ اور ذرا دیر نہ کی پرانے اساتذہ کے دواوین تاریخوں سے بھرے ہوئے ہیں یہ ایک دستور تھا کہ ہر شعری مجموعے کے آخر میں مصنف کی کہی ہوئی تاریخیں درج ہوتی تھیں اور اسی طرح چند منتخب تاریخیں دوسرے ہم عصر حضرات کی اس شعری مجموعے کے متعلق بھی دی جاتی تھیں۔ اس کے برخلاف موجودہ نسل کی کاوشوں میں خواہ کچھ اور موجود ہو یا نہ ہو، کم از کم تاریخیں نہیں ہوتیں۔ یہ غالباً ہمارے دور کے عجز کی ایک نمایاں مثال ہے۔ فن تاریخ گوئی اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یوں دیکھا جائے تو دوسری اقوام میں بھی تاریخ گوئی کا شوق پایا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب میں اس کو جو بلند مقام حاصل ہے اور اس کا جتنا رواج ملتا ہے۔ اس جواب نہیں، اہل عرب حساب دانی کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کے قدیم ترین دور سے اب تک تاریخ گوئی، عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں جاری و ساری رہی ہے۔ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تاخ گوئی کے لئے شاعری کی بھی کوئی ایسی خاص شرط نہیں۔ کسی موزوں مجموعہ الفاظ سے تاریخ نکالنا ممکن ہے۔ خواہ وہ مجموعہ الفاظ نثر کی شکل میں ہو یا نظم کی صورت میں پھر بھی جو تاریخیں شعر کی صورت میں ہوں۔ ان کا زبان زدِ عام ہونا اور یاد رہ جانا قرینِ قیاس ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ گوئی شاعری کا ایک شعبہ قرار پائی اور شعراء نے ضرورت اور موقع کے مناسب سے تاریخیں کہیں۔ عربی سے قطع نظر فارسی اور اردو میں بے شمار تاریخیں کہی گئیں۔ یہاں تک کہ کسی ایسے شعری مجموعے کا تصور کرنا مشکل ہے۔ جس میں مصنف نے خود اپنی کہی ہوئی تاریخیں شامل نہ کی ہوں یا اس کتاب کی طباعت کے متعلق دوسروں کے قطعات تاریخ درج نہ کئے ہوں۔ اسی لئے اور زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ ہماری نسل کے شعراء تاریخ گوئی سے یوں بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں اور ایک قدیم روایت سے اس طرح کٹتے جا رہے ہیں۔ جیسے تاریخ گوئی سے اسلامی تہذیب کا کوئی تعلق نہ ہو۔

تاریخ گوئی اپنی جگہ ایک فن ہے اور اس کے پیوستہ اصول ہیں۔ تاریخیں بالواسطہ کہی

جاسکتی ہیں اور بلاواسطہ بھی ،تعمیہ ،تخرجہ ،صنعت اہمال،اعجام،تضارب ،تناصب ،تحریک ،تسکین، تعریب ،معکوس،مسجع ،معمی ،تکثیر ،مجمع الاقسام،مجمع الصنائع وغیرہ میں بھی اعلیٰ پایہ کی تاریخیں ملتی ہیں۔ان تمام صنائع و بدائع اور اس قسم کے دوسرے محاسن تاریخ گوئی کی تفصیلات ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہیں اس لئے ان سے گریز کیا جاتا ہے۔[۲۶]

تاریخ گوئی ایک فن ہے جو تخصیص چاہتا ہے۔اس فن میں مہارت اور مشق دونوں ضروری ہیں اس فن کو برتنے کے لیے فطری ذہانت ،خداداد تخلیقی صلاحیت اور ملکہ یعنی طبیعت کی موزونی بنیادی شرط ہے۔فن کے اصولوں اور قواعد سے واقفیت بھی لازم ہے۔اچھی تاریخ برآمد کرنے کے لیے آورد اور آمد دونوں ساتھ ساتھ ضروری ہیں۔تب ہی ہنرمندی اور بازی گری کا اظہار ہوتا ہے۔فن تاریخ میں بڑی سر دردی اور ذہنی کاوش کرنی پڑتی ہے۔بعض تاریخیں ایسی ہوتی ہیں۔جنھیں الہامی کہا جا سکتا ہے اور جنھیں دیکھ کر عقل انسان دنگ رہ جاتی ہے۔

یہاں آمد اور آورد کو واضح کرنے سے تاریخ گوکی ذہنی کاوش کی نوعیت کا اندازہ ہوگا۔ شاعری دانستہ اور شعوری طور پر نہیں کی جاتی ۔شعری اظہار ایک نا قابل توجیہہ تخلیقی عمل ہے۔جب احساسات اور تاثرات کی زیادتی ہوتی ہے تو شاعر غیر اختیاری طور پر ان کو موزوں الفاظ کا جامہ پہناتا ہے اور افکار مناسب سانچوں میں ڈھلتے ہیں۔اور شعر کی تخلیق ہوتی ہے۔یہی آمد ہے۔

لیکن تاریخ گوئی کے لیے بڑی حد تک دانستہ اور شعوری طور پر ذہنی کاوش اور کوشش کرنی ہوتی ہے۔متبادل الفاظ اور متبادل طریقہ اظہار پر اعداد کی پابندی کے ساتھ غور کرنا ہوتا ہے۔ایسے میں خاص مہارت تیز ذہن اور حسابی قابلیت کام آتی ہے مگر اچھی تاریخ کے لیے محض ذہنی کاوش ہی کافی نہیں ۔بعض اوقات ذاتی صلاحیت ۔انہماک اور مشق کے امتزاج سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے اس کے تعلق سے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ کہی نہیں جاتی ہو جاتی ہے جس کو خوشگوار حادثہ کہہ سکتے ہیں۔

تاریخ گوئی میں طبع آزمائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔لیکن جب ہم اس مخصوص اور محدود صنف شاعری کی مشکلات کی بات کرتے ہیں تو روئے سخن ان مشکلات کی طرف ہوتا ہے جو اس

فن کو برتنے والے محسوس کرتے ہیں۔[۲]

تاریخ گوئی ایک ایسا ضابطہ علم ہے جس میں زبان وبیان کے ساتھ شعری فکر بھی بہت ضروری ہے۔تاریخ گوئی میں کسی خاص زاویے اور نہج کو دیکھا جاتا ہے یہ ایک ایسا پودا ہے جو شعری تجربات کی گہری زمین میں بویا جاتا ہے۔ یہاں ذہانت اور عقل ودانش بھی چاہئے اور سوجھ بوجھ نیز قدرت بیان بھی۔اس میں اس خون کی آنچ ہوتی ہے جس کے لیے مصرع لکھا جارہا ہے۔گویا تاریخ گوئی خارہ شگافی کا عمل ہے،خودنگری کا نہیں[۳]

تاریخ گوئی میں ایسے بیشتر نوجوان شعرا اس صنف کو دقیق،مشکل ترین،خشک،دماغ سوز ،غیر مفید اور فضول وغیرہ دل شکن ونفرت آمیز خطابات سے نوازتے ہوئے اسکو قطعی ترک کردیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں تاریخ گوشعراء کی تعداد قلیل ترین نظر آتی ہے۔ عام طور پر عمر رسیدہ حضرات اس پر مائل نظر آتے ہیں حالانکہ تاریخ گوئی وہ اہم ترین صنف ہے جس کو سراپا الہام کا درجہ دیا گیا ہے۔ایک عمدہ ،لطیف ،خوشگوار اور برمحل مادۂ تاریخ حاصل ہونے سے ایسی خوش نصیب ہوتی ہے جس سے دل میں سیروں خون ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔

کوئی زمانہ تھا کہ اس صنف کا آفتاب اقبال نصف النہار پر درخشانیاں دکھاتا ہوا اپنی برق پاش تجلیات سے شائقین کو مسحور کرلیتا تھا۔شاہانِ اسلام کے عہد حکومت میں تاریخ گو حضرات نے عظیم الشان وحیران کن انعامات حاصل کئے۔ہندوستانی شعراء کے علاوہ ایرانی شعراء نے بھی اس دادودانعام سے اپنے آپ کو مالا مال کرلیا،چنانچہ ایک دفعہ عبدالرحیم خان خاناں نے ملا حیاتی کو لے جا کر خزانہ میں کھڑا کردیا اور کہا کہ جس قدر اشرفیاں اٹھا سکو پوٹ باندھ کر لے جاؤ۔ چنانچہ جس قدر وہ اٹھا سکا گٹھری باندھ کرلے گیا۔اس کے علاوہ عرفی ،ظہوری،شکیبی،عزتی اور ملا نظیری وغیرہ میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے انعام وافر نہ پایا ہو۔[۴]

حروف اور اعداد کے درمیان یکسانیت قائم کرنے کا خیال انسان کی فطری خواہش کے تحت پیدا ہوا ہوگا کہ وہ مرنے کے بعد بھی مرنا نہیں چاہتا اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ یاد رکھا جائے۔

قدیم عمارات پر سنہ تعمیر کندہ ہوتے ہیں کہ تعمیر عمارت کی تاریخ دنیا کے سامنے باقی رہے۔اس طرح یہ تحریک پیدا ہوئی کہ انسانی کارناموں کو تاریخ گوئی کے ذریعہ باقی رکھا جائے۔اسلامی دور کے مشہور تاریخی واقعات فتوحات سنین پیدائش ووفات جلوس تصانیف کتب تاریخ گوئی کے ذریعہ محفوظ ہیں۔ دنیا کی زبانوں میں صرف فارسی اور اردو کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان میں تاریخ گوئی کی صنف موجود ہے۔یہ بات تعجب خیز ہے کہ عربی میں تاریخ گوئی کے قدیم نمونے دستیاب نہیں ہیں۔یا تو عربوں نے تاریخ گوئی کی طرف ابتدا سے توجہ نہیں کی یا اگر توجہ کی تو ان کی برآمد کی ہوئی تاریخیں ہم تک نہیں پہنچیں۔غالباً عربوں نے فن جمل کو تاریخی ناموں کے تجویز کرنے تک محدود رکھا۔

تاریخ گوئی کی ابتدا فارسی شاعری سے ہوتی ہے۔تاریخ گوئی کے بالکل ابتدائی نمونے ایران کے فارسی شاعروں کے کلام میں ملتے ہیں۔ہندوستان کے فارسی شاعروں نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔برصغیر میں اس فن کی ترقی امیر تیمور کے عہد میں ہوئی۔دور تیموری کے بعد عہد مغلیہ کے درمیان میں فن معراج کمال پر پہنچ گیا۔

اردو شاعری کی ابتدا ہوئی تو تاریخ گوئی کی روایت فارسی کے توسط سے اردو شاعری میں داخل ہوئی ریاضی کی ایک شاخ جبر ومقابلہ میں ہندسوں کے علاوہ حروف استعمال ہوتے ہیں۔اور ہندسوں اور حروف کی مطابقت بھی قائم کی جاتی ہے۔لیکن یہ مطابقت ابجد کے مطابق نہیں ہوتی۔ بعض زبانوں میں حروف کی قیمت مقرر تھی۔لیکن ان زبانوں میں بھی تاریخ گوئی کا پایا جانا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

فارسی شاعری کی اکثر اصناف سخن عربی زبان سے حاصل کی گئی ہیں۔ان میں غزل، قصیدے اور قطعے وغیرہ کے تو ہو بہو وہی اصول وقواعد ہیں جو عربی زبان میں رائج تھے۔اس کی ایک وجہ فارسی شاعری کا ظہور اسلام کے بعد ایران میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں ارتقائی منازل طے کرنا ہے۔اس کے برخلاف کئی اہم اصناف،فارسی کی اپنی بھی ہیں جن پر عربی شعر وادب کا کوئی اثر تو درکنار بلکہ بعد میں یہ اصناف فارسی کے زیر اثر عربی میں داخل ہوئی ہیں۔تاہم ان اصناف میں عربی

زبان کا سرمایہ آج فارسی کے اشعار کی گرد چھونے سے بھی قاصر ہے۔ ان میں مثنوی کو خاص فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال رباعی کا بھی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان دونوں اصناف کے نام عربی زبان سے ہی لئے گئے ہیں۔ فارسی شاعری کے ناقدین ودانشور غزل اور قصیدے کی طرف ان دونوں اصناف پر بھی برابر تنقیدی وتحقیقی مقالے تحریر کرتے رہے ہیں۔

مثنوی اور رباعی کی طرح ہی ایک تیسری صنف سخن ''تاریخ گوئی'' بھی فارسی شاعروں کی اپنی ایجاد ہے حالانکہ اس صنف سخن کا انحصار ''نظام ابجد'' پر ہے۔ لیکن خود عربی زبان میں تاریخ گوئی کا وجود اس حد تک بھی نہیں ہے جتنا کہ مثنوی یا رباعی کا ہے۔ جس کا ثبوت ''تاریخ الشعر العربی الحدیث'' جیسی مستند کتاب سے ملتا ہے۔

''علی قلتھم'' اس دلیل پر صاد ہے کہ عربی زبان میں تاریخ گوئی کی کوئی واضح روایت نہیں ہے یہاں تک کہ احمد قبش کو مثال کے لئے بھی کسی شاعر کا نام نصیب نہ ہو سکا اور اس کے پیش نظر جو تاریخی مصرع تھا بھی اسے بجائے شاعر کے نام کے ''قول بعضھم'' سے تعبیر کیا گیا۔

یہ تاریخ کس واقعے کے وقوع پذیر ہونے پر کہی گئی ہے یہ بھی مفقود ہے اسی لئے ''فی حادثہ وقعت سنۃ ۸۲۲'' سے بات کو مکمل کیا گیا ہے۔ اور یہ تاریخ بھی تعمیہ تدخلہ کی صورت میں برآمد کی گئی ہے یعنی خیر بدا............مع کمال العفہ۔ خیر بدا جس کے ۸۱۷ اعداد ہوتے ہیں، اس میں عفہ کے آخری حرف 'ہ' جس کے پانچ عدد ہوتے ہیں داخل کر کے ۸۱۷+۵=۸۲۲ھ کے کسی حادثے کی تاریخ نکلتی ہے۔

''وارخ بعضھم وفاۃ (معمد) باشاوالی مصر المقتول سنۃ ۹۷۵ فقال:

قتلہ	بالنار	نور
وھوفی	التاریخ	ظلماتہ

یہ تاریخ مصر کے بادشاہ محمد کے انتقال پر لفظ'' ظلماتہ''=۹۷۵ھ سے برآمد کی گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ یہ اہم باب صرف تین صفحات ۱۷، ۱۶، ۱۵ پر مشتمل ہے۔ ان

میں سے بھی ایک مکمل صفحہ الگ الگ حروف جوڑنے میں صرف کردیا گیا ہے،لہذا یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ تاریخ میں فارسی زبان کو فوقیت اور برتری حاصل ہے اس لئے کہ اسکا روشن ماضی فارسی زبان کا اپنا سرمایہ ہے جس کی تابندہ روایت اردو زبان میں بھی اسی آب وتاب سے درآئی ہے۔

تذکرہ نگاروں اور دانشوروں کی نگاہ میں تاریخ گوئی'' کا فن دیگر اصناف سخن سے زیادہ مشکل مگر اہمیت کا حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام تذکرہ نگار تاریخ گوشعراء کے حالات درج کرنے کے ساتھ اس صنف کی مشکل پسندی اور ادبی اہمیت کے اشارے کرتے ہیں۔جب کہ قصیدہ ،مثنوی ،مرثیہ،یا قطعات وغیرہ اصناف سخن کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے۔مثلاً''شام غریباں''میں رفیقی آملی کے لئے درج کیا گیا ہے۔

''طالب علمی مستور و درفن معما و تاریخ ماھر بود''

غرض کہ تذکرہ نگاروں نے فن تاریخ گوئی کو ایک اہم فن شعر گوئی مانا ہے۔اور اس فن کی اہمیت اور افادیت کے قائل رہے ہیں۔

ایرانیوں میں تاریخی واقعات سینہ بہ سینہ محفوظ رکھنے اور لکھنے کا شوق ہمیشہ سے رہا ہے۔جس کی مثال چوتھی صدی ہجری میں ابوالفضل بیہقی کی تصنیف ''تاریخ بیہقی''اور نثری شاہناموں میں ابوالموید بلخی کا پہلا شاہنامہ،ابوعلی محمد بن احمد بلخی کا شاہنامہ منصور،دوسرا اور ابومحمد منصور بن عبدالرزاق کا تصنیف کردہ تیسرا شاہ نامہ ہے۔اسی طرح منظوم شاہناموں میں اسدی طوسی کا گرشاسپ نامہ،دقیقی کا شاہنامہ اور آخر میں ابوالقاسم فردوسی کا شاہنامہ فردوسی،جو ایرانی تاریخ کے پہلے بادشاہ کیومرث سے ساسانی دور کے آخری بادشاہ یزدگرد سوم کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست تک کی مکمل تاریخ ہے۔ان تاریخی کتب کے پیش نظر فارسی میں تاریخ نویسی کے شوق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اور اس حقیقت کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ فارسی ادب میں نظم اور نثر میں تاریخ کو محفوظ رکھنے کی رویت بہت پرانی ہے جو پروان چڑھتے ہوئے''تاریخ گوئی''کے پیکر میں بھی ڈھل گئی۔[۵]

اگر چہ آج کل سن عیسوی کا عام رواج ہے مگر جب اہلِ اسلام کا دورہ تھا تو سن ہجری ہی

کا زیادہ چلن تھا۔اس دور کی ہجری تاریخ یا سن کا کما حقہٗ معلوم کرنا بعض اوقات جس قدر دقت طلب مسئلہ ہوتا ہے وہ ان علم دوست اصحاب کو بخوبی معلوم ہے جنھیں کبھی اس قسم کا کام پڑا ہے۔

سن ہجری تقریباً ۳۵۵ دنوں کا ہوتا ہے اور سن عیسوی ۳۶۵ یا ۳۶۶ دنوں کا، اس کی بیشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سن ہجری کی پہلی تاریخ ہر سال عیسوی ماہ کی کسی خاص تاریخ کو نہیں پڑتی اور سن ہجری کے ۳۳ سال ہمیشہ سن عیسوی کے تقریباً ۳۲ سال کے برابر ہوا کرتے ہیں۔جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر بتیس یا تینتیس سال کے بعد دوسنین ہجری کی ابتدائی تاریخیں ایک ہی سن عیسوی کے اندر پڑ جاتی ہیں۔مثلاً سن ۱۹/ ۲۰ ہجری کی ابتدائی تاریخیں علی الترتیب ۲/جنوری و ۲۰/ دسمبر ۶۴۰ء ہیں اور اس کے بعد سن ۵۲/ ۵۳ ہجری کی ابتدا علیٰ الترتیب ۸/جنوری و ۲۷/ دسمبر ۶۷۲ء ہے۔کسی ہجری سن کے مطابق عیسوی سن معلوم کرنے کے لئے چند قاعدے ذیل میں دیے جاتے ہیں مگر ان کے متعلق دو اُمور کا خیال ہر حال میں ضروری ہے۔اول یہ کہ سن ہجری کی ابتداء جولائی ۶۲۲ء سے ہے، دوم یہ کہ سن ہجری و سن عیسوی میں تقریباً تین فیصدی کا فرق پڑتا ہے کیونکہ سن ہجری کے تینتیس سال ہمیشہ سن عیسوی کے تقریباً بتیس سال کے برابر ہوا کرتے ہیں چنانچہ انھیں دو امور کی بنا پر درحقیقت تمام قواعد مختلف سانچوں میں ڈھلے ہوئے ہیں۔جس سن ہجری کے مطابق سن عیسوی معلوم کرنا مقصود ہو اس سن ہجری کو پہلے ۹۷۰۲۲۵ء سے ضرب دیا جائے پھر اس میں ۶۲۱ء۵۴ جوڑ دیا جائے تو مجموعہ (عدد صحیح) سن عیسوی ہوگا یعنی سن ہجری × ۹۷۰۲۲۵ء+ ۶۲۱ء۵۴ = سن عیسوی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس قاعدہ سے سن عیسوی کی وہ تاریخ بھی معلوم ہو سکتی ہے جو اس سن ہجری کی آخری تاریخ کو پڑتی ہے۔مثلاً ۱۳۵۱ ہجری کا ۳۰ ذی الحجہ ۱۹۳۳ء عیسوی میں ۲۶/اپریل کو پڑتا ہے۔اولاً سن ہجری میں سے اس کا تینتیس واں (۱/۳۳) حصہ گھٹا یا جائے بعدہٗ اس میں ۶۲۲ جوڑا جائے حاصل جمع (عدد صحیح) سن عیسوی ہوگا یعنی سن ہجری۔سن ہجری/ ۳۳ + ۶۲۲ = سن عیسوی، سن ہجری کو تین سے ضرب دے کر اس کا سواں (۱/۱۰۰) حصہ پورے سن ہجری سے اولاً گھٹا یا جائے پھر باقی میں ۶۲۲ جوڑ دیا جائے مجموعہ (عدد صحیح) سن عیسوی ہوگا یعنی سن ہجری، سن ہجری × ۳

/۱۰۰+۶۲۲=سن عیسوی مذکورہ بالا قاعدے چند دیگر کتب میں بھی مختلف پیرائے میں ہیں۔ ان قاعدوں کو اگر مندرجہ ذیل طریقے پر مرتب کر دیا جائے تو کسی عیسوی سن کے مقابل والا ہجری سن (بعض حالات میں مع تاریخ) معلوم ہوسکتا ہے۔

یہ تاریخ عالم نامی ایک اردو کتاب کے اخیر میں شامل ہے۔اس میں ۱۳۳۰ھ ہجری تک کے مقابل والے عیسوی سنین درج ہیں۔ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ بتیس یا تینتیس سال کے بعد دو ہجری سنوں کی ابتدائی تاریخیں ایک ہی سن عیسوی کے اندر پڑ جاتی ہیں لہذا یہ جدول بہرکیف جامع ومانع نہیں۔

یہ جدول اورنٹیل ایراز (ORIENTAL ERAS) نامی ایک انگریزی کتاب میں ہے جس میں سن ۱۳۱۸ ہجری یعنی ۱۹۰۰ء تک کی ایکسانیت مندرج ہے مگر اس میں نہایت عمدہ بات یہ ہے کہ ہجری اور عیسویں سنوں اور تاریخوں کی یکسانیت کے علاوہ ہندوستان سے تعلق رکھنے والے کئی دیگر سنین مع تاریخ اور اہم واقعات مندرج ہیں۔

فرہنگ انکلینسی بفارسی کے اخیر میں شامل ہے۔اس میں ۱۴۲۱ ہجری یعنی ۲۰۰۰ عیسوی تک کی مطابقت ہے۔اس میں چند غلطیاں ضرور ہیں تاہم بلحاظ مطلب بہت اہم ہے کیونکہ یہ جدول صرف سال حال تک کے لیے نہیں بلکہ بہت سے آئندہ برسوں کے لیے بھی کافی ہے اور اس کے ساتھ سن ہجری و سن عیسوی دونوں کی مکمل تاریخوں کے علحدہ علحدہ جدول ہیں جن کی مدد سے کوئی عیسوی یا ہجری تاریخ بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔

این انڈین الفمیریز (AN INDIAN EPHEMERIS) مصنفہ ایل۔ڈی سوامی کنو پلے دیوان بہادر زیر نگرانی مدراس گورنمنٹ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی ہے، یہ چھ ضخیم جلدوں میں ہے اس میں ہجری و عیسوی تاریخوں کے سوا کئی دیگر سنین مندرج ہیں مگر صرف ۱۷۹۹ عیسوی تک دو باتوں کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) ہر ہجری مہینہ رویت ہلال سے شروع ہوتا ہے اور جو مقامات ایک دوسرے سے بہت

زیادہ فاصلہ پر واقع ہیں ان میں غروب آفتاب کے اوقات میں گھنٹوں کا فاصلہ ہوا کرتا ہے اس فاصلہ کے باعث ایسے دو مقاموں کی رویت ہلال میں بھی کبھی کبھی ایک یوم کا فرق پڑ جایا کرتا ہے۔

(۲) پوپ گریگری سیزدہم نے ۱۵۸۲ء میں سے دس دن کم کر دیے تھے چنانچہ اس سن میں ۵/اکتوبر کو ۱۵/اکتوبر تسلیم کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے ۹۹۱ ہجری کی ابتدا ۲۵/جنوری ۱۵۸۳ء سے ہے ورنہ ۱۵/جنوری سے ہوتی کیونکہ ہر اگلے سال میں عموماً دس یا گیارہ دنوں کا فرق ہوتا ہے۔[۹]

متقدمین کے پاس محاسن تاریخ میں یہ بات داخل تھی کہ تاریخ سنہ ہجری سے مخصوص رہے لیکن متاخرین نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سنہ کی خصوصیت محض فضول ہے بلکہ بعض مواقع میں ناخوشنما اور نامناسب ہو جاتی ہے۔ واقعہ یا تقریب کی مناسبت کے ساتھ سنہ کا تعلق ہونا چاہئے مثلاً اگر ایک اسلامی سلطنت میں جہاں سنہ ہجری رائج ہے کسی مسلمان کے لئے تاریخ لکھی جائے تو اس میں سنہ ہجری ہی کا لحاظ رہے یا اگر کسی ہندو کے لئے تاریخ مقصود ہے تو اس کا مذہبی سنہ اولیٰ ہے اسی طرح عیسائیوں کے لئے عیسوی سنہ اور پارسیوں کے لئے سنہ نوروز یا اگر کسی خاص مقام پر کل اقوام میں ایک ہی سنہ رائج ہے تو اسی سنہ میں تاریخ کہنا زیادہ مناسب ہے۔[۱۰]

بعض بڑے نامور شعراء تاریخ گوئی کے میدان میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ غالبؔ کی مثال لے لیجیے یہ بجا کہ غالب سر آمد شعرائے اردو میں سے ہیں۔ یہ بھی درست کہ فارسی دانایانِ ہند میں غالبؔ کا جواب مشکل ہی سے نکلے گا۔ لیکن غالبؔ کی تاریخیں دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن میں وہ کسی بڑی حیثیت کے مالک نہ تھے۔ پھر بھی غالبؔ کے دیوان اردو اور کلیات فارسی دونوں میں ان کی کہی ہوئی تاریخیں موجود ہیں۔ مرزا غالبؔ دراصل غزل کے شاعر ہیں۔ دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ انھوں نے تاریخیں بھی کہیں۔ لیکن یہ تاریخیں ناسخؔ یا مومنؔ کی تاریخوں کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ تاریخ گوئی میں انہیں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ البتہ بعض احباب کے کہنے پر وہ مجبوراً تاریخیں کہتے تھے۔ ورنہ ان کے لئے یہ کام مشکل تھا اسی لئے اس صنفِ سخن سے عاجز تھے۔ ان کی تاریخوں کے مادّے زیادہ تر تعمیہ اور تخرجے میں ہیں۔ ایک خط میں میاں دادخاں سیاحؔ کو

لکھتے ہیں:

''بھائی تمھاری جان کی اور اپنے ایمان کی میں فن تاریخ گوئی ومعمّا سے بیگانہ محض ہوں اردوزبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔فارسی دیوان میں دوچار تاریخیں ہیں۔ان کا حال یہ ہے کہ مادّہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں۔حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھکو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔جب کوئی مادّہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں گا۔دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوئی تو مادّہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈلا دیتے۔موزوں میں کرتا اور اگر آپ میں نے مادّہ کی فکر کی ہے تو یہی حساب جمل منظور رکھا ہے۔تو ایسے ایسے تعمیے وتخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہے''۔[۱۱]

فن تاریخ گوئی کے تعلق سے یہ ذیل کا لطیفہ بے محل نہ ہوگا،اس اعتبار سے بھی کہ خود غالب کسی یکتا لفظ سے تاریخ نکالنے کو بہت عمدہ جانتے تھے۔لطیفہ یہ ہے کہ غالب نے حضرت صاحب عالم مارہروی سے ان کا سنہ ولادت دریافت کیا انھوں نے لکھا کہ میرا سالِ ولادت لفظ''تاریخ''سے برآمد ہوتا ہے جس کے عدد ۱۲۱۱ھ ہیں۔مرزا غالب بقول خود ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے تھے یعنی صرف ایک سال کا فرق تھا مرزا نے صرف ایک حرف الف کا اضافہ کرکے صاحب عالم مارہروی کو یہ شعر لکھ بھیجا۔

ہاتف غیب سن کے یہ چیخا
ان کی تاریخ میرا تاریخا

[۱۲]

غالب کے بعد اردو شاعروں میں دوسرا بڑا نام اقبال کا ملتا ہے۔یہ بھی عجیب بات ہے کہ اقبال کے متداول مجموعوں میں ان کی تاریخیں نہیں ملتیں۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جدّت کے شوق میں اقبال اسلامی تہذیب کی اس روایت سے کٹ گئے تھے۔اس میں کلام نہیں کہ تاریخ گوئی کا فن بیسویں صدی کی پہلی ہی چوتھائی میں انحطاط پذیر ہونا شروع ہوگیا تھا۔لیکن قدیم رنگ کے شعراء کچھ

نہ کچھ ضرور موجود تھے اور اس لحاظ سے تاریخ گوئی کی روایت بھی باقی تھی۔ بیسویں صدی کے ربع دوم یعنی (۱۹۲۶ء تا ۱۹۵۰ء) اردو شاعری کی کایا پلٹ ہوگئی۔ غزل کے مقابلے میں نظم اور وہ بھی جدید اور آزاد نظم مقفی شاعری کا مقابلے پر نظم معریٰ۔ عروض کے مقابلے پر غیر پابند بے وزن شاعری اور اس قسم کی جدّتیں شاعری کے لئے نقصان رساں ثابت ہوئیں، گنتی کے چند شعراء کے سوا کوئی اچھا شاعر ہی نہ رہا۔ ایسے میں توقع رکھنا کہ تاریخ گوئی زندہ اور قائم رہے گی، خوش خیالی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس پس منظر میں ہم علامہ اقبال کی شاعری کی طرف بہ نظرِ تعمق دیکھتے ہیں تو عجیب ہی منظر نگاہوں میں آتا ہے۔ اقبال کو تاریخ گوئی سے ربط خاص تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے مروّجہ شعری مجموعوں میں ان کی کہی ہوئی تاریخیں سرے سے موجود نہیں۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو، ہمیں اس سے غرض نہیں۔ لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ شاعری کے ابتدائی دور سے آخر عمر تک علامہ اقبال تاریخ گوئی میں مصروف رہے۔ ابتدائی دور کی تاریخوں میں وہ تاریخ شامل ہے جو علامہ صاحب نے سرسید احمد خاں کی وفات پر کہی تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۹۸ء کا ہے۔ اقبال کی آخری زمانے کی تاریخوں میں ایک تاریخ ہے جو انھوں نے اپنی اہلیہ کی وفات پر یعنی ۱۹۳۵ء میں کہی یعنی اپنی موت سے دو سال دس ماہ اور اٹھائیس دن پہلے اور اس تاریخ کے بعد ایک دوسری تاریخ سرراس مسعود کی دختر ''نادرہ مسعود'' کی پیدائش پر اپنی وفات سے ایک سال ایک ماہ اور بیس دن پہلے کہی۔ ان دونوں تاریخوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علامہ مغفور کو تاریخ گوئی سے ربط رہا ہے اور ضرورت کے وقت وہ تاریخیں کہا کرتے تھے ان کی تاریخوں میں ولادت، وفات، تاریخی واقعات، تعمیرات، کتابوں کی اشاعت اور خطابات کی تاریخیں ملتی ہیں۔[۱۲]

فہرست حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت، ص ۱۳

۲۔ کسریٰ منہاس، فن تاریخ گوئی ص ۱،۲،۳

۳۔ ایضاً، اقبال اور تاریخ گوئی، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۷۷ء لاہور، ص ۳۸۱،۳۸۲

۴۔ نواب عزیز جنگ ولا۔ غرائب الجمل۔ ص ۱۴

۵۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت، ص ۶

۶۔ ابوالبلاغت رتن پنڈوروی، فن تاریخ گوئی، ص ۸

۷۔ نواب عزیز جنگ ولا۔ غرائب الجمل ص ۱۶، ۱۷

۸۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی، فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت، ص ۱۰ تا ۱۲

۹۔ پروفیسر مہیش پرشاد، حکیم شمس اللہ قادری، ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۸۱ء لاہور، ص ۴۳۳ تا ۴۳۵

۱۰۔ نواب عزیز جنگ ولا، غرائب الجمل، ص ۱۳۳

۱۱۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، مرزا غالب اور تاریخ گوئی، مشمولہ نقوش بابتہ ۱۹۷۱ء لاہور ص ۲۷

۱۲۔ رحمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع بدائع تاریخی وتنقیدی مطالعہ، ص ۴۳۷

۱۳۔ کسریٰ منہاس، اقبال اور تاریخ گوئی، مشمولہ نقوش بابتہ ستمبر ۱۹۷۷ء لاہور، ص ۳۸۳

تیسرا باب :

دکنی شاعری میں صوری تاریخ کی روایت

الف : بہمنی دور

ب : عادل شاہی دور

ج : قطب شاہی دور

د : مغل دور

ھ : آصفیہ دور

ز : متفرق

صوری طریقے سے مراد، ایسا اسلوب تاریخ گوئی ہے جس میں مطلوبہ تاریخ یا سال کو واضح الفاظ کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہو اور حرفوں کے اعداد محسوب کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

صوری تاریخ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی واقعے کے ظہور میں آنے یا وقوع پذیر ہونے کا سال یا مہینہ وغیرہ الفاظ میں بیان کر دیا گیا جائے۔ اس میں حساب جمل کا دخل نہیں ہوتا اور ظاہری الفاظ ہی تاریخ کا مادہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو ظاہری تاریخ بھی کہتے ہیں۔

ذیل میں مختلف دکنی شعراء کی تخلیقات سے صوری تاریخ کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ سہولت کی خاطر ان نمونوں کو بہمنی، عادل شاہی، قطب شاہی، مغل اور آصفیہ ادوار کے تحت رکھا گیا ہے۔

الف: بھمنی دور : ۷۴۸ھ تا ۹۳۴ھ، ۱۳۴۷ء تا ۱۵۲۷ء

بہمنی دور کی تخلیقات کا شمار دکنی کے اولین ادبی سرمایے میں کیا جاتا۔ اس دور میں جو ادبی کارنامے انجام دیئے گئے ان میں تاریخ گوئی کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں لیکن ان کارناموں پر نظر ڈالنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہمنی دور کے تاریخی وتہذیبی پس منظر کا سرسری خاکہ پیش کیا جائے۔

بہمنی خاندان کا بانی علاء الدین بہمن شاہ ہے جس کا اصل نام ظفر خاں تھا۔ جب سلطنت محمد تغلق کی حکومت کمزور ہوگئی تھی تو دوسرے صوبوں کی طرح دکن بھی دہلی سے علٰحدہ ہو گیا۔ امیران صدہ نے جو دکن کے نظم ونسق کے ذمہ دار تھے اپنی بادشاہی کے لئے پہلے اسمٰعیل مخ کو نامزد کیا لیکن جب دو سال کے بعد اسمٰعیل مستعفی ہو گیا تو ظفر خاں کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا جس کو دکن کا پہلا بادشاہ سمجھنا چاہئے۔ اس کے متعلق مورخ فرشتہ کہتا ہے کہ یہ دہلی کے ایک ہندو زمیندار گنگا برہمن کا نوکر تھا چنانچہ اسی نسبت سے اس نے علاء الدین حسن گنگو بہمنی کا لقب اختیار کیا تھا لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے سکوں اور کتبوں میں کہیں گنگو کا لفظ پایا جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ علاؤ الدین حسن ایران کے مشہور

بادشاہ بہمن بن اسفندیار کی اولاد سے ہے اسی لئے یہ اور اس کے تمام جانشین اپنے کو بہمن شاہ کہتے تھے اور یہی الفاظ تمام سیکوں اور کتبوں میں پائے جاتے ہیں۔اور اسی وجہ سے یہ خاندان بہمنی کہلاتا ہے۔

پہلے اس سلطنت کی بنیاد دولت آباد میں رکھی گئی تھی جو اس وقت دکن کا مرکز تھا لیکن علاؤ الدین حسن بہمن شاہ نے بہت جلد دولت آباد کو چھوڑ کر گلبرگہ کو اپنا پائے تخت بنالیا۔غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ گلبرگہ اس سلطنت کی جنوبی سرحد سے جس کے نیچے سلطنت بیجانگر قائم تھی قریب پڑتا تھا۔اور بہمنی بادشاہوں کو اس جنوبی سلطنت سے ہمیشہ باخبر رہنا پڑتا تھا کیونکہ یہ بہت طاقتور تھی۔برخلاف اسکے شمال سے ان کو کوئی ڈر نہیں تھا۔فیروز شاہ کے عہد تک جو اس خاندان کا اٹھواں بادشاہ ہے یہ لوگ گلبرگہ میں راج کرتے رہے ان کے مقبرے گلبرگہ میں ہیں لیکن جب اس کا بھائی احمد شاہ ولی بہمنی اپنے بھائی کو شکست دیکر ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء بادشاہ ہوگیا تو اس نے ۸۳۳ھ/۱۴۳۰ء میں گلبرگہ کو چھوڑ کر بیدر کو اپنا پائے تخت بنالیا جو بہت اونچی اور خوشگوار جگہ تھی اور اس نئے پائے تخت کو بہت رونق دی گئی چنانچہ آخری زمانے یعنی ۹۳۴ھ/۱۵۲۷ء تک یہی بہمنیوں کا پائے تخت رہا اور جہاں احمد شاہ اور اس کے نو جانشینوں نے حکومت کی گو آخری پانچ سلاطین برائے نام ہوکر رہ گئے تھے۔ان دس سلاطین کے مقبرے بیدر میں ہیں اس طرح سے اس خاندان بہمی کے دو حصے کئے جاسکتے ہیں۔ایک خاندان گلبرگہ دوسرے خاندان بیدر۔جب آخری بادشاہ کلیم اللہ بریدوں کی ناحق شناسی سے تنگ آکر بیدر سے بھاگ گیا تو خاندان بہمنی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔اس تاریخی وتہذیبی پس منظر کے بعد اب ہم بہمنی دور کی تاریخ گوئی کا جائزہ لیتے ہیں۔

مثنوی کدم راؤپدم راو:

فخر دین نظامی بہمنی دور کا بلند پایہ شاعر ہے۔مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مصنف کا نام فخر دین اور تخلص نظامی تھا۔ان کے حالات زندگی کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں۔مثنوی کی داخلی

شہادت کے پیش نظر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانہ میں بیدر میں تھا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دربار سے وابستہ تھے یا نہیں۔ وہ فارسی داں ضرور تھے اس لئے کہ مثنوی کے سارے عنوانات فارسی میں لکھے گئے ہیں۔

نظامیؔ نے اپنی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں تاریخ کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ بر سبیل تذکرہ بہمنی خاندان کے بادشاہ اور اس کے فرزند کا ذکر کیا ہے۔

جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ اس میں نظامی نے دو بادشاہوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے نام احمد ہیں ایک کو وہ ''شہنشہ'' بتاتا ہے اور دوسرے کو اس کا کنور یعنی شہزادہ۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کو جمیل جالبی عہد احمد شاہ ولی بہمنی کی تصنیف قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ احمد شاہ ولی کے والد کا نام احمد خاں تھا جو بانی سلطنت علاؤالدین حسن کا فرزند تھا۔ نظامی نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے کنور یعنی شہزادے احمد شاہ ولی بہمنی کی تعریف وتوصیف کی ہے۔

اپنے بیان کے ثبوت میں جمیل جالبی نے مثنوی کے یہ اشعار پیش کئے ہیں ؎

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنور
پرت پال سنسار کرتار آدھار
دھنیں تاج کا کون راجا ابھنگ
کنور شاہ کا شاہ احمد بجنگ
لقب شہہ علی آل بہمن ولی
ولی تھی بہت بدھ تد آگلی

ے

اگر جمیل جالبی کے بیان کے مطابق ہم یہ تسلیم کرلیں کہ نظامیؔ نے احمد شاہ بہمنی کو اس کے والد احمد کا کنور کہا ہے اور اس کی تعریف وتوصیف کی ہے تو پھر نظامی کا یہ کہنا کہ ولی سے احمد کی فہم وفراست زیادہ ہے تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہِ وقت کی تعریف کرتے ہوئے گویا شاعر یہ کہہ

رہاہے کہ وہ دانش مندی میں اپنے والد سے کم ہے اور اس سے ذم کا پہلو نکلتا ہے جو بادشاہِ وقت کے لئے قطعاً مناسب نہیں اور مدح وستائش کے درمیان یہ بیان بے محل بھی معلوم ہوتا ہے۔

نو سر هار :

نوسر ہار کے مصنف کا نام اشرفؔ ہے۔

شیخ محمد اشرف نام اور اشرفؔ تخلص تھا۔ ملک احمد نظام الملک کے زمانہ میں موجود تھا اور اسی کے عہد میں اس کی مثنوی ''نوسر ہار'' تصنیف ہوئی ہے۔

اشرف ضیاء الحق والدین مخدوم سید شاہ ضیاء الدین رفاعی بیابانی چشتی سہروردی کے خلف اکبر تھے۔ مخدوم شاہ ضیاء الدین مدت تک صحرئے ملتا میں مصروف ریاضت وعبادت رہے۔ اس لئے بیابانی مشہور ہیں۔

شاہ اشرف کی پیدائش ۲/ ذی قعدہ ۸۶۴ھ کو ہوئی۔ فقر آباد ان کا مدلد ہے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر کے حقائق ومعارف کی طرف متوجہ ہوئے ۸۹۵ھ میں انھیں سے خلافت بھی پائی اور اپنے مرشد کی وفات کے بعد ۹۰۹ھ میں سجادہ نشین ہوئے۔ یہ وہی سنہ ہے جس میں نوسر ہار کی تصنیف عمل میں آئی۔ زورؔ صاحب نے لکھا ہے کہ شاہ ضیاء الدین قندھار شریف کے مشہور صوفی سیاح اور مصنف سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان بھانجے اور خلیفہ تھے۔ اور صاحب تذکرہ ضیائے بیابانی پنج گنج مصنفہ قاضی محمد فاضل ۱۱۹۵ھ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ ہمشیر زادہ اور داماد حضرت سانگڑے سلطان قدوس سرہ ہیں۔

آپ کا انتقال ۷۱ سال کی عمر میں ۹۳۵ ہجری میں ہوا۔ مزار شریف فقر آباد میں ہے شاہ اشرف کی تصنیف سے نوسر ہار کے سوا لازم المبتدی اور واحد باری دو کتابیں اور بھی ہیں۔ ان میں سے مثنوی لازم المبتدی اسی سنہ کی تصنیف ہے جس میں نوسر ہار لکھی گئی۔

نوسر ہار میں اشرف نے واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؓ کو اس طور پر بیان کیا ہے جو آج

کے مروجہ واقعہ سے قدرے مختلف ہے۔مثنوی کا نام نوسر ہار اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں نوابواب ہیں اور ہر باب ایک انمول ہار کی حیثیت رکھتا ہے۔[۲۲]

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۹۰۹ھ ہے۔اس کے دو قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو[۲۳] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[۲۴] میں موجود ہے۔

تخلص کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان اشعار سے واضح ہو گا۔

ہجرت نبی نو سو نو
کھیا اشرف نو سر یو
نوسر ہار اس دھر یا ناؤں
جائے دیکھ تو اب ہر ٹھاؤں
اے نو باباں نو سر ہار
قیمت اس کی لاکھ ہزار
بازاں جیوں کی تاریخ سال
بعد از ہجرت نبی حال
نو سو ہوئے اگلے نو
یہ دکھ لکھیا اشرف نو
ناؤں دھر یا اس نوسر ہار
لیکن یہ سب دکھ کا بھار
لکھیا اشرف یہ بکھان
توحید حق کے موزوں آن

اشرف نے نوسر ہار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ب: عادل شاهی دور (بیجاپور) ۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ/۱۴۹۰ء تا ۱۶۸۶ء

عادل شاہی دور اپنے تہذیبی وثقافتی کارناموں اور دکنی ادب کے فروغ ونشو ونما کے سلسلے میں تاریخ دکن میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔اس عہد کی ادبی تخلیقات اور تاریخ گوئی کے تذکرے سے قبل اس دور کے تاریخی وتہذیبی حالات پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

عادل شاہی خاندان کا بانی یوسف عادل خان تھا۔بعض مورخ اس کو خلیفہ عثمانی سلطان مراد کا بیٹا بتاتے ہیں۔ان مورخوں کا بیان یہ ہے کہ اس خلیفہ کے دو بیٹے تھے ایک محمد جو اس کا جانشین ہوا دوسرا یہ یوسف تھا۔ جب محمد تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی یوسف کو قتل کرنا چاہا لیکن اسکی ماں نے اسکو خواجہ علاؤالدین محمود نامی ایک تاجر کے ہمراہ سادہ بھیجدیا جو شمالی ایران میں واقع ہے اور وہاں سے یہ بغداد اور قم ہوتا ہوا اسی تاجر کے ساتھ سمندر کے راستے سے بیدر آ گیا لیکن یہ روایت اسی وجہ سے قرین قیاس نہیں ہے کہ یوسف عادل خان شیعہ مذہب کا پیرو تھا برخلاف اس کے سلاطین عثمانیہ سنی المذہب تھے۔رفیع الدین شیرازی کا بیان یہ ہے کہ یہ احمد بیگ حاکم سادہ کا پوتا ہے جس کو جہاں شاہ نے سادہ کی حکومت سپرد کی تھی۔احمد بیگ کے بعد اس کا بیٹا محمود بیگ اس کا جانشین ہوا جو بہت جلد لڑائیوں میں مارا گیا۔ یوسف محمود کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد پریشان ہوکر بغداد چلا گیا اور ۸۶۸ھ/۱۴۶۳ء میں دکن آ گیا یہ روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔روایت خواہ کچھ ہی ہو یہ صحیح ہے کہ یوسف سادہ کا ترک تھا اور محمود شاہ لشکری یا اس کے بڑے بھائی نظام شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر آیا تھا اور خواجہ محمود گاواں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بہت ترقی کرتا گیا۔ یہ پہلے داروغہ اصطبل ہوا اور ایکصدی منصب سے سرفراز ہوا اور اس کے چند روز کے بعد عادل خاں خطاب سے بہرہ اندوز ہوا۔محمود گاواں نے اس کو اپنا متبنیٰ بیٹا بنایا اور دکھنی فریق کے مقابلے میں اس کو کھڑا کیا تھا ۸۷۷ھ/۱۴۷۲ء میں اس کو دولت آباد کا گورنر بنایا گیا اور اس کو مجلس رفیع خطاب دیا گیا اور محمود گاوان نے گلبرگہ اور بیجاپور کی گورنری اپنے ہاتھ میں رکھی تھی جب یوسف عادل خاں نے دولت آباد کی

گورنری حاصل کی تو باہر کے لوگ سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء میں پھر صوبوں کی از سرِ نو تقسیم ہوئی کیونکہ اس وقت چار صوبوں کے آٹھ صوبے کر دئے گئے تھے یوسف تو دولت آباد میں رہا لیکن محمود گاواں بیجاپور اور بلگام کا گورنر ہو گیا۔ جب ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں محمود گاواں کا قتل ہو گیا تو یوسف عادل خاں نے سلطنت سے انحراف کیا اور بلانے پر بادشاہ کے پاس نہیں آیا۔ دولت آباد کو چھوڑ کر جہاں وہ ابتک گورنر تھا بیجاپور اور بلگام پر قدم جما لیے اور ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء میں خود مختار ہو گیا کیونکہ یہ صوبہ محمود گاواں کی سیادت میں تھا اس کو یوسف بہت پسند کرتا تھا۔ بیجاپور اس سلطنت کا پائے تخت بنایا گیا جس میں مدافعت کے لئے قلعہ اور شہری ضرورتیں بہم پہنچائی گئیں۔ سترھویں صدی میں بیجاپور ہندوستان کا بڑا شہر ہو گیا۔ یوسف عادل خاں نے بیجاپور کے ایک مشہور زمیندار مکندرائے کی بیٹی سے شادی کی تھی جس کا نام بوبوجی خاتون بتایا جاتا ہے۔ یوسف کی تمام اولاد اسی عورت کے بطن سے ہے۔ اگر چہ یوسف نے شاہ کا لقب اختیار نہیں کیا تھا لیکن اس کے جانشین اپنے کو عادل شاہ کہنے لگے اور اس طرح یہ خاندان عادل شاہی کہلاتا ہے۔

عادل شاہی خاندان نے جس کے نو بادشاہ گزرے ہیں ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۶ء تک دوسو سال حکومت کی۔ علی عادل شاہ اول کے عہد میں جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے عادل شاہی سلطنت بہت وسیع ہو گئی کیونکہ جنگ تالیکوٹ کے بعد اس کو جنوبی کرناٹک کے بہت سے علاقے مل گئے اور سترھویں صدی میں یہ جنوب میں دریائے کاویری کے نیچے اور مشرق میں ساحل کارومنڈل تک پہنچ گئی اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں جو علی اول کا جانشین تھا اس سلطنت نے خوب ترقی کی۔ جب تک نظام شاہی سلطنت قائم رہی اس کو مغل حملوں کا ڈر نہیں تھا لیکن جب ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۳۳ء میں نظام شاہی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا تو عادل شاہی سلطنت پر بھی آنچ آ گئی کیونکہ اب یہ تنہا مغل حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی چنانچہ ۱۰۴۶ھ/ ۱۶۳۶ء میں جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے بیٹے محمد عادل شاہ کا عہد حکومت تھا اس سلطنت نے مجبوراً مغل شہنشاہیت کی حکمبر داری تسلیم کر لی اور ایک ماتحت ریاست ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے بھی اس کو بہت نقصان پہنچا

۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب نے ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کردیا اور اس کے آخری تاجدار سکندر عادل شاہ کو گرفتار کرلیا۔ غالباً اس سلطنت کے خاتمے کا یہ مقصد تھا کہ یہ مرہٹوں کو مدد دیتی تھی اور شہنشاہ مرہٹوں کے استیصال کے لیے دکن آئے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب اس کو ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء میں ہی ختم کردینا چاہتے تھے حالانکہ اس زمانے میں مرہٹوں کا کوئی سوال نہیں تھا۔ عادل شاہی دور کے تاریخی وتہذیبی مطالعے کے بعد اب ہم اس دور میں تاریخ گوئی کے سفر کا جائزہ لیتے ہیں۔

ارشاد نامہ :

ارشادنامہ کے مصنف کا نام برہان الدین جانم ہے۔

برہان الدین جانم کے والد حضرت شمس العشاق میراں جی تھے۔ برہان الدین جانم اپنے والد کے خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی واپنے والد ہی سے حاصل کیے، والد کے بعد مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے ۹۹۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بیجاپور میں اپنے والد کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

برہان الدین جانم نے اپنے سلسلے کی تعلیمات کو اپنی کتاب ''ارشادنامہ'' میں جمع کردیا ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ مرشد کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔

ارشادنامہ ۹۹۰ھ کی تصنیف ہے جیسا کہ خود شاعر نے بیان کیا ہے۔

یہ سب بولیا ہے انجان
عابد عاجز ہے برہان
ہجرت نہ صد نود مان
ارشاد نامہ لکھیا جان

ے

برہان الدین جانم نے ارشاد نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی

ہے۔

میراں جی کی تاریخ وفات ۲۵/شوال ۹۰۲ھ معلوم ہوتی ہے۔عبدالحق نے ایک مصرع کے دو دومصرع بنا کر ہرشعر کو مربع کا ایک بند بنادیا۔انھیں جوڑ کر تاریخ سے متعلق اشعار یوں بنتے ہیں۔

تاریخ حضرت سال نو سو اس پر اگلے بھی دو
دو دین مدت وفا شوے کچھ حکم الٰہی کا
اربع سوں یو سال ہے،ماہے کوں شوال ہے
رحلت کئے اس حال ہے جے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ بست وپنج بود بسیا اگر یاں رنج بود
دوسال و اصل گنج خود جے کچھ حکم الٰہی کا
شب پنج شنبہ روشن کیا ہجرت منور پور کیا
جیوڑا قبض کر اُن لیا جے کچھ حکم الٰہی کا

۲

یہ جانم کی مرثیے کے اشعار ہیں ۔اس مرثیے میں جانم نے اپنے والد میراں جی شمس العشاق کی وفات پر جذباتِ رنج کا اظہار کیا ہے۔اور آخری اشعار میں ان کے وفات کی تاریخ دی

ہے۔

ابراھیم نامہ :

مصنف کا نام عبدلؔ ہے۔افسوس ہے کہ گولکنڈہ کے بعض شعراء کی طرح بیجاپور کے اس شاعر کے نام سے بھی ہم واقف نہیں ہیں۔بقول بعض عبدالغنی اس کا نام تھا اور تخلص عبدلؔ۔

عبدل،ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں تھا اور اپنے آپ کو سلطان کا شاگرد کہتا تھا۔اس

زمانہ میں عام طور سے یہ دستور تھا کہ شاہی استاد خود کو شاگرد کے لقب سے موسوم کرتے تھے۔عبدل کی ایک مثنوی دستیاب ہوئی ہے جو ابراہیم نامہ کے نام سے موسوم ہے اور ۱۰۱۲ھ میں قلمبند ہوئی ہے۔ ابراہیم نامہ میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے کوائف ہیں اور یہ مثنوی خود اس کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔

۱۶۱۲ء تک دربار ابراہیم عادل شاہی ثانی کی ادبی محفلوں میں ظہوریؔ اور ملک قمی کا طوطی بول رہا تھا لیکن دونوں ضعیف العمر ہو چکے تھے اس لیے ایک دکنی شاعر عبدل ابراہیم عادل شاہ کی توجہ کا مرکز بن گیا۔عبدل کے الفاظ میں اب دربار میں نئے پھول کھل رہے تھے وہ کہتا ہے۔

چمن پھول گوند یوں ابراہیم نام
کیا سہس پر برس بارہ تمام

ے

اس شعر کی روشنی میں ڈاکٹر زورؔ (تذکرہ مخطوطات جلد اول) نصیر الدین ہاشمی (فہرست کتب خانہ سالار جنگ) اور نذیر احمد (علی گڑھ تاریخ ادب اردو) نے ابراہیم نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۱۲ ہجری متعین کیا ہے۔مسعود صاحب ان سب سے اختلاف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''غالباً ان محققین کی نظر مثنوی کے آخری عنوان پر نہیں گئی جو دونوں نسخوں میں اس طرح ہے۔''

در تواریخ ختم کتاب ابراہیم نامہ شہور سنہ ۱۰۱۲ اس سنہ شہور کو ہجری سنہ میں تبدیل کر کے پھر عیسوی سنہ نکالا جائے تو ۱۶۱۱/۱۲ء نکلتا ہے اور یہی ابراہیم نامہ کا سال تصنیف ہے۔[۵]

عبدلؔ نے ابراہیم نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چندر بدن و مہیار :

یہ مقیمی کی تصنیف ہے ۔جس میں ایک ہندو شہزادی چند ربدن اور مسلمان تاجر زادے محی الدین (مہیار) کے عشق کی داستان بیان کی ہے۔

مقیمی کا نام مرزا محمد مقیم تھا۔اس کے باپ کا نام میر محمد رضا مشہدی تھا جو صحیح النسب سادات سے تھے۔مقیمی محمد عادل شاہ کے دربار میں اپنی بلند پایہ شاعری کی وجہ سے مشہور تھا۔اور اس کو بادشاہ کا تقرب حاصل تھا۔وہ اپنے زمانے کے ممتاز شاعروں میں شمار کیا جاتا تھا۔اس کا فارسی دیوان خود اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ (سنٹرل لائبری حیدر آباد) میں موجود ہے۔جس میں محمد عادل شاہ کی مدح میں کہے ہوئے قصائد بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کو اس امر میں شبہ ہے کہ مرزا محمد مقیم کا تخلص مقیمی تھا اور وہ اردو میں بھی شعر کہتا تھا۔ڈاکٹر موصوف مقیمی کو مثنوی ''چندر بدن ومہیار'' کا مصنف تسلیم کرنے میں بھی تامل کرتے ہیں،لیکن بیجاپور کی مستند تاریخوں،مثلاً ''برھان مآاثر'' اور ''بساتین السلاطین'' سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ بیجاپور میں محمد عادل شاہ کے دور میں ایک شاعر مرزا محمد مقیم تھا،اور ''گلدستہ بیجاپور'' سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا محمد مقیم فارسی کے ساتھ ہندوی (اردو) میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا۔

مقیمی نے چندر بدن و مہیار کا یہ قصہ ۱۱۹۸ھ میں نظم کیا ہے۔اور اپنے بیان کے ثبوت میں انھوں نے مقیمی کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

صدی بارھویں میں تھے کم سال دو
لکھیا نظم کوں میں نے با طرز نو

۹

مقیمی نے چندر بدن و مہیار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

یوسف زلیخا اور لیلیٰ مجنوں کے مصنف کا نام عاجزؔ ہے۔

بیجاپور کے قدیم مثنوی نگاروں میں شیخ محمد شریف عاجز مایہ ناز شاعر شیخ احمد شریف گجراتی کے فرزند تھے۔ان کی والدہ قاضی عبداللہ کی صاحبزادی تھیں۔ عاجز کے کتنے بھائی اور کتنی بہنیں تھیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔محمد ابراہیم زبیری کا بیان ہے کہ والد شیخ احمد شریف گجراتی کی اولاد بیجاپور میں موجود تھی۔محمد شریف عاجز تخلص کرتے تھے وہ اپنے بارے میں ''لیلیٰ مجنوں'' میں کہتے ہیں کہ میرا نام

محمد اور تخلص عاجزؔ ہے اور میرے والد کا نام احمد ہے۔ دکن میں عاجزؔ تخلص کے بعض اور شاعر گزرے ہیں لیکن ان میں سے قدیم شیخ احمد شریف گجراتی کے فرزند شیخ محمد شریف عاجز ہیں۔ عاجز کی دو مثنویاں ''یوسف زلیخا'' اور لیلیٰ مجنوں بالترتیب ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ء اور ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء میں لکھی گئی تھیں۔

عاجز اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں کے سنہ تصنیف کے بارے میں کہتا ہے۔

ہزار ہور چہل شش یو ہجرت کے سال
ہوئے پر کھیا لیلیٰ مجنوں کے حال

اور ''یوسف زلیخا'' کے بارے میں کہتا ہے۔

نبی بعد ہجرت ہوئی یک ہزار
چہل چار پر جا کیا مرقطار

۱۰

عاجز نے یوسف زلیخا اور لیلیٰ مجنوں کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بھرام وحسن بانو :

بہرام وحسن بانو کے مصنف کا نام امینؔ ہے۔

بیجاپور اور گولکنڈہ میں متعدد شعراء ایسے گزرے ہیں جن کا تخلص امینؔ تھا۔ زمانہ مابعد میں بھی متعدد شعراء کا تخلص امینؔ تھا۔ بیجاپور کے اس امینؔ کا تعلق ابرہیم عادل شاہ ثانی کے عہد سے تعلق ہے۔ اس کی مثنوی ''بہرام وحسن بانو'' ہے۔ مثنوی سے امینؔ کے ذاتی حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوفی مشرب فقیر آدمی تھا۔ شاہی دربار سے اس کو تعلق نہیں تھا۔

واضح ہو کہ اس مثنوی کو امین نے مکمل نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے شاعر دولت نے اس کی

تکمیل کی ہے۔امین کی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھا شاعر تھا۔اور شعر گوئی میں اس کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

اس کی مثنوی بہرام وحسن بانو کا ایک نسخہ یورپ[11] میں محفوظ ہے۔جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس کی تاریخ تصنیف ربیع الاول ۱۰۵۰ھ ہے۔

سنہ ایک ہزار اور پنجاہ میں
جمعہ روز ربیع الاول ماہ میں
بفضل الٰہی کیا میں نظم
بتاریخ چہارم کیا ہے ختم

امین نے بہرام وحسن بانو کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

وفات نامہ :

وفات نامہ کے مصنف کا نام عالم ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے وفات نامہ لکھا ہے۔گجرات کے ایک اور شاعر عالم گجراتی ہیں جنھوں نے ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء میں ''وفات نامہ'' نظم کیا تھا۔

''وفات نامہ'' کے سنہ تصنیف کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

خواجہ عالم ہو کے تم
عالم اوپر کر درحم
ہزار برس پر اسی اور سات
سنہ ہجرت ترتیب عام بات

[12]

عالم نے وفات نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مثنوی قصہ بے نظیر :

اس کے مصنف کا نام صنعتی ہے۔

محمد ابراہیم خاں صنعتی بیجاپور کے عادل شاہی دور کا ایک معروف شاعر ہے۔ ''بساتین السلاطین'' میں ابراہیم خاں نام کے ساتھ صبعی تخلص لکھا ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے، کیونکہ اس کی تصانیف سے صنعتی تخلص صاف واضح ہوتا ہے۔ دوسرے شعراء کی طرح اس کے سنہ وفات وغیرہ کا علم نہیں ہے۔ خیال یہ کہ عادل شاہی دور کے اختتام کے پہلے اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ کے دور میں موجود رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ صنعتی کی ایک مثنوی ''قصہ بے نظیر'' یا قصہ تمیم انصاری'' دریافت ہوئی ہے جو ۱۰۵۵ھ/ ۱۶۴۵ء میں تصنیف ہوئی ہے۔ صنعتی کی اس مثنوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا ایک قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کی مثنویوں میں سادگی، لطافت اور شگفتگی کے ساتھ مثنوی کی دوسری خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

صنعتی کے قصہ بے نظیر کا سنہ تصنیف ۱۰۵۵ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان [۱۳] اور دکن میں اردو [۱۴] میں محفوظ ہے۔

مصنف نے صاحب قصہ کا نام ہر جگہ تمیم انصاری کے بدلے تمیم انصاری نظم کیا ہے۔

مخطوط زیر تبصرہ میں سنہ تصنیف کا شعر اس طرح ہے۔

ہزار ایک پر سال پنجاہ و پنج
ہوئے تب ہوا پر جواہر یوں گنج

صنعتی نے مثنوی قصہ بے نظیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

خاور نامہ :

خاور نامہ کے مصنف کا نام رستمی ہے۔

رستمی کا نام کمال خاں تھا۔ وہ اسمعیل خان کا فرزند تھا۔ اس کے آبا واجداد سات پشت سے

عادل شاہوں کے نمک خوار اور شاہی خطاطون کے زمرہ میں شامل تھے جو خطاط خاں کے خطاب سے بھی سرفراز تھے۔ یہی خطاب کمال رستمی کو محمد عادل شاہ نے دیا تھا۔

رستمی اپنے عہد کا ایک باکمال قادرالکلام شاعر تھا۔قصائد اور غزلیات کے علاوہ ایک ضخیم مثنوی ''خاورنامہ'' بھی اسی نے لکھی ہے۔افسوس ہے کہ اس کے قصائد اور غزلیات اب تک دریافت نہیں ہوئے،اور ''خاورنامہ'' کا بھی صرف ایک ہی نسخہ ملا ہے جو لندن میں ہے۔اس مثنوی میں ایک فارسی دیباچہ بھی شامل ہے جس سے رستمی کے مختصر حالات پر روشنی پڑتی ہے،اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ مثنوی خدیجہ سلطان شہر بونوعرف حاجی بڑے صاحب یعنی ملکہ محمد عادل شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔اس وقت کے تمام شاعروں میں سے رستمی کو ہی اس کا اہل سمجھ کر اس کام کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

رستمی کے سنہ پیدائش اور سنہ وفات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔صرف اتنا معلوم ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف سنہ ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں ہوئی۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں دکھنی مخطوطات ۱۵ میں موجود ہے۔

اس مثنوی کی تصنیف جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ۱۰۵۹ھ میں ہوئی ہے اس کی وضاحت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

نبی کی جو ہجرت تھی کیتا خیال
ہزار پر پچاس اور نو کی تھی سال
کہا رستمی اس وقت یو کتاب
بندیا باب کے گوہر ان بے حساب

رستمی نے خاورنامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

شریعت نامہ :

شریعت نامہ کے مصنف کا نام شاہ ملک ہے۔

دکن کے قدیم شعراء کا حال یا تو بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے یا پھر خود ان کی مثنویوں سے، مگر شاہ ملک کی مثنوی اس باب میں کوئی رہبری نہیں کرتی، اور تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی عادل شاہ ثانی کے دور کے شاعر ہیں۔ وہ ایک عالم تھے اور حنفی مذہب کے پیرو تھے۔ انھوں نے دکنی شعراء کی عام روش کے مطابق کوئی عشقیہ مثنوی نہیں لکھی، بلکہ قصہ اور عقائد کے موضوع پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ ان کی مثنوی "شریعت نامہ" ہے جس کو "احکام الصلوٰۃ" "کفایت الاسلام" اور "توفیق نامہ" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کے کئی قلمی نسخے حیدر آباد کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس مثنوی میں فقہ حنفی کے مسائل عبادات درج ہیں۔ اس کی تصنیف سنہ ۱۰۷۷ھ /۱۶۶۶ء میں ہوئی۔ اس زمانہ میں علی عادل شاہ ثانی حکمراں تھا۔

شاہ ملک کی مثنوی شریعت نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۷۷ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے یورپ[۱۶] کتب خانہ سالار جنگ[۱۷] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۸] میں محفوظ ہیں۔

شاہ ملک بیجاپور کا مشہور شاعر ہے۔ جو علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں موجود تھا۔ دوسرے ہمعصر شعراء کی طرح کوئی مثنوی نہیں لکھی۔ یہ مختصر حنفی فقہ ہے جو نظم میں لکھی گئی ہے۔ تاریخ تصنیف کا اظہار یوں کیا ہے۔

سویو شین شا الف ہے ومیم لام کاف
فرض کون سو دکھنی میں بولیا ہے صاف
سن یک ہزار ہور ستر پو سات
کیاھوں اسی سال میں یو حکات
اڑی سو اوپر تین بیتاں ہے سب
توں کوشش کی دل بھا کو کر یاد سب

شاہ ملک نے شریعت نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ذی قوم نامہ :

ذی قوم نامہ کے مصنف کا نام فضل بن محمد تخلص امین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں ۔اس نے ذی قوم نامہ کے نام سے ایک داستان لکھی ہے۔

اس داستان کی سنہ تصنیف ۱۱۹۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[19] میں موجود ہے۔

مصنف بیان کرتا ہے کہ وہ درد شکم میں مبتلا تھا رات کو خواب میں ہدایت ہوئی کہ ذی قوم کی داستان لکھی جائے تو شفا ہوگی ۔اس خواب کو دیکھ کر اس نے یہ داستان لکھی اور شفا پائی ۔اختتام اور تاریخ تصنیف ۔

مرتب ہوا جنگ نامہ تمام
نبی پر ہزاراں درود و سلام
ہزار ایک سو نود پر تھے چار
ہوئے تھے جو ہجری کی ہر سال قرار
سو ذی قعدہ ماہ میں یہ مقال
کہا میں جو اس کا مقرر تھا حال

فضل بن محمد نے ذی قوم نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

پند نامہ :

پند نامہ کے مصنف کا نام شغلی ہے۔

شغلی کا نام شاہ عالم تھا اور ''شاہ عالم گیانی'' اور ہادی الشعراء کے لقب سے بھی شہرت رکھتے تھے۔وہ ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کے عہد (۱۵۸۰ء -۱۶۲۶ء) میں بیجاپور میں

پیدا ہوئے۔ زوال بیجاپور کے بعد مدراس علاقے وڈی گرام پونڈس پہنچے اور وہاں کے ایک مشہور صوفی شاہ سلطان ثانی (۱۶۰۹ء- ۱۶۸۵ء) سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شاہ سلطان کے ایما پر مدراس کے قصبے بتی پورم مستقل طور پر قیام پذیر رہ کر رشد وہدایت اور تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیتے رہے اور وہیں ۱۱۱۴ھ م ۱۷۰۳ء میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ شغلی کے ایک پیر بھائی شاہ صادق نے ''غاب قطب'' سے تاریخ وفات نکالی۔ ان کی ایک مثنوی پند نامہ کا پتہ چلتا ہے جو ۱۰۸۶ھ م ۱۶۷۵ء کی تصنیف ہے۔ مثنوی (۱۰۵) اشعار پر مشتمل ہے۔ سنہ تصنیف سے قیاس ہوتا ہے کہ شغلی علی عادل شاہ ثانی (۱۰۳۷ھ م ۱۶۲۷ء- ۱۰۶۷ھ م ۱۶۵۶ء) اور سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ م ۱۶۷۲ء- ۱۰۹۷ھ م ۱۶۸۵ء) کے زمانے میں موجود تھے اور انھوں نے سکندر عادل شاہ کے ہی زمانے میں پند نامہ کو فارسی سے اردو نظم میں منتقل کیا۔

اس کے دو قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں۔

شغلی نے تاریخ تصنیف نہایت وضاحت سے بیان کردی ہے۔

امت کوں محمد علیہ السلام
نصیحت کیے پند نامہ تمام
سو یو پندنامہ سنے تو ثواب
ہے اتنا کہ ناہو سے گور کا عذاب
سبب کیا جو کئی معنی فارسی
نئی پایا لکر میں کیا آرسی
اتھا سن چھ اوپر اسی ایک ہزار
ربیع الاول ماہ دن ایتوار
ہوئے ایک سو پانچ بیتاں تمام
زصدقِ محمد علیہ السلام

شغلی نے پند نامہ کے سنہ تصنیف کے نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

علی نامہ :

علی نامہ کے مصنف کا نام نصرتی ہے۔

شیخ محمد نصرت بیجاپور کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے اور نصرتی ان کا تخلص تھا۔ان کے خاندان میں سپہ گری کا چلن تھا لیکن نصرتی کی طبیعت اس طرف مائل نہ ہوئی ۔نصرتی کی پیدائش تو بیجاپور میں ہوئی تھی لیکن ان کا صحیح سن پیدائش معلوم نہیں۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ محمد عادل شاہ کے عہد حکومت (۱۶۲۷ء سے ۱۶۵۶ء) کے دوران پیدا ہوا تھا۔نصرتی کے والد نے اس کی تعلیم وتر بیت کا خاص اہتمام کیا تھا اور نہایت لائق اور مہربان استاد رکھے تھے۔ جب وہ جوان ہوا تو اس وقت تک کافی کتابیں پڑھ چکا تھا اور یقیناً شعروادب کا اچھا ذوق پیدا ہو چکا تھا۔علی عادل شاہ کے ولی عہدی کے زمانے میں ہی یہ اس کے ہاں باریاب ہو گیا تھا اور علی عادل شاہ کی قدر دانی کے سبب نصرتی کی شاعری کو ترقی اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ حقیقت ہے کہ نصرتی،قدیم اردو یا دکھنی کے شعراء میں سب سے زیادہ مشہور اور بلند مرتبہ شاعر گزرا ہے۔ وہ غزل،قصیدہ،مثنوی ہر ایک پر یکساں قدرت رکھتا تھا۔ اس کی پہلی مثنوی ''گلشن عشق'' ۱۶۵۷ء میں یعنی محمد عادل شاہ کے انتقال کے ایک سال بعد لکھی گئی، پھر دوسری مثنوی ''علی نامہ'' ۱۶۸۷ء میں لکھی گئی اور تیسری اور آخری مثنوی ''تاریخ اسکندری'' ۱۶۹۴ء میں تصنیف ہوئی ۔اسی سال اس کے مربی بادشاہ علی عادل شاہ کی وفات اور اس کے فرزند سکندر عادل شاہ کی تخت نشینی ہوئی ۔اس طرح نصرتی نے تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ کچھ تذکرہ نویس اس کا سن وفات ۱۶۹۶ء بتاتے ہیں۔

نصرتی کی مثنوی علی نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۷۶ھ ہے

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں موجود ہے۔

نصرتی نے علی نامہ کی تکمیل ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں کی تھی جیسا کہ خود اس کے بیان سے

ظاہر ہوتا ہے۔

لکھیا شہہ کا میں جس جو یو کر اُہس
ہزار ایک سو ستر پہ تھے چھ برس

نصرتی نے علی نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

معراج نامہ :

معراج نامہ کے مصنف کا نام شاہ معظم ہے۔

شاہ معظم تصانیف کے اعتبار سے خانوادہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے گل سرسبد ہیں۔ ان کی مثنویوں اور دیوان کے نسخے ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں اور نجی ذخیروں کی زینت ہیں لیکن افسوس کہ ان کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا۔ ان کے سنین ولادت و وفات اور خاندانی حالات معرض خفا میں ہیں البتہ ان کی تصانیف کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اٹھارھویں صدی کے عشرہ ثانی میں موجود تھے۔ انھوں نے عادل شاہی خاندان کے آخری فرماں روا سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ-۱۰۶۷ھ) کا عہد بھی دیکھا اور شہنشاہ اورنگ زیب کا بھی۔

معظم کا پورا نام محمد حسینی قادری ہے اور وہ چشتیہ سلسلے میں امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔ محوائے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ معظم پہلے قادریہ سلسلے سے منسلک تھے اس لئے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ نسبت قادریہ ظاہر کی ہے۔ بعد میں انھوں نے چشتیہ سلسلے میں بیعت حاصل کی تھی۔

شاہ معظم کی یہ مثنوی سولہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے عنوان کے لئے ایک شعر کہا گیا ہے۔ عنوان کے تمام اشعار ہم زمین ہیں جن کو یکجا کرنے سے مثنوی کے مضامین کا خلاصہ تیار ہوتا ہے۔

معظم کا معراج نامہ ۱۰۷۰ھ کی تصنیف ہے اور ترجمہ نہیں بلکہ طبع زاد ہے۔ درج ذیل اشعار میں معظم نے اس کے سن تصنیف کی نشاندہی کی ہے۔

ہونامہ جہاں میں ہوا جب ختم
اگیارا صدی میں اتھے تیں کم
رجب کی ستاویس یو نامہ تمام
نبی پر ہزاروں درود و سلام

[۲۲]

معظم کی اس مثنوی کا یک مخطوطہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۳] اور دوسرا مخطوطہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۲۴] میں محفوظ ہے۔

شاہ معظم نے معراج نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

معراج نامہ :

معراج نامہ کے مصنف کا نام مختار ہے۔

مختار بھی عادل شاہیوں کے آخر زمانہ کے شاعر ہیں۔میاں محمد مختار اور مختار تخلص تھا۔ان کی مثنوی ''معراج نامہ'' ہے جو سنہ ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء میں تصنیف ہوئی ۔اس میں تقریباً تین ہزار شعر ہیں۔اس مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ مختار حضرت سید محمد گیسودراز کے سلسلہ میں مرید تھے۔ان کے مرشد کا نام شاہ حضرت تھا جو شاہ عبدالصمد کے مرید تھے۔مثنوی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مختار بڑے صاحب علم تھے۔وہ نہ صرف تفسیر ،حدیث ،فقہ وغیرہ بلکہ اسلامی علم ہیئت میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے ۔انھوں نے علم ہیئت کے متعلق جو اصطلاحات مثنوی میں استعمال کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس فن کے ماہر تھے۔اس مثنوی میں آنحضرت صلعم کی معراج کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔آنحضرت کا افلاک کی سیر کرنا ،جنت اور دوزخ کا معائنہ کرنا،وہاں فرشتوں سے گفتگوں کرنا اور اس قسم کے دوسرے امور کو وضاحت سے قلمبند کیا گیا ہے۔مختار نے آسمان اور زمین کے درمیان ایک مکالمہ لکھا ہے جو اس زمانہ میں ایک بالکل نئی چیز تھی۔

اس کے چار قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[۲۵] ادارۂ ادبیات اردو[۲۶] کتب خانہ آصفیہ[۲۷] اور اورنٹیل مینوسکر پٹ لائبریری[۲۸] میں محفوظ ہیں۔

اس میں حمد و نعت کے بعد غوث اعظم کی مدح ہے اس کے بعد اپنے مرشد عبدالصمد کی تعریف کی ہے۔ اختتام اور تاریخ تصنیف۔

یو معراج نامہ ہوا تمام
سلام علیٰ روح خیر الانام
اتھا سنہ یو ہجرت یوں اسکا قرار
تھے گزرے نود چار پر ایک ہزار

مختار نے معراج نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

یوسف زلیخا (دوسرا نسخہ) :

یوسف زلیخا کے مصنف کا نام ہاشمی ہے۔

''بساتین السلاطین'' میں علی عادل شاہ ثانی کے عہد کے جن شعرا کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ان میں ہاشمی بھی ہے۔ اس تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادرزاد اندھا تھا۔ شاہ ہاشم کی صحبت سے اس نے فیض حاصل کیا۔ ''یوسف زلیخا'' اور دیوان اس کی تصانیف ہیں۔ عادل شاہی امیر سیدی مسعود خاں کو ہاشمی سے بڑا خلوص تھا۔ اس نے ایک دن ہاشمی کو اپنے محل میں بلایا۔ وہاں محل کی بیگمات بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہاشمی اپنی غزلیں سنانے لگا، جن میں بیگمات کے حسن و جمال اور لباس اور آرایش کی تفصیل تھی۔ بیگمات کو گمان ہوا کہ وہ اندھا نہیں ہے، اور انھوں نے فوراً پردہ کرلیا۔

ہاشمی کا نام سید میران تھا۔ عادل شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد وہ آرکاٹ چلا گیا، اور مغلیہ صوبہ دار آرکاٹ ذوالفقار خاں نصرت جنگ کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ اور وہیں بس گیا۔ اس کے مرنے کے سنہ میں اختلاف ہے، مگر شمس اللہ قادری نے ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۹۷ء بتایا ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہیں۔

ہاشمی بیجاپوری کی مثنوی یوسف زلیخا کی تاریخ تصنیف ۱۰۹۹ھ اول احمد ونعت ،منقبت ہے۔معراج کا بیان ہے اور اپنے مرشد ہاشم کی مدح کی گئی ہے۔اختتام اور سنہ تصنیف

مرتب کیا میں یو قصہ کوں تو
ہزار برس پر تھے نو نود پہ نو
اگر کوئی بیتوں کا پوچھے شمار
کہہ یک صد ایسے سات سے پنج ہزار
میرا شعر جس پورکھ سنیکا جینی
میرے حق یہ ایماں منگے گا اونی
کہ الحمدواللہ یو قصہ تمام
ہوا سو محمد پہ ہے نت سلام
دو شنبہ کا تھا روز آخر ظہر
محرم کا تھا ساتویں سو چندر

ہاشمی نے یوسف زلیخا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

شہباز و منوھر :

شہباز ومنوہر کے مصنف کا نام حسینی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے شہباز ومنوہر کے نام سے ایک داستان لکھی ہے۔

اس داستان کا سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

شہباز ومنوہر کی داستان میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت پیغمبر صاحب صلعم کے زمانے میں ایک بزرگ تھے جن کا نام شاہ رحیم تھا۔

مخطوطہ ھذا کی تصنیف ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔ اس میں (۱۲۲۲) ابیات ہیں اور چودہ دن میں تصنیف کی گئی۔ یہ تفصیلات ان ابیات میں ہیں۔

یو شہباز منہر کیرا جیون کلام
کہیا دیس چودا منیں سب تمام
یو بیتاں سگل میں کیا سو دیکھو
ہزار ایک دو سو اُپر بیت دو
سنہ یکہزار ہور ہشتاد ایک
ہوئے پر کہیا ہوں یو قصہ تو دیک
اتھا دن دوشنبہ زکی پہلی بار
مرتب ہوا یو قصہ ایک بار
مدد اس وقت مجکو سبحان تھا
مہینا دو سمجو سو شعبان تھا

حسینی نے شہباز ومنوہر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

یوسف زلیخا :

یوسف زلیخا کے مصنف کا نام امیؔن ہے۔

شعرائے گجرات میں شیخ محمد امین گجراتی ایک امتیازی حیثیت کے حامل سخن گو نظر آتے ہیں۔ امیؔن کا پورا نام شیخ محمد امیؔن ہے اور وہ گودھرے سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض قدیم تذکرہ نگاروں اور جدید مورخین ادب نے امین کے گجراتی نہ ہونے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کی تردید شمس

اللہ قادری، عبدالحمید فاروقی اور محمود شیرانی نے نہایت مدلل انداز سے کی ہے۔اور امین کی تصنیف ''یوسف زلیخا'' کے داخلی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ گجرات کا رہنے والا ہے اور اس نے اپنی مثنوی میں متعدد مقامات پر اپنی زبان کو گجری یا گوجری کہا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں دکنی مخطوطات[22] میں محفوظ ہے۔

امین نے مثنوی یوسف زلیخا(۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) اورنگ زیب کے دور میں مکمل کی تھی، جس کی وضاحت مثنوی کے اشعار سے ہوتی ہے۔

اگیارہ سو اوپر جب نو گزرے
برس ہجرت محمد مصطفٰے کے
بنان چالیس سو پھر چودہ اور سو
میں لکھا گودہری کے بیچ سن لیو
جمادی الاول میں اتوار کے روز
اتھی تاریخ دوجی دے دل افروز
صبح کے وقت لکھ رہیا امین رے
الٰہی توں محبت سب کے تیں دے

امیؔن نے یوسف زلیخا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مصنف کا نام امیؔن ہے۔اس قصیدہ کا سنہ تصنیف ۱۰۹۹ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات[23] اور کتب خانہ سالار جنگ[24] میں محفوظ ہے۔

شمس اللہ قادری کی وضاحت کے مطابق مصنف کا نام محمد امیؔن ہے گجرات کے باشندے ہیں اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا ہے۔امین نے اس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲/ جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ کو تمام ہوا۔

اول		قصیدہ		فارسی
تھا	سو	ہر	یک	جاگا منے
پچھوں	لکھیا	در	گو	جری
آیا	امین	کے	دل	بھیتر
جب	یک	ہزار	اُوپر	ہووے
ہجری		کے	نود	نوبرس
تب	اے	جمادی	الثانی	میں
لکھیا		قصیدہ	از	شکر
تاریخ		بائیسویں		اتھی
روز		جمعہ	پیدا	ہوا
بارے	خدا	کے	فضل	سوں
پورا		کیا	وقت	سحر

امین نے نعتیہ قصیدہ کا سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

جنگ نامہ حیدر :

جنگ نامہ حیدر کے مصنف کا نام اشرفؔ ہے۔

اشرف حضرت امام موسیٰ کی اولاد میں سے تھا اور اس کے آبا و اجداد کا وطن مدینہ منورہ تھا۔ اس خاندان کے متعلق زیادہ کچھ معلومات نہیں ملتیں ۔خواجہ خاں حمید کا بیان اور خود اشرف کے متعدد اشعار سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ گجرات سے تعلق رکھتے تھے۔اشرف کے مراثی کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر زورؔ رقم طراز ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کا بہت ہی مقبول شاعر تھا۔اور اسے استادِ فن تسلیم کیا جاتا تھا۔وہ آگے لکھتے ہیں کہ اشرفؔ نے شمالی ہند کا سفر کیا تھا۔مگر سخاوت مرزا لکھتے ہیں کہ اشرف کا

شمالی ہند جانا کسی طرح ثابت نہیں ہے اور کسی تذکرہ نگار نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اشرف کی مثنوی ''جنگ نامہ حیدر''۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء کی تصنیف ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے یورپ میں دکھنی مخطوطات[۵] اور کتب خانہ آصفیہ[۶] میں محفوظ ہیں۔

درج ذیل شعر میں اشرف نے اس کے سن تصنیف کی نشاندہی کی ہے۔

کیا ہوں بڑی شرف کی بھر جان
اگیارہ سو پچیس سن ہجری جان
کیا جنگ یو مختصر بات میں
کیا اٹھہ سو پر چھہ ابیات میں
کیا جنگ یو سید اشرف تمام
بحق محمد علیہ السلام

اشرف نے جنگ نامہ حیدر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مصنف کا نام شاہ تراب ہے۔

شاہ تراب ایک سیلانی صوفی اور کثیر التصانیف صاحب دیوان شاعر تھے لیکن تراب کے حالات و کوائف کسی تذکرے یا ادبی تاریخ میں موجود نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ ''مدراس میں اردو'' (نصیر الدین ہاشمی) میں بھی ایسے زبردست پرگو اور قادر الکلام شاعر کا ذکر نہیں ملتا غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے ادبی مراکز سے دور ٹمل ناڈو کے ایک غیر معروف علاقہ ترنامل میں رہتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان شعراء اور مصنفین کے حالات زندگی ہم کو نسبتاً آسانی سے مل جاتے ہیں جو کسی دربار سے وابستہ رہے ہوں یا کسی امیر و رئیس کے متوسل رہے ہوں لیکن تراب درباروں اور امراء کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے۔

ان کے کلام کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ تراب کا اصل نام تراب علی شاہ تھا صوفی اور خدا ترس شاعر ہونے کے سبب وہ شاہ تراب کے نام سے معروف تھے۔ ان کا تخلص تراب

تھااور مرشد کی طرف سے انہیں گنج الاسرار کا خطاب ملا تھا۔شاہ تراب نے اپنی تصانیف میں تراب کے علاوہ ترابی اور بوترابی بھی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔

شاہ تراب کے سنہ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتے ہیں کہ وہ ۱۱۰۴ھ تا ۱۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ ۲۷

شاہ تراب کی تصانیف یہ ہیں ۔''ظہور کلی'' کا سنہ تصنیف ۱۱۷۱ھ ''گلز وحدت'' کا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ، ''گنج الاسرار'' کا سنہ تصنیف ۱۱۷۹ھ، ''گیان سروپ'' کا سنہ تصنیف ۱۱۲۱ھ، ''مثنوی مہ جبین وملا'' کا سنہ تصنیف ۱۱۸۲ھ، ''من سمجھاون'' کا سنہ تصنیف ۱۱۷۱ھ اور ''آئینہ کثرت'' کا سنہ تصنیف ۱۱۸۷ھ ہے۔ان کی ایسی تخلیقات ہیں جن کے مجموعی اشعار کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ان مخطوطات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ تراب کتنے پُر گو اور کثیر التصانیف شخص تھے۔

شاہ تراب کو ان کے پیر نے ۱۱۵۰ھ میں خرقہ خلافت عطا کیا تھا جس کی وضاحت انھوں نے ''ظہور کلی'' میں اس طرح کی ہے۔

حضرت پیر پاشاہ عالی جناب
ایک دن خلوت منے او آفتاب
اس غلام کمتریں کے تئیں بلائے
سرسوں تا پشت اویہ قدرت پھر ائے
تج کوں کرتا ہوں خلیفہ اب میرا
معرفت میں کوئی نیئں ثانی ترا
تو میرا خلفاء خاص الخاص ہے
مجکوں تیرے سوں بہت اخلاص ہے
او ولی عصر مرشد نامدار
درسن پنجدہ و یک صد یک ہزار

روز جملہ ماہ رجب وقت شام
دی خلافت گنج الاسرار بخشے نام

۳۸

غوث نامہ :

غوث نامہ کے مصنف کا نام ذوقی ہے۔

ذوقی دکنی کے مشہور مصنف اور شاعر ہیں۔ان کا پورا نام شاہ حسین تخلص ذوقی اور خطاب بحرالعرفاں تھا جوان کے پیرومرشد شاہ خان محمد کا عطا کردہ تھا۔ذوقی ایک صوفی منش اور درویش طبع مذہبی بزرگ تھے لیکن شعروسخن سے گہرا علاقہ رکھتے تھے۔ذوقی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ عالمگیر کی تسخیر دکن کے کافی بعد تک حیات تھے۔ذوقی کے ایک شاگرد احمد کی تصنیف ''شہادت نامہ'' کا ایک مخطوطہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔اس کا سن تصنیف ۱۱۵۵ھ ہے اور اس کے ترقیمے میں احمد نے اپنے استاد ذوقی کے نام کے آگے ''مدظلہ'' لکھا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوقی ۱۱۵۵ھ تک حیات تھے لیکن ان کے سن وفات کا پتہ نہیں چلتا۔

ذوقی ایک پختہ مشق شاعر تھے۔ان کی تصانیف میں ''وصال العاشقین''''غوث نامہ'' وفات نامہ رسول اور نزہت العاشقین (منصور نامہ) کا پتہ چلا ہے۔

اس مثنوی کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم کی زینت ہے جس کا ذکر نصیر الدین ہاشمی نے یورپ میں دکنی مخطوطات میں کیا ہے۔ان کی صراحت کے بموجب اس مثنوی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح کی گئی ہے۔مثنوی میں حمد و نعت نہیں ہے بلکہ راست مدح شیخ سے آغاز کیا گیا ہے۔اس میں مختلف عناوین کے تحت شیخ کے حالات و کرامات بیان کئے گئے ہیں۔اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۱۰۹ھ ہے جس کی وضاحت مصنف نے اس طرح کی ہے۔

اتھے سو اگیارا بھی اس پونو
ہو ختم یوں نسخہ نغز بو (؟)

۳۹

ذوقی نے غوث نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نزھت العاشقین :

نزہت العاشقین کے مصنف کا نام ذوقیؔ ہے۔

دکن میں ذوقیؔ تخلص کے دو شاعر گزرے ہیں ایک ابوالحسن قربیؔ کے فرزند اور دوسرے حسن شوقی کے بیٹے شاہ حسین ذوقیؔ۔ شیخ حسین ذوقی، شیخ حسن شوقی کے خلف رشید اور شاہ خاں محمد کے مرید تھے۔

حسین ذوقی نے مثنوی کے نام اور سنہ تصنیف پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

بیان عشق کے قرب کا کر یقین
رکھیا ناوں سو نزہت العاشقین
نبی کے سو ہجرت کے بعد ازکمال
اگیارہ صدی پر اگیارہ تھے سال

۴۰

ذوقی نے نزہت العاشقین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

من لگن :

من لگن کے مصنف کا نام قاضی محمود بحری ہے۔

قاضی محمود بحری دکن کے نہایت قادرالکلام اور پرگو شاعر تھے۔ ان کا نام سید محمود اور تخلص بحریؔ تھا۔

بحری قصبہ گوگی کے باشندے تھے جو سگر نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے۔ان کے والد بحرالدین گوگی کے قاضی تھے اور قاضی دریا کے نام سے مشہور عندالناس تھے۔بحری کے جد اعلیٰ سید جمال الدین مکران (بلوچستان) کے متوطن تھے۔یہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے۔ان کا خاندان سبز پوش قادری کہلاتا ہے۔سخاوت مرزا مرتب من لگن راوی ہیں کہ بحری کے والد علاقہ مدراس سے گوگی آئے۔انھوں نے بیجاپور کے مشہور صوفی سید شاہ برہاالدین جانم کے خانوادے میں بعیت وارادت حاصل کی۔بحری کی تصانیف عروس عرفاں اور من لگن میں اس کا ذکر ہے۔

یہ بحری کی سب سے مقبول ومعروف مثنوی ہے۔اس کا موضوع تصوف وعرفان ہے۔ ڈاکٹر زورؔ نے ''اردو شہ پارے'' میں اور نصیر الدین ہاشمی نے وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ میں من لگن کا سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ بتایا ہے۔یہ صحیح نہیں ہے نصیر الدین ہاشمی نے کتب خانہ نواب سالار جنگ مرحوم کی وضاحتی فہرست اور دکن میں اردو میں اور سخاوت مرزا نے ۱۱۱۲ھ میں لکھا ہے اور یہ صحیح سنہ تصنیف ہے جس کی وضاحت اس مثنوی کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

ہجری تو یہی کتیک برس تھے
بارہ اُوپر ایک سو سہس تھے

محمود بحری نے من لگن کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

پند دلبند :

مناجات کے مصنف کا نام علی رحمتی ہے۔

علی بیجاپوری شاعر ہے جو عادل شاہی خاندان کے دور حکومت گزرا۔علی تخلص استعمال کرتا تھا۔علی رحمتی بیجاپور کے صوفی بزرگ سید شاہ امین الدین اعلیٰ کا مرید تھا۔وہ اپنے وقت کا ایک ممتاز شاعر تھا۔اس کی ایک مثنوی ''پند دل بند'' کا پتہ چلتا ہے۔

مثنوی پند دل بند ڈاکٹر محمد علی اثر نے کئی نسخون کی مدد سے مرتب کر کے اپنی کتاب دکنی کی

تین مثنویاں میں شائع کر دیا ہے۔ان کی تحقیق کے مطابق علی کا پورا نام علی رحمتی ہے۔مثنوی بالکل مذہبی نوعیت کی ہے۔جس میں اسلامی تعلیمات کو ناصحانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔جو پند ونصائح سے معمور ہے۔اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ علی نہ صرف شاعر تھا بلکہ وہ ایک مذہبی آدمی اور عالم بھی تھا۔جس کی وجہ سے اس نے مسلمانوں کو ہدایت کے لیے ان تعلیمات کو پیش کیا ہے جو عین مذہبی اور تعلیمات اسلام کی روح ہیں۔مثنوی میں خدا کے حصول کے لیے ذیل کی تین باتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔وہ ایمان علم اور عمل ہیں۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو۳۰ میں محفوظ ہے۔

یہ ۳۳۳/ابیات کی مثنوی ہے جو بطور مناجات لکھی گئی ہے۔

تاریخ تصنیف ۱۰۳۵ھ کا اظہار اس شعر سے ہوتا ہے۔

برس ایک ہزار اور پینتیس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں

ڈاکٹر محمد جمال شریف نے ''پند دل بند'' کا سنہ تصنیف (۱۰۳۷-۱۰۶۷ھ) لکھا ہے لیکن اس کی تائید میں کوئی تاریخی شعر درج نہیں کیا ہے۔

علی رحمتی نے پند دلبند کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ج: قطب شاهی دور (گولکنڈه) : ۹۲۴ھ تا ۱۰۹۸ھ/۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء

گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت ہندوستان کی ان یادگار زمانہ سلطنتوں میں سے ہے جس نے علوم وفنون، شعر وادب اور تہذیب وتمدن کے فروغ میں سرگرم حصہ لیا۔قطب شاہی دور میں شعر وادب کے ارتقاء کے ساتھ تاریخ گوئی کی روایت بھی آگے بڑھتی رہی لیکن اس روایت کے جائزے سے قبل قطب شاہی دور کا سرسری خاکہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

اس خاندان کا بانی سلطان قلی قطب شاہ ہے جو ترکستان کے ایک بڑے قبیلے قرا قونیلو کا رکن

تھا یہ وہ قبیلہ ہے جس میں قرا یوسف سکندر ثانی اور جہاں شاہ جیسی زبردست شخصیتیں پیدا ہوئیں اور جس نے ترکستان کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی تھی۔ سلطان قلی کے باپ اور دادا پر قلی اور اویس قلی ہمدان کے رئیس تھے لیکن پندرھویں صدی میں ان لوگوں کو ایک دوسرے قبیلے سے جس کا نام آق نیلو تھا ایسا نقصان پہنچا کہ ان کو ہمدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ چنانچہ سلطان قلی اور اس کا چچا اللہ قلی دونوں ۸۹۲ھ/۱۴۸۶ء میں بیدر آ گئے اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اللہ قلی تو ہمدان واپس ہو گیا لیکن سلطان قلی نے سلطنت بہمنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس وقت بیدر میں طبقہ واری کشمکش جاری تھی جس کی وجہ سے سلطان قلی کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تاہم اس نے کسی فرقہ وارانہ رقابت میں حصہ نہیں لیا بلکہ اہلِ ملک اور شاہی خاندان کے ساتھ پوری وفاداری کی اور محض اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کی۔ ۸۹۹ھ/۱۴۹۳ء میں اس کو قطب الملک کا خطاب ملا اور ۹۰۱ھ/۱۴۹۶ء میں تلنگانے کا صوبہ دار بنایا گیا۔ محمود شاہ بہمنی کے انتقال تک جو ۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء میں ہوا تھا اس نے خود مختاری کا اعلان نہیں کیا حالانکہ شمال کے صوبہ دار ملک احمد یوسف عادل خاں فتح اللہ ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء میں خود مختار ہو چکے تھے۔ چونکہ اس کا خطاب قطب الملک تھا اس لئے جب یہ ۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء میں محمود شاہ کی وفات کے بعد خود مختار ہوا تو اسے قطب شاہ کہنے لگے۔ گولکنڈہ اس خاندان کا پایۂ تخت تھا۔

سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے جانشین جمشید قطب شاہ کے عہد میں جو اپنے باپ اور بھائیوں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا تھا کوئی اضافہ نہیں ہوا اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم قطب شاہ اپنے بھائی سے ڈر کر بیجانگر میں جلاوطن ہو گیا تھا۔ یہ جمشید کے انتقال کے بعد ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء میں واپس آیا اور تخت پر قابض ہوا۔ اس عہد میں یہ سلطنت بہت مستحکم ہو گئی۔ اور جب ۹۷۲ھ/۱۵۶۵ء میں سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہو گیا تو قطب شاہی سلطنت کو جنوب میں پھیلنے کا اچھا موقع ملا ابراہیم قطب شاہ کے جانشین محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں جو ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء میں تخت نشین ہوا تھا اس سلطنت میں غیر معمولی تمدنی ترقیاں ہوئیں جو سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں جو محمد قلی کا بھتیجا اور داماد تھا پایہ تکمیل کو پہنچیں اس طرح یہ سلطنت بہت اقبالمند ہو گئی۔ لیکن

نظام شاہی سلطنت کے جانے سے اسکو بہت نقصان پہنچا کیونکہ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کی بقا نظام شاہی سلطنت کے ساتھ وابستہ تھی۔اس لئے جب ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ءمیں آخرالذکر کا خاتمہ ہوگیاتو عادل شاہوں کے ساتھ قطب شاہوں پر آنچ آگئی چنانچہ ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ءمیں جب کہ سلطان محمد قطب شاہ کا کمسن بیٹا عبداللہ قطب شاہ تخت نشین تھا اس سلطنت کو مجبوراُ مغلوں کا حکمبر دار بنا پڑا عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ءمیں اس کا چھوٹا داماد ابوالحسن قطب شاہ تخت نشین ہوا کیونکہ مرحوم کا کوئی بیٹا زندہ نہیں تھا۔اگر چہ اس کا بڑا داماد سید احمد تخت کا دعویدار تھا لیکن ملک نے ابوالحسن کی تائید کی جو حکومت کا بہت اہل تھا۔اس نے مغلوں کے سیلاب کے مقابلے میں جو شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ آیا تھا اپنی سلطنت کو بچانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ بارا آور نہیں ہوئی بالآخر ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ءمیں اورنگ زیب کے ہاتھوں سے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ابوالحسن کو قلعہ دولت آباد میں قید کردیا گیا اس خاندان کے آٹھ بادشاہ گزرے ہیں۔قطب شاہی دور کے اس تاریخی وتہذیبی پس منظر کے بعد اب ہم اس دور میں تاریخ گوئی کی روایت کے ارتقاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

قطب مشتری :

قطب مشتری دکنی کی ایک دستان مثنوی ہے۔یہ گولکنڈے کی پہلی طبع زاد مثنوی ہے۔اس کے مصنف کا نام وجہی ہے۔

وجہی قطب شاہی دور کا بلند پایہ اور مشہور ومعروف شاعر اور ادیب ہے۔ملا وجہی ،مولانا وجہی کے نام سے مشہور ہوئے اور تخلص وجہی تھا اور وجہی ،وجیہ یا وجیہا بھی تخلص استعمال کیا ہے۔ملا وجہی نے نہ صرف نظم میں بلکہ نثر میں بھی اپنے قلم کا زور دکھایا ہے۔

گولکنڈے کے سلطان ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں ملا وجہی پیدا ہوا۔کہا جاتا ہے کہ اس کے آبا واجداد خراسان سے دکن آئے تھے اور یہیں کے ہو رہے۔وجہی کی تعلیم وتربیت قابل اساتذہ کے ہاتھوں ہوئی۔جب ابراہیم قطب شاہ کے بعد محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا تو ملا وجہی

دربار میں باریاب ہوا اور اپنی قابلیت اور علمیت کے سبب اس نے ملک الشعراء کا درجہ پایا۔اس دربار سے وابستہ دوسرے شعراء جیسے غواصی وغیرہ یہ اعزاز نہ پا سکے۔اس کی مشہور مثنوی ''قطب مشتری'' ہے جو ۱۰۱۸ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔اس مثنوی کا ہیرو محمد قلی قطب شاہ ہے۔وجہی کی تین کتابیں اب تک ہم دست ہوئی ہیں، یعنی شاعری میں 'قطب مشتری' اور نثر میں 'سب رس' اور تاج الحقائق۔

قطب مشری مثنوی ہے، اور سب رس نثر کی کتاب ہے ''سب رس'' اردو نثر کی پہلی داستان ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۰۴۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

وجہی کی مثنوی قطب مشتری کا سنہ تصنیف ۱۰۱۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں محفوظ ہے جس کا ذکر یورپ میں دکنی مخطوطات[۳۴] میں ہے۔

اس مثنوی کے سنہ تصنیف میں اختلاف ہے۔

مولوی عبدالحق نے اس کی تاریخ ۱۰۸۶ھ لکھ دی تھی لیکن ایک اور[۳۵] مضمون میں ۱۱۱۴ھ لکھی ہے جو ذیل کے شعر سے ماخوذ ہوتی ہے۔

یو بارھویں صدی میں یو قصہ تمام
جو چودا برس نہیں ہوئے تھے تمام

اس شعر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سنہ تصنیف صحیح نہیں ہے۔

نصیر الدین ہاشمی[۳۶] اور پروفیسر سیدہ جعفر[۳۷] نے ۱۰۱۸ھ میں لکھا ہے اور یہ صحیح سنہ تصنیف ہے جس کی وضاحت اس مثنوی کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

تمام اس کیا دیس بارہ منے
سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

وجہی نے قطب مشتری کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

سیف الملوک و بدیع الجمال :

سیف الملوک وبدیع الجمال ایک عشقیہ اور داستانی مثنوی ہے یہ غواصی کی تصنیف ہے۔ جس مصر کے شہزادے سیف الملوک اور جنوں کی شہزادی بدیع الجمال کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۳۵ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[8] اور یورپ میں دکنی مخطوطات[9] میں موجود ہیں۔

اس مثنوی کے سنہ تصنیف میں اختلاف ہے۔

سید بدھن نام کے ایک شخص نے اس کی تاریخ ۱۲۱۷ھ بتایا ہے جو درج ذیل شعر سے ظاہر ہے۔

کہ پس بارہ سو پر تھے سترہ برس
دیا عقل نے ہوش کوتب درس

برٹش میوزیم والے نسخہ سے ۱۰۲۵ھ ظاہر ہوتا ہے تاریخ کا شعر اس طرح ہے۔

برس یک ہزار ہور پنج بیس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں

مطبوعہ نسخہ سے ۱۰۲۷ھ ظاہر ہوتا ہے جس میں شعر اس طرح ہے۔

برس ایک ہزار ہور ستاویس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں

کیمبرج کے مخطوطہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے اور خود غواصی نے اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۳۵ھ بتایا ہے۔

برس ایک ہزار ھور پنج تیس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں

چونکہ ۱۰۳۵ھ میں عبداللہ قطب شاہ تخت نشین ہوگیا تھا اس لئے یہ سنہ صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

طوطی نامہ :

طوطی نامہ دکنی کی اہم مثنوی ہے۔اس کا مصنف غواصؔی ہے۔

طوطی نامہ گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کے آخری ملک الشعراء ملا غواصی کی آخری تصنیف ہے۔غواصی کو نہ صرف گولکنڈہ بلکہ دبستانِ دکن کا سب سے بڑا شاعر کہا جاسکتا ہے۔زبان و بیان کی صفائی ۔اسلوب کی دلکشی ۔مہارت فن اور اصناف سخن کے تنوع میں دکنی کے بہت کم شعراء اس کی برابری کر سکتے ہیں۔غواصی کی ابتدائی زندگی غربت وافلاس میں بسر ہوئی۔قطب شاہی سلطنت کے ساتویں حکمران عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں غواصی کو اس کا گوہرِ مقصود مل گیا یعنی شاہی دربار میں اس کی رسائی ہوگئی اور وہ بادشاہ کا معزز خاص اور ملک الشعراء بن گیا۔غواصی کے جس قدر بھی حالات دستیاب ہوئے انھیں مورخین نے تواریخ ادب میں اور غواصی کی تصانیف کے مرتبین نے اپنے مقدموں میں پیش کیا ہے ۔یہاں ان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔غواصی کے قلمی ارتسامات میں تین مثنویوں مینا ستونتی ،سیف الملوک وبدیع الجمال اور طوطی نامہ کے علاوہ غزلیات ،قصائد مراثی ۔مختصر مثنویات اور رباعیات پر مشتمل ایک کلیات بھی شامل ہے۔غواصی نہایت خوش نصیب ہے کہ اس کی تمام تصانیف مرتب وشائع ہوچکی ہیں۔

غواصی نے اپنی مثنویوں میں جو قصے پیش کیے ہیں وہ اس کے طبع زاد نہیں ہیں ۔مینا ستونتی اور طوطی نامہ کے قصے ہندوستانی ہیں اور سیف الملوک کا قصہ الف لیلیٰ سے ماخوذ ہے۔غواصی نے ان قصوں کی فارسی روایت کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔غواصی نے ان قصوں کو صرف ڈھانچہ مستعار لیا ہے۔ان

میں جزئیات وتفصیلات کی رنگ آمیزی اس نے اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیت اور قوت ذہنی سے کی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[۵۰] یورپ میں دکنی مخطوطات[۵۱] اور کتب خانہ سالار جنگ[۵۲] میں محفوظ ہیں۔

طوطی نامہ کی تصنیف کی تاریخ یکم رجب ۱۰۴۹ھ ہے۔ جس کا ذکر خود غواصی نے کیا ہے۔

تاریخ اور تعداد اشعار کا اظہار ان ابیات سے ہوتا ہے۔

ہوئی بخشش حضرت لئے جب مجھ مدد
دیا میں اسے تو رواج اس سنہ
برس یک ہزار ہور چالیس پہ نو
ہوئے تھے یو موتیاں پورویا ہوں تو
لطافت بھری مثنوی یوعجب
مرتب کیا خوش ہو پہلی رجب
جوابیات ہیں اس میں الف چہار
برابر میں لکھ بیت کے ہر چہار
عزیزاں کنے جم یو مقبول اچھو
حسوداں کی انکھیاں نمیں جوں دھول اچھو

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ غواصی نے یہ مثنوی ۱۰۴۹ھ میں لکھی اور اس میں ۱۰۰۴ اشعار ہیں۔

تحفتہ النصائح :

تحفۃ النصائح کے مصنف کا نام قطب رازی ہے۔

قطب نام اور رازیؔ تخلص ہے اس کے حالات اور کارناموں کا بہت کم پتہ چلتا ہے کسی تذکرے میں اس کے حالات نہیں ملتے۔ البتہ حکیم شمس اللہ قادری نے اس کا نام ملا قطبی لکھا ہے اور اس کو قطب شاہی دور کا شاعر بتایا ہے۔ ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ انھوں نے ۱۰۴۵ھ م ۱۶۳۵ء میں ''تحفۃ النصائح'' کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔

رازیؔ بیدر کے ایک بزرگ شاہ ابوالحسن قادری کا معتقد تھا جو حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے اور ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور آئے تھے۔ بادشاہ نے ان کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور بیجاپور کے عوام کے بے حد معتقد ہوئے تھے۔

اس کے دو قلمی نسخے ایک ادارۂ ادبیات اردو[۳] اور دوسرا کتب خانہ سالار جنگ[۴] میں موجود ہے۔

اس کتاب میں ۷۸۶ اشعار کا قصیدہ ہے جو اصل میں اسی نام کی ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب دراصل خواجہ یوسف کی تصنیف تحفۃ النصائح کا دکنی ترجمہ ہے۔ اس میں فقہ عقاید وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ اول قرآن شریف کی آیت یا حدیث لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد نظم میں اس کی تفصیل یا تشریح کی ہے۔ اشعار کی تعداد اور سنہ تصنیف کی وضاحت درج اشعار میں کی گئی ہے۔

بیتاں کہیا سب سات سو
اسی اوپر بھی چھے ادیک
چالیس پر بھی پانچ ہیں
باباں توں گن لے گیاں دھر
سب سات سو پانچ ہور نود

ہجرت نبی کے سال تھے
دسواں ربع آخر تھا
وقت صبحی دن تھا فجر
تحفہ اصل یو فارسی
سب ترجمہ دکھنی کیا
صاحب سو دنیا و دین کے
شہ بو الحسن فرمائے پر
بندیاں میں سب کمتر بندا
رازی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکھنی زبان
شہ کی رضا لے سیس دھر
بندا تو سب پر عیب ہے
جون شاہ بخشے عیب کوں
بندہ نوازی شاہ سوں
اوعیب ہوئے سب ہنر
ہجرت سوں دس سو سال ہور
چالیس پر بھی پانچ تھے
تب یو مرتب سب ہوا
تحفہ سو کہتے نام ور

قطب رازی نے تحفۃ النصائح کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ماہِ پیکر :

ماہِ پیکر کے مصنف کا نام احمد جنیدی ہے۔

اس کا نام شیخ احمد تھا اور ماہِ پیکر ۱۰۶۴ھ میں لکھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ اس نے شاعری ترک کرکے برہان پور میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ڈاکٹر زور کی رائے میں وہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا شاعر تھا اور علی اس کا نام تھا۔

احمد جنیدی کی مثنوی ماہِ پیکر کا سنہ تصنیف ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء ہے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں اس نے ماہِ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔جیسا کہ خود مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

نبی کی سو ہجرت کا یو تھا قرار
چہار سال تین بیس پر یک ہزار

۵۵

جنیدی نے ماہِ پیکر کے سنہ تصیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

پھول بن :

پھول بن دبستان گولکنڈہ کی اہم مثنوی ہے جو قصہ در قصہ کی تکنیک پر لکھی گئی ہے۔پھول بن کا مصنف ابنِ نشاطی ہے۔

ابنِ نشاطی کا پورا نام شیخ محمد مظہر الدین شیخ فخر الدین ابنِ نشاطی تھا۔ان کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی تھی لیکن سن پیدائش کی تحقیق نہ ہوسکی۔ ''پھول بن''مثنوی کے اختتام پر اس کا سن تصنیف درج ہے جو عیسوی ۱۶۵۵ء کے مطابق ہوتا ہے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابنِ نشاطی کی پیدائش ۱۶۱۵ء اور ۱۶۲۰ء کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔ابنِ نشاطی جو عبداللہ قطب شاہ کے دربار کا ایک معزز عہدہ دار بھی تھا، واقعہ نگاری اور نثر نویسی میں مشہور تھا۔شاعری میں اس کی ایک شاہ کار مثنوی''

پھول بن'' ہے جو کہا جاتا ہے کہ اس نے تین مہینوں میں مکمل کر لی تھی۔ ''پھول بن'' دراصل ایک قدیم فارسی قصے ''بساتین الانس'' مصنفہ احمد حسن دبیر عیدروسی کا دکنی زبان میں ترجمہ ہے جو ایک مثنوی کی صورت میں کیا گیا ہے۔ بساتین ایک فارسی زبان کا قصہ ہے جو لطافت کلام کا آئینہ دار ہے۔ اس باغ سخن کی باغبانی کر کے میں نے بساتین کی کہانی آپ کے لئے بیان کی ہے۔ ابنِ نشاطی نے ۱۷۴۴ اشعار کی اس مثنوی میں نہایت سلیقے سے اپنے شاعری کے جوہر دکھائے ہیں چاندنی رات، طلوع و غروب آفتاب اور باغ کے مناظر دلچسپ ہیں اور رزم و بزم کے نقشے بھی توازن کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ابنِ نشاطی نے قصہ در قصہ کہانی کے گھماؤ میں بھی فنی توازن برقرار رکھا ہے اور ہر مقام پر قصے کے مرکزی کردار اور قصے کی بنیادی اہمیت کا خیال رکھا ہے۔ مثنوی میں بہت سے کردار آتے ہیں اور ابنِ نشاطی نے ان کرداروں کے خد و خال اور انداز و ادا قابل ذکر انفرادیت کے ساتھ اس طرح سے ابھارے ہیں کہ کرداروں کا ایک نقش ذہن میں محفوظ رہ جاتا ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ١٠٧٦ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے یورپ میں دکنی مخطوطات[6] اور مخطوطاتِ انجمن ترقی اردو[7] میں محفوظ ہیں۔

یورپ کے مخطوطوں میں پھول بن کا سنہ تصنیف ١٠٦٦ھ بتایا گیا ہے۔ جو درج ذیل شعر سے واضح ہے۔

اتھا تاریخ لایا تو یو گلداد
اگیارہ سو کوں کم تھے تیں پر چار

نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے بھی ١٠٢٦ھ لکھا ہے (فہرست سالار جنگ ص ۵۹۰)

یہ دونوں سنین غلط ہیں۔

مثنوی ''پھول بن'' کے پہلے مرتب عبدالقادر سروری نے اس کا سنہ تصنیف ١٠٧٦ھ متعین کیا ہے مندرجہ ذیل شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اتھا تاریخ لایا تو یو گلزار

اگیارا سوں کوں کم تھے بیس پر چار

ابنِ نشاطی نے پھول بن کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

معراج نامہ:

معراج کے مصنف کا نام بلاقی ہے۔مثنوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلاقی ایک مذہب پرست انسان تھا۔اس کے حالات زندگی پردہ خفا میں ہیں۔شاعر کے بارے میں ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ وہ ''عبداللہ قطب شاہ کے مقربین میں سے تھا۔لیکن نصیرالدین ہاشمی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ''ان کو شاہی تقرب حاصل نہیں تھا۔اور جمیل جالبی بھی ان کے ہم خیال ہیں۔یہ قیاس غالباًاس لئے بھی کیا گیا ہے کہ گولکنڈے کا سلطانِ وقت عبداللہ قطب شاہ اثنائےعشری عقائد کا حامل تھا۔

بلاقی کی صرف دوشعری کاوشوں''معراج نامہ''اور''نورنامہ'' سے ہم روشناس ہوسکے ہیں۔اگر بلاقی نے دوسری مثنویاں بھی لکھی تھیں تو وہ ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔

معراج نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۶۵ھ ہے۔

دکن کے قدیم شعراء میں بلاقی کے علاوہ ہاشمی،سلطان،مختاراور فتاحی نے معراج نامہ لکھے ہیں۔دکنی معراج ناموں میں بلاقی کا معراج نامہ سب سے قدیم ہے لیکن یہ طبع زاد نہیں ہے بلکہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔

کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات میں اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۶ھ اور وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ میں ۱۰۶۴ھ درج کیا ہے۔یہ دونوں سنین غلط ہیں۔اس کا صحیح سنہ تصنیف ۱۰۶۵ھ خود مصنف نے درج ذیل ابیات میں بیان کی ہے۔

قصہ یہ ہوا سب خلق میں عجب

کیا چاند شش میں سو ماہِ رجب
ہزار ایک پنج شصت تھیں سال میں
سو اتوار کے روز خوش حال میں

بلاقی نے معراج نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بھرام و گل اندام :

بہرام وگل اندام کے مصنف کا نام طبعی ہے۔

طبعی کے نام اور اس کے مفصل حالات زندگی سے ہم نا واقف ہیں۔وہ حیدر آباد میں پیدا ہوا تھا۔طبعی سلطان عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ کا ہم عصر تھا۔نصیر الدین ہاشمی نے طبعی کو ابوالحسن تانا شاہ کا درباری شاعر بتایا ہے۔لیکن ڈاکٹر زور کا خیال ہے کہ اس کا دربار سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ابوالحسن تانا شاہ کا پیر بھائی ہونے کے باوجود طبعی درباری داری سے دور رہا اور اس کے دربار شاہی سے متوسل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مثنوی ''بہرام وگل اندام'' کی چند داخلی شہادتوں سے ہمیں طبعی کے متعلق بعض معلومات حاصل ہوتی ہیں۔وہ ابوالحسن تانا شاہ کا برادرِ طریقت تھا۔طبعی کو شاہ راجو حسینی قتال سے بڑی عقیدت تھی۔

مثنوی بہرام وگل اندام کا سنہ تصنیف ١٠٨١ھ/١٦٧٠ء ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ہیں جن میں ایک یورپ[20] میں اور دوسرا کتب خانہ آصفیہ[21] میں محفوظ ہیں۔

طبعی گولکنڈہ کا مشہور شاعر عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں موجود تھا۔اس مثنوی میں ایران کے بادشاہ بہرام گور کی داستان نظم کی گئی ہے۔اختتام پر تاریخ تصنیف بھی نظم کیا ہے۔

کیا ہوں میں چالیس دن میں کتاب

بہوت فکر کر رات دن بے حساب
یونامہ پڑیں گے تو بہر خدا
پڑو فاتحہ نام لیکر مرا
گنیا بیت بیتاں کوں میں رنگ جودل
ہزار اور ہے تین سو پر چہل
اتھا سال تاریخ کا خوب نیک
سنہ یکہزار اور ہشتاد ایک
یونامے کو طبعیؔ کیا ہے تمام
بحق محمد علیہ السلام

طبعی نے بہرام وگل اندام کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ ابو شحمہ :

قصہ ابوشحمہ کے مصنف کا نام اولیا ہے۔

قصہ ابوشحمہ کے شاعر کا نام اور بعض دیگر امور کے سلسلے میں ڈاکٹر زور غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ''اردو شہ پارے'' میں انھوں نے ''قصہ ابوشحمہ'' کوامین کا نتیجہ فکر قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس نے سولہ سال کی عمر میں اس مثنوی کو لکھنا شروع کیا تھا لیکن بد قسمتی سے وہ اس کام کو پورا نہ کر سکا اور ایک دوسرے شاعر نے یہ نظم پڑھی اور اس کی خصوصیات سے متاثر ہو کر اس نے اس کی تکمیل ۱۰۹۰ھ میں کی۔

ڈاکٹر زور کو یہاں تسامح ہوا ہے۔ شاعر نے واضح الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اس نے فارسی سے یہ قصہ اخذ کیا ہے اور اسے دکنی قالب میں پیش کر دیا ہے۔ فارسی کے اس شاعر نے سولہ سال کی عمر میں ''قصہ ابوشحمہ'' نظم کیا تھا۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۷ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے ہیں جو انجمن ترقی اردو پاکستان[۴۲] ادارۂ ادبیات اردو[۴۳] اور یورپ[۴۴] میں محفوظ ہیں۔

شاعر کا نام سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کا ذکر درج ذیل ہے۔

بھی اس نے انگے توں ہوا اولیا
قصہ مختصر بھوت موزوں کیا
ہزار ایک برس ھور نود سات میں
رجب کی ستاویں ویں رات میں
کہ توفیق خدانے منجے جب دیا
تدان یوقصا میں مرتب کیا

اولیا نے قصہ ابوشحمہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ تمیم انصاری :

قصہ تمیم انصاری کے مصنف کا نام کبیرؔ ہے۔

کبیر کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ وہ گولکنڈے کا شاعر تھا یا بیجاپور سے تعلق رکھتا تھا۔ مثنوی میں کوئی ایسی داخلی شہادت موجود نہیں جس سے شاعر کے حالات زندگی کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہوں۔

مثنوی میں تمیم انصاری کا وہی قصہ بیان کیا گیا ہے جو صنعتی نے "قصہ بے نظیر" میں بیان کیا تھا۔ کبیر نے یہی قصہ تقریباً پینتیس سال بعد دوبارہ نظم کیا ہے۔ بعض جزئیات سے قطع نظر، قصے کے آغاز واختتام، واقعات کے تسلسل اور ان کی پیش کشی کے انداز سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے صنعتی کی تقلید کی ہے۔ کبیر کی زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ طرز ادا میں روانی اور بے ساختگی پائی

جاتی ہے۔

اس مثنوی کے دو قلمی نسخے سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

قصہ تمیم انصاری کا سنہ تصنیف خود کبیر نے ۱۰۹۰ھ بتایا ہے۔

مرتب کیا میں یو قصہ سرس
تھا ہجرت ہزار ہور نود برس

کبیر نے قصہ تمیم انصاری کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ حسینی :

قصہ حسینی کے مصنف کا نام خواصؔ ہے۔

خواصؔ درویش صفت اور صوفی منش انسان تھا۔اس نے شاہ قادری سے بیعت وخلافت پائی تھی۔خواص گولکنڈہ کے آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کا شاعر ہے اس کے ہم عصر شعراء میں اولیاء، کبیر، محبؔ، غلام علی اور سیوک وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔خواص قطب شاہی دربار سے وابستہ نہیں تھا۔''قصہ حسینی''میں حمد ونعت کے بعد خلفائے راشدین کی منقبت ہے اور پھر شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح میں شعر کہے ہیں اور اس کے بعد خواجہ بندہ نواز کی توصیف وتعریف کی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ خواص کو خواجہ دکن سے خاص عقیدت تھی۔

اس قصہ کا سنہ تصنیف ۱۰۹۰ھ بابت ۱۶۷۹ء۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں محفوظ ہے۔

خواص ''قصہ حسینی'' کی تاریخ کے بارے میں کہتا ہے کہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ (بابت ۱۶۷۹ء) کو عصر کے وقت اس کی تکمیل ہوئی ہے۔

تھے ہجرت نود پر ہزار ایک سنہ
گذر کے نبیؐ مانا ھور ھنہ

خواص نے قصہ حسینی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

جنگ نامہ :

جنگ نامہ کا مصنف سیوک ہے۔

سیوا ک عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کا شاعر تھا۔اس کے نام اور حالات سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔اس نے سیوک تخلص اختیار کیا تھا۔سیوک کو اثنائے عشری عقائد کا حامل بتایا گیا ہے لیکن ''جنگ نامہ'' میں مدح صحابہ کی موجودگی کے باعث یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ سیوک غیر مسلم تھا لیکن اس سلسلے میں انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔اس میں ایک فرضی داستان منظوم کی گئی ہے جس کے ہیرو محمد بن حنیفہ ہیں۔اس کی تصنیف ۱۰۹۲ھ میں ہوئی ہے۔اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے۔ادارۂ ادبیات اردو اور کتب خانہ سالار جنگ میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔

اس کے دو قلمی نسخے یورپ ۱؎ میں اور ادارۂ ادبیات اردو ۲؎ میں محفوظ ہیں۔

یہ مثنوی سیوک نے ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۶۸۱ء میں مکمل کی تھی۔جیسا کہ خود اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

یو جنگ عظیما کیا سر بسر
اتھی تاریخ تدھاں جاں خیر البشر
یو سیوک تو ہجری کرے سال تھے
ہزار یک نود دو کے اپرال تھے

سیوک نے جنگ نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

رضوان شاہ و روح افزا :

رضوان شاہ و روح افزا کے مصنف کا نام فائز ہے۔

فائزؔ قطب شاہی دور کا شاعر ہے جو قطب شاہی خاندان کے آخری فرمانروا ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ م ۱۶۷۲ء-۱۰۹۸ھ م ۱۶۸۶ء) کے زمانے میں گولکنڈہ میں موجود تھا۔ فائزؔ کا نام معلوم نہیں جس کے سبب سے کسی مؤلف یا مصنف نے اس کی وضاحت نہیں کی۔

ڈاکٹر محمد علی اثر نے اپنی کتاب دکنی شاعری میں فائزؔ کی عرفیت محمد زماں تحریر کی ہے اور ۱۱۲/اشعار پر مشتمل ایک غیر مطبوعہ مرثیہ پیش کیا ہے۔ (ص ۱۵۳) چنانچہ کیفی چڑیا کوٹی نے یہ لکھ دیا کہ ''نام معلوم نہیں'' اس کے نام کے ساتھ حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زوال گولکنڈہ سے چار سال پہلے ایک مثنوی ''رضوان شاہ وروح افزاء'' لکھی تھی۔ مثنوی کی اندورنی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ ابتداً فارسی نثر میں تھا۔ جس کو فائزؔ نے اردو نظم کا جامہ پہنایا۔ مثنوی کا سال تصنیف سنہ ۱۰۹۴ھ م ۱۶۸۲ء ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ ہے۔

اس کے پانچ قلمی نسخے یورپ[1] ادارۂ ادبیات اردو[1] انجمن ترقی اردو پاکستان[1] کتب خانہ سالار جنگ[2] اور کتب خانہ آصفیہ[2] میں موجود ہیں۔

اس مثنوی میں رضوان شاہ بادشاہ چین اور روح افزاء پری کا قصہ نظمایا گیا ہے۔

تھا جس وقت سال ہجری ہزار
اوس اوپر نود اس کے اوپر چہار
کیا قصہ رضوان شہ کا تمام
نبی ہور ولی پر ہزاروں سلام

فائزؔ نے رضوان شاہ وروح افزاء کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ظفر نامہ :

ظفر نامہ کے مصنف کا نام لطیفؔ ہے۔

غلام علی کے علاوہ دکن میں اسی نام کا ایک اور شاعر گزرا ہے جس کا تعلق امرائے قزلباش سے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ قطب شاہی بادشاہوں کے دور میں غلام علی کے آبا واجداد حیدر آباد آئے ہوں گے۔ کیونکہ قطب شاہی خاندان کا تعلق بھی قرونیلو خاندان سے تھا۔

لطیف امامیہ مذہب کا پیرو تھا۔ جس کا ثبوت اس کی مثنوی سے بھی ملتا ہے مقام پیدائش حیدر آباد تھا اور شاعر کو حیدر آباد سے اپنی نسبت پر ناز تھا۔ وہ خود کو ''زادہ حیدر آباد'' کہتا ہے۔ غلام علی پیشہ ور شاعر نہیں سپاہی پیشہ انسان تھا۔ اور تفنن طبع کے طور پر شعر گوئی سے دلچسپی لیتا تھا۔ وہ بڑا زود گو شاعر تھا اس نے ایک سال کی مدت میں ساڑھے پانچ ہزار سے زائد اشعار کی مثنوی مکمل کر لی تھی۔

اس کی مثنوی ''ظفر نامہ'' ۱۰۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے، اس میں بھی جنگ نامہ کی طرح محمد بن حنیفہ کے متعلق ایک فرضی داستان ہے جس کی تفصیل اور اختلاف وغیرہ نصیر الدین ہاشمی کی تالیف موسومہ یورپ میں دکھنی مخطوطات سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ہیں جن میں ایک یورپ اور دوسرا ادارۂ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں۔

اسپرنگر اور اسٹوارٹ کی کیٹلاگوں میں یہ شریک نہیں ہے البتہ ڈی ٹاسی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ مثنوی میں تاریخ تصنیف متعدد جگہ لکھی گئی ہے۔ خود شاعر کہتا ہے۔

سنہ یک ہزار و نود پانچ پر
بنا کر مرتب کیا یو اچھر
ہزار و نود پانچ نا ہور ٹکر
نہ رہے لکیاں لعن تیرے اوپر

ہزار و نود پانچ میں باصواب
سب یو مثنوی ہوئی بختم کتاب

لطیف نے ظفر نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مفید الیقین :

مفید الیقین کے مصنف کا نام فتاحی ہے۔

محمد رفعتی نام اور فتاحی تخلص قطب شاہی دور کا شاعر ہے۔افسوس ہے کہ اس کے متعلق بھی تفصیلی معلومات ہمدست نہیں ہوئے ،البتہ اس قدر پایا جاتا ہے کہ فتاحی کو شاہی دربار سے تعلق نہیں تھا۔مذہبی شخص تھا ۔قادریہ طریق میں منسلک تھا ،اس کی دو مثنویاں ہمدست ہوئی ہیں ،ایک ''مفید الیقین'' سے موسوم ہے اور دوسری ''شعب ایمان'' ہے مفید الیقن میں آنحضرت صلعم کے مختصر حالات ،سراپا اور نور محمدی ،معجزات کا تذکرہ ہے یہ مثنوی ۱۰۹۵ھ میں مرتب ہوئی ہے۔اس کے دو قلمی نسخے سالار جنگ کے کتب خانہ میں ہیں دوسری مثنوی جو شعب ایمان سے موسوم ہے۔سنہ ۱۱۳۰ھ میں مرتب ہوئی ہے اس میں فقہ اور عقائد کے ایک سو مسئلے درج ہیں اس کا بھی ایک نسخہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مثنوی مفید الیقین کا سنہ تصنیف ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ہیں ایک اسٹیٹ سنٹرل لائبریری ۱۲ اور دوسرا کتب خانہ سالار جنگ ۱۳ میں محفوظ ہے۔

مثنوی میں اول حمد و نعت بلا کسی عنوان کے ہے اس کے بعد عنوانات کے ساتھ آنحضرت صلعم کے پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔مصنف کے تخلص کے اشعار اور تاریخ تصنیف۔

سو فتاحی میں بہوت گنہگار ہوں
جو امت میں تیری بہوت خوار ہوں

یو فتاحی تیرا کمینہ غلام
تیرے سو تجہ دل باندھیا ہے مدام
سو ہجرت کے بعد از برس یکہزار
نود ہور تھا پانچ کا بھی شمار
کیا خوش یہاں معجزا یو تمام
محمد فتاحی نبی کا غلام
مفیدالیقین نانو اس کا توں جان
موقف یقین کوں ہے بہوت اس سوں جان

فتاؔحی نے مفیدالیقین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

معجزہ حضرت فاطمہؓ:

معجزہ حضرت فاطمہؓ کا مصنف محبؔ ہے۔

یہ بھی قطب شاہی دور کا شاعر ہے۔بعض دوسرے شعراء کی طرح ہم اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں،اس کی ایک مثنوی جومعجزہ حضرت فاطمہؓ سے موسوم ہے،کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔اس مثنوی میں اس نے اپنے مرشد شاہ بڑے کی تعریف کی ہے اور سلطان ابوالحسن تاناشاہ کی مدح میں مثنوی میں موسود ہے،اس سے واضح ہوتا ہے کہ محبؔ گولکنڈہ کا شاعر ہے،مثنوی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت شاعر کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی پرورش اس کے بڑے بھائی نے کی تھی۔اس زمانہ کے رواج کے مطابق عشقیہ مثنوی نہ لکھ کر ایک مذہبی عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے یہ پایا جاتا ہے کہ محبؔ کو صوفی گھرانے سے تعلق تھا اور سلوک و باطن سے لگاؤ تھا۔روحانیت کی طرف طبیعت مائل تھی مثنوی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسی کو فارسی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۰۸۸ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ، ۸ےمیں محفوظ ہے۔

محبؔ ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کا شاعر ہے۔مثنوی میں شاعر نے تاریخ تصنیف کی نشاندہی کردی ہےاور کہتا ہے کہ میں نے ماہ صیام میں شب قدر کو یہ مثنوی تمام کی ہے۔

شب قدر ہور تھا وہ ماہ صیام
کیا ختم ترتیب سوں دو کلام
اتھے یک ہزار و اسّی آٹھ سال
دیا یار اس مثنوی کا نہال

محبؔ نے معجزہ حضرت فاطمہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ھدایت ھندی :

ہدایت ہندی کا مصنف شیخ داؤد ضعیفی ہے۔

ضعیفی بھی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں۔شیخ داؤدان کا نام تھا۔انھوں نے کئی کتابیں مذہبی موضوعات پر تصنیف کیں،لیکن فقہ کی کتاب ''ہدایات الھندی'' دکن میں بہت مقبول ہوئی۔اس مثنوی میں ضعیفی نے شریعت،طریقت،حقیقت وحدت اور معرفت کے فرق کو سمجھایا ہےاور قرآن واحادیث کی روشنی میں صراحت کی ہے کہ زبان وبیان میں واعظ کا سا انداز اور تمثیلی رنگ ملتا ہے۔اس کی زبان بھی عام بول چال کی زبان سے قریب ہونے کی وجہ سے صاف اور رواں ہے۔اس مثنوی میں عالمگیر فاتحہ دکن کی تعریف انہیں خیالات کا نتیجہ ہے۔یہ بھی پتہ نہیں کہ اس نے کب وفات پائی۔قیاساً اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ ۱۱۳۰ھ سے قبل انتقال کر چکا تھا۔

زوالِ قطب شاہی کے بعد انھوں نے مثنویاں لکھی ہیں۔

ضعیفی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ان کی قابلیت کی بین دلیل خود ان کی

تصانیف ہیں۔تین مثنویوں کا پتہ چلتا ہے یعنی ہدایت نامہ، عشق صادق اور نصیحت بدن۔عشق صادق میں ایک فرضی قصہ لکھا گیا ہے۔یہ مثنوی ۱۱۰۰ھ یا اس کے مابعد تصنیف ہوئی ہے اس مثنوی میں ہندی الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔خصوصاً عورتوں کی گفتگو جہاں آئی ہے وہاں اسی سے کام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کی زبان مردوں سے جدا تھی۔مثنوی سے مصنف کی اعلیٰ قابلیت کا بخوبی ثبوت ملتا ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں کا اس طرح سے ذکر کیا ہے کہ ان پر باوجود جھوٹ ہونے کے اصلیت کا شبہ ہوتا ہے۔

ہدایت ہندی ۱۱۰۱ھ میں مرتب ہوا ہے۔اس میں فقہ حنفی کے مذہبی عقاید اور قوانین معجزات وغیرہ بیان کیے ہیں۔

ہدایت نامہ کا سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[79] ادارۂ ادبیات اردو[80] اور اردوئے قدیم[81] میں محفوظ ہیں۔

یہ مثنوی دکن کی سرزمین کے ایک ایسے بزرگ کی تصنیف ہے جس نے گیارہویں صدی کے آخر میں شاعری شروع کی اس طرح ضعیفی کا زمانہ محمد قلی اور وجہی سے ۵۰-۶۰ سال بعد کا سمجھنا چاہئے۔

نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

"ضعیفی کی پرورش قطب شاہی دور کے
آخر میں ہوئی تھی"

اس مثنوی کے سنہ تصنیف میں اختلاف ہے۔

شمس اللہ قادری نے ضعیفی کی ہدایت ہندی کا سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ بتایا ہے جو ذیل کے شعر سے واضح ہوتا ہے۔

جو تاریخ ہجرت ہزار ایک سو بیچ

ہدایات ہندی ہوا یو توبیچ

اس شعر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سنہ تصنیف صحیح نہیں ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور نصیر الدین ہاشمی نے ۱۱۰۱ھ میں لکھا ہے اور یہ صحیح سنہ تصنیف ہے جس کی صراحت اس مثنوی کے درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

اگیارہ سو اس میں بھرے تھے تمام
اسی بیچ تمت کا دیکھا کلام
صدی بارھویں کا لگیا تھا برس
اسی بیچ باجیا یو دکھنی جرس
ولیکن شہنشاہ کے دہر میں
مبارک او ذی الحجہ کے شہر میں
اتھی سات تاریخ دن مشتری
یہ نسخہ مرتب ہوا خوشتری

ضعیفی نے ہدایت ہندی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

د: مغل دور : ۱۶۸۶ء سے ۱۷۵۰ء

بیجاپور اور گولکنڈے کے زوال کے بعد دکن میں شعر و ادب کی ترقی جمود کا شکار ہوگئی۔ دکن کا علاقوں مغلوں کے تسلط میں آ گیا۔ اس دور میں کوئی بڑا ادبی کارنامہ انجام نہیں دیا گیا۔ تاہم جو مثنویاں لکھی گئیں ان میں سے بعض میں تاریخ گوئی کے نمونے ملتے ہیں۔ لیکن ان پر نظر ڈالنے سے قبل دکن کے مغل دور کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔

گیارہویں صدی ہجری کے آخری دو چار سالوں (۱۶۸۵ء سے ۱۶۸۷ء تک) میں دکن ایک ایسے انقلاب سے دوچار ہوا جس نے اس سرزمین کی تہذیب و شائستگی اور علم و فضل کی بنیادیں

ہلا دیں۔ بیجاپور اور حیدرآباد اس انقلاب سے اتنے متاثر ہوئے کہ پچاس سال تک سنبھل نہ سکے۔ سکندر عادل شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ کی شکست اور قید کے بعد ان شہروں کی وہ مرکزیت ختم ہوگئی جو علم وفضل اور شعر وسخن کا گہوارہ ثابت ہوئی تھی۔ چنانچہ سب سے آخر میں حیدرآباد کے لٹنے اور اجڑنے کے بعد ہی سے ایسے شاعر اور ادیب یہاں سے نکل گئے جو قدر دانی کمال کی خاطر یہاں مقیم تھے۔ ان میں قاضی محمود بحری کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے جو گوگی کے رہنے والے ایک صوفی تھے۔ وہ اپنے وطن سے سنہ ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء میں بیجاپور پہنچے ہی تھے کہ اس شہر کا مغلوں نے محاصرہ کر لیا اور آخر کار وہ اجڑ گیا۔ اس کی تباہی کے بعد انھوں نے حیدرآبا کا رخ کیا لیکن ان کے قدم یہاں بھی منحوس ثابت ہوئے چنانچہ ان کے پہنچتے ہی مغل فوجیں حیدرآباد پہنچ گئیں اور اس کا بھی محاصرہ کر لیا جو آخر کار اس کی تباہی اور اجڑنے کا باعث ہوا۔

اس افراتفری میں بحریؔ اور نوریؔ جیسے نہ معلوم کتنے شاعر حیدرآباد سے نکل گئے اور کس مپرسی کے عالم میں روپوش ہو گئے۔ لیکن بہت شاعر ایسے بھی تھے جو اپنا وطن چھوڑ کر کہیں جا نہ سکتے تھے۔ انھوں نے اس تباہ شدہ شہر میں ہی اقامت اختیار کی اور اس کی اور اپنی بربادی پر آخر وقت تک آٹھ آٹھ آنسو روتے رہے اور چونکہ فتح دکن شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی اور ان کے کارندوں کی سیاست کے ڈر سے وہ اپنے جذبات وخیالات کو صاف صاف ظاہر نہیں کر سکتے تھے اس لئے مرثیہ گوئی کو اپنا شعار بنالیا اور اپنے غمزدہ دلوں کی بھڑاس حضرت امام حسینؓ اور شہدائے کربلا کے مرثیے کے لکھ لکھ کر نکالی۔ یہ واقعہ یہاں بطور خاص قابل ذکر ہے کہ اہل حیدرآباد اپنے محبوب بادشاہ ابوالحسن کے آٹھ ماہ تک محصور رہنے اور جرأت وشجاعت کے ساتھ مقابلہ کرنے اور اس کے شریفانہ عادات اور تصوف وعرفان سے لگاؤ کی بنا پر اس کو حضرت امام حسین مظلوم سے تشبیہ دینے لگے تھے۔ ذیل میں دکن کے مغلیہ دور میں لکھی گئی مثنویوں میں تاریخ گوئی کے نمونوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قصہ ملکہ :

قصہ ملکہ کے مصنف کا نام سید محمود ہے۔

دکن کے مجہول الاحوال دکنی شعراء میں محمودؔ بھی شامل ہے ۔نصیر الدین ہاشمی مولف ''دکن میں اردو'' کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس شاعر کا نام سید محمود اور تخلص محمودؔ تھا۔ وہ ایک مذہبی آدمی تھا۔ اسے خوندمیر شاہ سے بیعت حاصل تھی۔ سید موصوف نے اسے غالباً اپنی خلافت بھی عطا کی تھی۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب اس نے ایک فارسی قصہ پڑھا تو اپنے مرشد کی اجازت چاہی کہ اس کا ترجمہ دکنی زبان میں کرے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مرشد کی روحانی مدد کے بغیر یہ کام ان سے ختم نہ ہوگا۔ ایک اور مقام پر ہاشمی صاحب نے قیاس کیا ہے کہ محمود اعتقاداً مہدوی المسلک واقع ہوا تھا۔ محمود کی تصانیف میں اس کی مثنوی ''ملکہ مصر'' دکنی کی معروف مثنویوں میں سے ایک ہے۔

مثنوی ملکہ مصر کا قصہ محمود کا طبعزاد نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اصل ایک فارسی قصہ ہے جو نثر میں ہے۔ چنانچہ حمد و نعت کے بعد سبب تالیف کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف کہتا ہے کہ اس نے ایک دن از راہ ذوق اس فارسی قصے کا مطالعہ کیا۔ یہ قصہ اُسے اس قدر پسند خاطر ہوا کہ اس نے اپنے مرشد سے توفیق پا کر اسے فارسی سے دکنی میں منتقل کیا۔ محمود نے فارسی قصے کا سنہ تصنیف بھی بتایا ہے۔ اس کی صراحت کے مطابق فارسی قصہ ۱۱۰۰ھ میں معرض تصنیف میں آیا تھا۔ اس کا ذکر اس نے ذیل کے اشعار میں کیا ہے۔

مرتب ہوا یہاں سوں قصہ تمام
کہوں اب یو کس وقت پایا نظام
تھی تاریخ اگیارہ جو ماہ صفر
سو پنجشنبہ کا روز تھا نامور
سو ہجرت نبی سوں برس یک ہزار

بھی یک سو سو قصہ بولیا یاد گار

[۸۲]

محولہ اشعار میں محمود نے اپنے ماخذ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی کی ہے لیکن محققین نے اسے محمود کی مثنوی کا سنہ تصنیف سمجھا۔ چنانچہ عبدالقادر سروری[۸۳] نصیر الدین ہاشمی[۸۴] اور اکبر الدین صدیقی و ڈاکٹر محمد علی اثر[۸۵] نے محمود کی مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ بیان کیا ہے حالانکہ یہ اس فارسی قصے کا سنہ تصنیف ہے جس سے محمود کی مثنوی ماخوذ ہے۔

محمود کی مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے جب کی وضاحت اس نے مثنوی کے اختتام میں اس طرح کی ہے۔

تھی تاریخ نویں ماہ رمضان کی

اتھا روز شنبہ گھڑی نیک تھی

سنہ بارہ سو چھ اوپر (پر) کیا یو تمام

کہاہوں جو اس وقت پایا نظام

[۸۶]

اس سلسلے میں نصیر الدین ہاشمی سے ایک دلچسپ سہو سرزد ہوا ہے۔ "دکن میں اردو" میں انھوں نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کرتے ہوئے "ملکہ مصر" کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ درج کیا ہے لیکن اس کے اگلے ہی صفحہ پر وہ لکھتے ہیں کہ یہ قصہ جس فارسی کتاب سے ماخوذ ہے اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے[۸۷] حالانکہ فارسی کتاب کا سن تصنیف خود محمود کی وضاحت کے بموجب ۱۱۰۰ھ ہے۔

محمود نے قصہ ملکہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

فتح نامہ (ظفر نامہ) :

فتح نامہ کے مصنف کا نام محمود ہے۔

سید محمود نام اور محمود تخلص ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ مصنفین یورپ نے ان کی تصانیف کو عارف الدین خاں عاجزؔ سے ملا دیا ہے۔افسوس ہے کہ ہم پوری طرح ان کے حالات سے باخبر نہیں ہیں۔یہ معلوم ہوتا ہے وہ ایک مذہبی آدمی تھے۔سید خوند میر شاہ سے بیعت تھی۔غالباً ان سے خلافت بھی حاصل ہوئی تھی۔انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب اس نے ایک فارسی قصہ پڑھا تو اپنے مرشد کی اجازت چاہی کہ اس کا ترجمہ دکنی زبان میں کرے۔ان کا عقیدہ تھا کہ مرشد کی روحانی مدد کے بغیر یہ کام ان سے ختم نہ ہوگا۔

ان کی دو مثنویوں کا پتہ چلتا ہے۔ایک ''ظفر نامہ'' سے موسوم ہے اور ۱۲۰۴ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور دوسری ''ملکہ مصر'' ہے جو ۱۲۰۶ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ان کی تصنیف کے سنین خود مصنف نے بیان کیے ہیں۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔

محمود کی مثنوی فتح نامہ کا سنہ تصنیف ۱۲۰۴ھ ہے۔اول احمد ہے پھر نعت اس کے بعد چاروں خلفاء کی مدح پھر بی بی فاطمہ کی ستائش اس کے بعد نفس مضمون شروع کیا گیا ہے۔اختتام پر تاریخ تصنیف مصنف کے تخلص کی وضاحت کر دی ہے۔

ارے محمود رکھ اب جلد خامہ
توں کر اتمام زودی فتح نامہ
کیا اتمام جب یوشہ کا انجم
تو بارا سو پہ تھا سال چہارم
پڑو یاراں سگل صلواۃ اظفر
بروح پاک اوساقی کوثر
کیا مرقوم اس نامے کوں اتمام
پڑھو سب فاتحہ اے اہل اسلام

محمود نے فتح نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

علی نامہ :

یہ مثنوی مشہور دکنی شاعر نصرتی کی تصنیف "علی نامہ" سے الگ ہے۔علی نامہ کے مصنف کا نام شاہ عبدالعلی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے علی نامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔اس کا سنہ تصنیف ۱۱۰۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۸۹] میں محفوظ ہے۔

مصنف کے بیان کے مطابق یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔اختتام پر مصنف نے سنہ تصنیف اور دوسرے امور کی تشریح خود کردی ہے۔

بندہ شاہ عبدالعلی ہے ترا
گنہ بخش صاحب تو ہیگا مرا
اول فارسی تھا سو دکنی کیا
کرم کی نظر سے تیری بنا
تہا سنہ یک ہزار اور یک سو برس
اتہا اوسپہ یک برس اوس پہ سرس

شاہ عبدالعلی نے علی نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

وفات نامہ :

وفات نامہ کے مصنف کا نام دریاؔ ہے۔

یہ بھی مغل دور کا شاعر ہے۔حالات نامعلوم ہیں "وفات نامہ" اس کی تصنیف ہے جس میں ساڑھے تین سو سے زیادہ شعر ہیں۔۱۱۱۱ھ میں یہ مثنوی تصنیف ہوئی ہے۔

اس کے چار نسخے ادارۂ ادبیات اردو[۹۰]، انجمن ترقی اردو پاکستان[۹۱]، کتب خانہ آصفیہ[۹۲] اور کتب خانہ سالار جنگ[۹۳] میں محفوظ ہیں۔

اس مثنوی میں آنحضرتؐ کی وفات کا حال بیان کیا ہے۔ آپ کی بیماری سے ابتداء کیا ہے اور دفن پر مثنوی کو ختم کیا ہے۔ اختتام اور تاریخ تصنیف

ہوئی برساں اگیارہ سو پو گیا رہ
ہوا نسخہ یو ہجری بعد سارا
دیا توفیق اپنی فیض یارب
کیا اس بیت پر آخر مرتب

دریاؔ نے وفات نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نور نامہ :

نور نامہ کے مصنف کا نام شاہ عنایت ہے۔

گلزار آصفیہ اور تذکرہ اولیائے دکن میں ان کے حالات درج ہیں۔ صاحب گلزار لکھتے ہیں کہ یہ شمالی ہند کے باشندے تھے ٹاٹ کا جبہ پہنتے تھے اس لئے ٹاٹ شاہ کے عرف سے معروف تھے۔ سر پر کاغذ کی کلاہ اوڑھتے اور اس کے اوپر دستار کی طرح باریک ریسماں (ڈوری) لپٹتے تھے۔ انھیں شاہ کلیم اللہ مدنی سے ارادت تھی۔ علم ظاہری میں زیادہ دخل نہیں تھا۔ لیکن اسمائے الٰہی کے اسرار سے واقف تھے۔ اورنگ آباد آنے کے بعد فتوحات کا باب وا ہوا لیکن وہ مال کے جویا نہیں تھے جو کچھ آتا تقسیم کر دیتے۔

نور نامہ کا سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ ہے۔

اس کے چار قلمی نسخوں میں دو ادارۂ ادبیات اردو[۹۴] میں اور ایک ایک کتب خانہ آصفیہ[۹۵] اور کتب خانہ سالار جنگ[۹۶] میں محفوظ ہے۔

اس مثنوی میں آنحضرت صلعم کے نور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مصنف کے تخلص کی صراحت فارسی سے ترجمہ کرنے کی وضاحت اور تاریخ تصنیف کے اشعار۔

اتھی فارسی نورنامہ نثر
سو دکنی کیا شعر میں سر بسر
طبیعت نہ تھا کچھ مجے شعر کا
شعر کر کر بولوں وزن نظم کا
میرا پیر حضرت حسینی شاہ اہے
محی الدین کا خاص اولاد اہے
جہاں بیچ روشن ہے جیوں آفتاب
جو محبوب کا کوں رسالوں خطاب
مرتب کیا نور نامہ تمام
بحق محمد علیہ السلام
کہ ہجرت نبی تھے ہزار ایک صد
ایگیارا اتھے سال ہوا ہے یوتد

شاہ عنایت نے نور نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

روضتہ الشہدا :

روضتہ الشہدا کے مصنف کا نام ولی ویلوری ہے۔

میر ولی فیاض نام اور ولی تخلص تھا۔ ویلور علاقہ مدراس ان کا وطن تھا۔ اولاً سات گڈھ میں اقامت اختیار کی۔ فراست خاں صوبہ دار سات گڈھ کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد سدھوٹ آ کر قلعدار ان سدھوٹ کی سلک ملازمت میں دخل ہوئے، چٹ پٹہ ان کی جاگیر تھی۔ آخر زمانہ میں

اپنی جاگیر میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ ارکاٹ میں انتقال ہوا۔ محلّہ اسد پور میں مدفون ہیں۔ سنہ وفات معلوم نہیں مگر ۱۱۶۲ھ تک زندہ رہنے کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی کئی ایک مثنویوں کا پتہ چلتا ہے جن کی صراحت حسب ذیل ہے۔ روضتہ الشہدا، یہ ملا حسین واعظ الکاشفی کی فارسی ''روضتہ الشہدا'' کا ترجمہ ہے۔ یہ مثنوی دس مجلسوں میں منقسم ہے۔ جیسا کہ نام سے واضح ہے، اس میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا بیان ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ[۷] میں محفوظ ہے۔

ولی ویلوری کی مثنوی روضتہ الشہدا کا سنہ تصنیف ۱۱۳۰ھ ہے جس کی وضاحت مصنف نے اس طرح کی ہے۔

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال
اگیارہ سو اُوپر تھا تیسواں سال

ولی ویلوری نے روضتہ الشہدا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ شمعون :

قصہ شمعون کے مصنف کا نام حسین ہے۔ یہ مغل دور میں گزرا ہے۔ اس کے حالات پر بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کی ایک مثنوی ہمدست ہوئی ہے جو ۱۱۲۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ اس مثنوی کا نام ''قصہ شمعون'' ہے۔ اس میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند کا نام شمعون قرار دے کر داستان لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس کو عربی سے دکھنی میں ترجمہ کیا ہے۔

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۸] میں محفوظ ہے۔

پہلے حمد ہے اس کے بعد نعت اس کے بعد شاہ جیلانی کی مدح ہے۔ اس کے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ اختتام اور تعداد اشعار اور تاریخ تصنیف۔

ثواب واجر کا یہ قصہ ہے گنج

ہزار ایک سو بیت پرسی و پنج
اتھا اس عدد پر نبی کا وصال
ہوا یہ مرتب اوسی سن وسال
دوشنبہ کا تھا دن کیا ہوں تمام
بحق محمد علیہ السلام

حسینؔ نے قصہ شمعون کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کی ذریعہ ہے۔

مخزنِ عشق :

مخزن عشق کے مصنف کا نام وجدیؔ ہے جو مغل دور کے ایک باکمال شاعر تھے،ان کا نام وجیہہ الدین اور تخلص وجدیؔ تھا۔اگر چہ صوفی منش شاعر تھے۔مگر بالکلیہ صاحب عرفان نہیں تھے۔وہ دنیا کی رنگینیوں اور رومانی زندگی سے واقف تھے۔وجدیؔ ایک خوش حال،خوش فکر اور فارغ البال شاعر تھے۔ان کی شاعری سے اس زمانہ کے تمدن وتہذیب اور رسم ورواج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے کسی کی تعریف اور مدح میں اپنا زور قلم صرف نہیں کیا۔حکمت ان کا پیشہ تھا۔ان کی تین مثنویاں مشہور ہیں۔پنچھی باچھا،تحفہ عاشقاں اور مخزن عشق ،پنچھی باچھا شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے ۔اس کو ۱۱۳۱ھ میں وجدیؔ نے دکھنی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔اس مثنوی کے ۳۶۵۰ شعر ہیں۔وجدیؔ نے شیخ عطار کی مثنوی کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ بہت کچھ کمی وبیشی اور ترمیم کردی ہے،اس کو آزاد ترجمہ کہا جاسکتا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[99] میں موجود ہے۔

وجدی کی مثنوی مخزن عشق کا سنہ تصنیف ۱۱۴۴ھ ہے۔جس کی وضاحت تاریخ تصنیف اور مثنوی کے اختتام پر اس طرح کہا ہے۔

اگر تاریخ کا ہے دل منے عشق

کر ابجد سوں حساب مخزن عشق

نکال استے عدد وجدی کے تویلیں

رینگے تب اگیار سو چوالیس

وجدی نے مخزن عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ ذریعہ کی ہے۔

فقر نامہ :

فقر نامہ کے مصنف کا نام سید محمد عاشق ہے۔

اس کے متعلق بھی کوئی معلومات نہیں ہیں۔صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ شاہ عشق اللہ نام تھا اور شاہ نظام الدین ثانی اورنگ آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

شاہ نظام الدین کی وفات ۱۱۴۲ھ میں ہوئی۔ عاشق کی ایک تصنیف اشارت الغافلین ہے یہ ضخیم مثنوی ہے۔اخلاق اور تصوف کے مضامین اس میں منظوم کئے گئے ہیں۔

اس کا یک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

عاشق کی مثنوی فقر نامہ کا سنہ تصنیف ۱۱۶۹ھ ہے۔

جیسا کہ خود مصنف نے سنہ تصنیف بیان کیا ہے۔

اتھا گیارہ سو اوپر ساٹھا اور نو

ہوا تیار نامہ اُس وقت جو

عشق نے فقر نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ھ: آصفیہ دور : ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۴ء

اس خاندان کے بانی حضرت مغفرت ماب آصفجاہ الملک ہیں۔حضرت مغفرت ماب تو ہندوستان میں تو پیدا ہوئے تھے لیکن ان کے باپ دادا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں۔ملک ترکستان کے رہنے والے تھے اور اپنے علم وفضل وخاندانی وجاہت کی وجہ سے بہت ممتاز

تھے۔ دادا کا نام قلیچ خاں خواجہ عابد اور باپ کا نام غازی الدین خان فیروز جنگ تھا۔ یہ شاہجہاں کے آخری عہد میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور مغل سلطنت کے ملازم ہوئے تھے اورنگ زیب کے عہد میں انھوں نے بڑی خدمتیں انجام دیں۔ اول الذکر گولکنڈہ کے محاصرے میں فوت ہوئے اور حمایت ساگر کے قریب ان کا مزار ہے۔ ثانی الذکر نے بھی گولکنڈہ اور بیجاپور کے محاصرے میں بہت حصہ لیا تھا اور اس کے بعد دکن کے مختلف صوبوں کی گورنری کی اور دہلی میں دفن ہوئے۔ حضرت آصف جاہ ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ دادا کی جلیل القدر خدمات کا لحاظ کر کے شہنشاہ نے ان کو چین قلیچ خاں خطاب اور مختلف عہدے دیئے۔ چنانچہ شہنشاہ کے انتقال کے وقت یہ بیجاپور کے صوبیدار تھے۔ لیکن جب شہنشاہ کے انتقال کے بعد جو ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء میں ہوا تھا مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو مغفرت ماب نے دکن کی صوبیداری حاصل کر لی اور ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۴ء میں یہاں خودمختار ہو گئے ورنہ یہ بھی مرہٹوں کی تاخت وتاراج کا نشانہ بن جاتا اس طرح سلطنت آصفیہ کی مبارک اور خوش آیند تاسیس ہوئی جو مغل سلطنت کے ساتھ عین وفاداری تھی۔ حضرت مغفرت ماب نے تمام عمر ایک طرف مغل سلطنت کی مدد کی تو دوسری طرف مرہٹوں کی مزاحمتوں کا مقابلہ کر کے دکن کو بچا لیا۔

۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں مغفرت مآب کا انتقال ہوا۔ ان کی کئی بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے غازی الدینخاں ثانی ہیں جو دہلی میں تھے۔ دوسرے بیٹے ناصر جنگ اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ لیکن فرانسیسیوں کی سازش سے دو سال کے بعد ہی ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء میں مارے گئے۔ فرانسیسیوں نے ان کی جگہ ان کے بھانجے کو جن کا نام مظفر جنگ تھا دکن کا نواب بنایا تھا لیکن یہ بھی چند روز میں مارا گیا۔ اس کے بعد ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کو نظام بنایا گیا جس نے گیارہ سال دکن پر حکومت کی لیکن یہ حکومت کے اہل نہ تھے۔ ان سے سلطنت کو بہت نقصان پہنچا چنانچہ ملک میں فرانسیسی دخیل ہو گئے اور باہر سے مرہٹوں نے حملہ کر کے اس سلطنت کے بہت حصے دبا لیے۔ بالآخر ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں حضرت غفران مآب نواب نظام علی خاں نے ان کو نظر بند کر کے عنان حکومت

اپنے ہاتھوں میں لے لی۔غفران مآب نے ناصر پیچھے نقصانات کی تلافی کر دی بلکہ مرہٹوں اور بیرونی اقوام کا مقابلہ کر کے سلطنت آصفیہ کو بہت مضطوط کر دیا جو خدا کے فضل سے ابتک موجود ہے۔غفران مآب بہت زمانہ شناس اور باتدبیر حکمران تھے ان کے انتقال کے بعد ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۲ء میں حضرت مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر فائز سلطنت ہوئے جو پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔مغفرت منزل کی غیر معمولی شرافت سے بے وفا وزرانے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سلطنت کو نقصان پہنچایا ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء میں غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے جو بڑے مدبر تھے۔غفران منزل نے وزارت کے لیے مختار الملک جیسے لایق لوگوں کو منتخب کیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس عہد میں بہترین ترقیاں ہوئیں جو مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر کے عہد میں بھی جاری رہیں حضرت مغفرت مکان افضل الدولہ بہادر اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں بادشاہ ہوئے لیکن ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں یہ بے وقت فوت ہو گئے اور ان کے جانشین حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاںؒ بہت کمسن تھے جن کی عمر دو سال سے کچھ زیادہ نہ تھی۔تاہم ملک میں مختار الملک نواب رشید الدینخاں اور سر آسماں جاہ بہادر جیسی بڑی شخصیتیں موجود تھیں جنھوں نے سلطنت کی خاطر خواہ نگہداشت کی اور اس میں کوئی رخنہ بڑھنے نہیں دیا۔۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں حضرت غفران مکان کا انتقال ہوا تو موجودہ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ سریر آرائے سلطنت ہوئے یہ حیدر آباد زرین عہد ہے جس میں ملک کو اس قدر غیر معمولی ترقیاں حاصل ہوئی ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔آصف جاہی دور کے ابتدائی حصے میں جو مثنویاں لکھی گئیں ان میں دکنی کا پُٹ واضح ہے۔ذیل میں ان مثنویوں کے حوالے سے تاریخ گوئی کے ارتقاء کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

بو ستان خیال :

بوستان خیال کے مصنف کا نام سراؔج ہے۔

سراؔج اورنگ آبادی کا پورا نام سید سراج الدین تھا اور ان کا سلسلہ نسب خاندان مشائخ

حسینی سادات سے جا ملتا ہے۔ اورنگ آباد میں ان کے آباء واجداد سکونت پذیر تھے وہیں سراج بھی ۱۷۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ سارا ماحول صوفیانہ تھا، حال وقال کی مجلسوں کی گرما گرمی میں سراؔج نے پرورش پائی۔ انھوں نے خود اپنا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ سات برس کی عمر تک انھوں نے صرف ستر پوشی کی حد تک کپڑا پہنا اور سر وجسم برہنہ رکھا۔ جب یہ وقت گزر گیا تو دولت آباد کے ایک صوفی شاہ برہان الدین غریب کے آستانے پر اکثر جانے لگے اور ایک عجیب عالم بے خودی میں آستانے کا طواف کیا کرتے تھے۔ ایسی مستی کی حالات میں ان کی زبان پر فارسی اشعار موزوں ہو ہو کر آجاتے تھے جس میں عشق اور ماورائے عشق کے عالم کی باتیں ہوتی تھیں۔ چونکہ اشعار لکھے نہ جاسکے اس لیے ان کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے لیکن اس سے ان کی افتادِ طبع کا حال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لاشعوری طور پر شعر گوئی کی طرف مائل رہتی تھی۔ بعد کے حالات میں یہ ملتا ہے کہ جوانی کے عالم میں حضرت خواجہ سید شاہ عبدالرحمٰن چشتی (متوفی ۱۱۶۰ھ۔ ۱۷۴۷ء) کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ وہیں ان کے ایک برادر طریقت (پیر بھائی) عبدالرسول خاں کی فرمائش پر چار سال کے عرصہ میں مختلف اصناف سخن میں ۵ ہزار شعر صاف ستھری ریختہ (اردو) میں کہے جن کو صاحب فرمائش نے نہ صرف جمع کیا بلکہ کتابت کرواکے شائقین ادب کے ملاحظے کے لیے روانہ کیا اور یہی ان کا دیوان قرار پایا۔

انھوں نے ایک مثنوی ''بوستانِ خیال'' بھی لکھی ہے جس میں ایک ہزار سات اشعار ہیں جو ۱۱۷۳ھ۔ ۱۷۵۹ء میں مکمل ہوئی تھی۔

سراؔج اورنگ آبادی کی مثنوی بوستانِ خیال کا سنہ تصنیف ۱۱۶۰ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[۱۰۱]، انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۰۲] اور ایضاً[۱۰۳] میں محفوظ ہے۔

یہ مثنوی جس کا نام تاریخی ہے سراج اورنگ آبادی کی وفات سے ۱۷ سال قبل لکھی گئی ہے۔

خود مصنف نے سنہ تصنیف اور تعداد اشعار کا اظہار کیا ہے۔

کیا میں جب اس مثنوی کا خیال

تھے ہجری ہزار و صد و شعت سال
شمار اس کی ابیات کا جب کیا
تو ہجرت کے سن سے موافق ہوا
زبس اس میں ہے سیر گلشن مدام
رکھا ''بوستانِ خیال'' اس کا نام
عدد جب کہ اس نام کے آئے ہاتھ
مطابق ہوئے سال و ابیات سات

سراج نے بوستان خیال کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مصنف کا نام قادؔر ہے۔

دکن کے صف اول کے مرثیہ نگاروں میں قادر بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر زورؔ نے ان کا نام غلام قادر بتایا ہے لیکن میر حسن اور قائم نے اپنے تذکروں میں میر عبدالقادر لکھا ہے۔ ان تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق قادر حیدر آباد کے باشندے تھے۔ اوائل عمر ہی میں ان کا مزاج درویشی کی طرف مائل تھا۔ جب ان کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہوگئی تو انھوں نے شہر کے ایک شیخ طریقت جو شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولا دمیں تھے، کی خدمت میں حاضر ہوکر خرقہ ارادت پہن لیا۔ اہلِ دل اور اہلِ بصیرت واقع ہوئے تھے۔ اواخر عمر میں عزلت نشین ہوگئے اور ریاضت شاقہ میں اپنا وقت صرف کرنے لگے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ[۱۳] میں محفوظ ہے۔

قادر کے سنین ہائے ولادت و وفات کا پتہ نہ چل سکا البتہ ان کے ایک مرثیے کی داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۴۹ھ میں بقید حیات تھے۔ محولہ مرثیے میں ایک عجیب طریقے سے سنہ تصنیف کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

سن گیارہ سو اُوپر اُونچاس سال

سبز   بانا   قادرا   کا   لھو   میں   لال
ختم   کر   یو   مرثیہ   پایا   وصال
ہائے   کیا   غم   غم   پہ   غم   ہے   مستقیم
۱۰۵

قادر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

روضتہ الاطہار :

روضتہ الاطہار کے مصنف کا نام نوازش علی خاں شیدؔا ہے۔

نوازش علی خاں بہادر نام و خطاب اور شیدؔا تخلص تھا۔نواب نظام علی خاں کے میر سامان تھے۔میر نوازش علی خاں شیدا کے حالات ریاض حسینی مولفہ فتوت ہر قع سخن (جلد اول) اور دکن میں اردو میں درج ہیں۔شیدا کے سنین ولادت وفات کا ٹھیک طور پر علم نہیں ہو سکا۔البتہ میر سعادت علی رضوی نے قرائن سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ۱۱۴۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔اور ۱۲۱۰ھ کے قریب انتقال کیا۔

تذکرہ ریاض حسینی سے پتہ چلتا ہے کہ حیدر آباد شیدؔا کا مسکن و ماویٰ تھا۔آصفجاہ ثانی نواب میر نظام علی خاں بہادر کے عہد سلطنت میں شیدا خانسامانی یا بقول بعض میر سامان کے ممتاز عہدے پر فائز تھے۔آصفجاہ ثانی نے اورنگ آباد کے بجائے حیدر آباد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تو شیدؔا با دشاہی عاشور خانہ کے منتظم مقرر ہوئے۔یہ عاشور خانہ جسے محمد قلی قطب شاہ نے تعمیر کروایا تھا اورنگ زیب کی فتح کے بعد ویران ہو گیا تھا۔شیدؔا کی کوششوں سے اس کی مرمت و درستگی ہوئی۔عاشور خانے اور علم و مغفر کی نگرانی کے علاوہ شیدا نے حیدر آباد میں عزاداری و مرثیہ خوانی کی ترویج اور شعبۂ آثار کی حفاظت کے لئے سرگرم کوشش کی۔

ان کی تین ضخیم مثنویاں ہیں ان میں سے ایک ''اعجاز احمد'' نام آنحضرت کی سیرت ہے اور دوسری ''روضتہ الاطہار'' واقعات کربلا پر لکھی ہے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ ہے۔گلشن ایمان کے نام

سے تیسری مثنوی لکھی ہے، شیدا بڑے پرگوشاعر تھے۔ ان کی ضخیم مثنویوں سے ان کی پرگوئی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اعجاز احمد کی زبان کے بہ نسبت روضۃ الاطہار، کی زبان زیادہ صاف ہے اور اسلوب میں بھی روانی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان، میں موجود ہے۔

شیدا کی مثنوی روضۃ الاطہار کا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ ہے جس کو مصنف نے آخری باب میں بیان کیا گیا ہے

اگر ایام تیاری کے چاہو
عدد، نام علی لے کر نکالو
ہوا جب ختم یہ مضمون ماتم
کہا تاریخ ہاتف "مجلسِ غم"
۱۱۷۳ھ

کیا چا ہو تم آسانی سے ازبر
گیارہ سو برس تھے تب تہتر
ارے شیدا دعا پر اب زباں کھول
جناب حق میں اپنا مدعا بول

شیدا نے روضۃ الاطہار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری اور معنوی دونوں طریقوں سے کی ہے۔

انواع العلوم :

انواع العلوم کے مصنف کا نام عاصیؔ ہے۔

نورمحمد نام، عاصی تخلص ،برہان پور کے باشندہ تھے ۔ان کے باپ عالمگیر کے زمانہ میں کاشغر سے برہان پور آئے تھے ۔آصف جاہ اول کے ایک صوبہ دارنصیرالدولہ کی ملازمت اختیار کی۔ عاصی کی یہاں پیدائش ہوئی ۔کم عمری میں فارغ التحصیل ہو گئے۔شاعری شروع کی۔محمد علی تسلیم کی شاگردی اختیار کی۔نصیر الدولہ کی مدح میں جوقصیدہ کہااس کی بناء پر داروغہ قلمدان بنائے گئے۔ نصیرالدولہ کے انتقال پرراست آصف جاہ کی سرکار سے عاصی کا تعلق قائم ہوگیا۔اور پھر ناصر جنگ اور صلابت جنگ کے زمانہ میں بھی سرکارآصفیہ کے نمک خوارر ہے۔۱۱۷۵ھ میں انتقال ہوا۔چند مثنویاں تصنیف کیں جن میں سے خلاصۃ المعات اورانواع العلوم کا پتہ چلتا ہے۔

اس کاایک قلمی نسخہ یورپ میں دکھنی مخطوطات ۳۹ میں محفوظ ہے۔

جیسا کہ خودمصنف تاریخ تصنیف کااظہار کیا ہے۔

ہزار یکسو چوتالیس پہ دوہان ماہ آتے وہ صنم

ہجرت بعد پچھاں تون یہ رسالہ تم

عاصی نے انواع العلوم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ترجمہ شاہ نامہ :

ترجمہ شاہ نامہ کے مصنف کانام پیم چند ہے۔

لالہ پیم چند نام اور یہی تخلص کرتے تھے ۔پیم چند کے حالات کسی تذکرہ میں درج نہیں ہیں۔مثنوی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیوگڈھ (خاندیش) کے قلعدار برہان شاہ کے متوسل رہے۔شاہ نامہ کاترجمہ ۱۲۰۷ھ میں کیا۔پانچ سال کی مدت میں اس کومکمل کرنے کی وضاحت کی ہے۔

اس کاایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ ۴۰ میں موجود ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ ہے جس کی وضاحت مصنف نے اس طرح کی ہے۔

مجھے کچھ نہ لینا ہے کس کے کنے
مگر نام باقی رہے دور منے
ہجری کی تھی بارا سے اور سات
بنا پائے داستاں تھی کہن ....؟
برس پانچ کرکے مشقت تمام
شہر ناگ پور میں کیا اختتام

ہیم چند نے ترجمہ شاہ نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

داستان امیر حمزہ :

داستان امیر حمزہ کے مصنف کا نام ہیم چند ہے۔

اس داستان کا سنہ تصنیف ۱۲۱۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۰] میں محفوظ ہے۔

ہیم چند نے اس سے قبل دو کتابیں اور لکھی تھیں ،ان میں پہلی تصنیف کا نام ''گلبدن'' تھا۔اور دوسری کا شاہنامہ جو برہان شاہ کی فرمائش سے ۱۲۰۷ھ میں لکھنا شروع کیا تھا۔داستان امیر حمزہ کا سنہ تصنیف اس شعر سے واضح ہوتا ہے۔

ہوئی داستان ختم جس وقت پر
''اٹھارہ ،بارہ سے'' تھے سن ہجری

ہیم چند نے داستان امیر حمزہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گل صنوبر :

گل صنوبر کے مصنف کا نام احمد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے گل صنوبر کے نام سے ایک

مثنوی لکھی ہے۔ یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے۔

احمد کی مثنوی گل صنوبر کا سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں موجود ہے۔

مصنف کا تخلص احمد اور عاجز دونوں تھا۔ تمہید میں اس نے احمد تخلص دیا ہے۔ مثنوی کے خاتمے میں ایک شعر ہے جو اس کے سنہ تصنیف کی نشاندہی کرتا ہے۔

بود بر الف دوصد و گیارا
کہ ایں گنج بر خلق شد آشکارا

احمد نے گل صنوبر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

دیوان :

دیوان کے مصنف کا نام امتیاز ہے۔

لطف النساء بیگم نام اور امتیاز تخلص تھا۔ حیدر آباد وطن، ماں کا بچپن میں وفات ہوگئی اس لئے شاہی خاندان میں پرورش ہوئی۔ اسد علی خاں تمنا سے بیاہی گئی مگر جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ مذہبی شغف کے لحاظ سے شاہ عطاء اللہ کی مرید ہوئی اور حج سے مشرف ہوئی۔ اس کا دیوان ۱۲۱۲ھ میں مرتب ہوا ہے، اس میں اس نے اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ دیوان اس نے چھتیس سال کے سن میں مرتب کیا ہے۔ اس لیے اس کی پیدائش ۱۱۷۶ھ میں قرار پاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے وفات کا کوئی سنہ معلوم نہیں ہوا، اس کی ایک ضخیم مثنوی ''گلشن شعراء'' سے موسوم ہے اور اس کے آٹھ ہزار شعر ہیں۔ ان سے امتیاز کی پر گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ امتیاز کا دیوان اپنے عہد کی ایک اچھی تصویر پیش کرتا ہے۔ سماجی امور کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔

امتیاز کے دیوان کا سنہ تصنیف ۱۲۱۲ھ ہے دیوان کے اشعار کی تعداد اور تاریخ تصنیف کی

وضاحت خود مصنف نے کر دی ہے۔

مناقب قصائد مدح جو لکھا

مخمس وگر ریختہ جو ہوا

ہیں تعداد ابیات دیوان جو

ہوئے دو ہزار ساٹھ اور ایکسو

کیا سن ہجری کو میں جب عیاں

ہوئے ایکہزار دو سو پہ بارا ہے جاں

امتیاز نے دیوان کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

داستان نواب نظام علی خاں :

داستان نواب نظام علی خاں کے مصنف کا نام کمتر ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے نواب نظام علی خاں کے نام سے ایک داستان لکھی ہے۔

اس داستان کا سنہ تصنیف ۱۲۲۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[21] میں موجود ہے۔

کمتر تخلص ایک دکن کے شاعر تھے عہد آصفی میں اپنی شاعری کے باعث شہرت حاصل کی تاریخ سے دلچسپی تھی تذکرہ شعراء دکن عبدالجبار خان میں ان کا ذکر ہے۔

اختتام میں تاریخ تصنیف کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

یہ قصہ بنا ہے نجونِ جگر

بہت سا دلا یہ کمتر کو زر

جو گذرے جہاں سے وہ نیکو سیر

بہتّر برس کی تھی ادن کی عمر
یہ قصہ ہوا جب کہ تیار بن
تو بارہ سو ایکس تھے سال و دن

کمتر نے داستان نواب نظام علی خاں کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ایمان درپن :

ایمان درپن کے مصنف کا نام محمد علی شاہ الفتؔ ہے۔

محمد علی شاہ نام اور الفتؔ تخلص، مغل دور کے شاعر تھے۔ امامیہ مذہب کے پیرو تھے۔ عربی اور فارسی کی بڑی اچھی قابلیت تھی۔ کئی مثنویاں لکھی تھیں جن میں سے ''دین دیپک'' اور ''ایمان درپن'' اول الذکر مثنوی میں امامیہ عقائد کے پانچ اہم مسائل یعنی توحید، عدل، نبوت، امامت معاد حشر کی وضاحت کی گئی ہے اور آخر الذکر مثنوی میں ایک قصہ منظوم کیا گیا ہے۔

الفتؔ کی مثنوی ایمان درپن کا سنہ تصنیف ۱۱۷۷ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۱۳] اور ادارۂ ادبیات اردو[۱۱۴] میں موجود ہے۔

جیسا کہ خود مصنف کے درج ذیل تاریخی اشعار سے واضح ہوتا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۷۷ھ کی تصنیف ہے۔

کیا سال ہجرت جو میں تب بچار
ستہتر پو تھا ایک صد یک ہزار
جو منظوم تاریخ چاہوں یہاں
سب ایمان درپن سے روشن یہاں

الفتؔ نے ایمان درپن کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چمنستان برکات :

چمنستان برکات کے مصنف کا نام آفاقؔ ہے۔

آفاقؔ کے حالات کسی تذکرہ میں درج نہیں ہیں۔نصیرالدین ہاشمی،مولف دکن میں اردو کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس شاعر کا نام فریدالدین اور تخلص آفاقؔ تھا۔شمس الامراء کے ملازمین میں شامل تھے اور دو سو روپیہ ماہوار پاتے تھے۔

مثنوی چمنستان برکات کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

آفاقؔ کی یہ مثنوی غالباً وہی ہے جس کا ذکر پروفیسر زورؔ مرحوم نے گلدستہ کے نام سے کیا ہے۔

چشم دل سے سیر کر اے نیک نام
ہے یہ گلدستہ کرامت کا تمام
سنہ تھے بارہ سو یہ بست و ہفت جو
جب یہ گلدستہ بنا اے نیک خو
یہ وہ گلدستہ ہے اے عالی دماغ
دیکھ کر ہووے جسے دل باغ باغ

آفاقؔ نے چمنستان برکات کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چندربدن و مہیار :

چندر بدن و مہیار کے مصنف کا نام واقفؔ ہے۔

واقفؔ کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں۔اس نے قدیم شعراء کی تقلید میں ایک مثنوی لکھی ہے جو فارسی سے ترجمہ کی گئی ہے اس مثنوی کا نام ''چندر بدن و مہیار'' ہے۔اس کی تصنیف ۱۲۲۷ھ میں

ہوئی ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[16] اور کتب خانہ سالار جنگ[17] میں محفوظ ہیں۔

اس سے قبل چندر بدن ومہیار نام کی ایک مثنوی کا ذکر کیا جا چکا ہے وہ مرزا مقیمی کی تصنیف تھی۔زیرِ تبصرہ مثنوی کے مصنف کا تخلص واقفؔ ہے۔اس مثنوی میں اول حمد ہے۔اس کے بعد جلوۂ دویم کے عنوان سے مناجات لکھی ہے۔تیسرا جلوہ نعت میں ہے۔تاریخ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

سنہ ہجری سے دیکھا میں نے فی الحال
تھا بارہ سو پہ ستائیسواں سال

واقفؔ نے چندر بدن ومہیار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

دودھ ولیا :

دودھ ولیا کے مصنف کا نام عزیز اللہ ہمر نگؔ اورنگ آبادی ہے۔

عزیز اللہ نام اور ہمر نگؔ تخلص تھا۔والد کا نام میر عالم حسینی ہے اورنگ آباد کے باشندہ تھے۔ان کی حالات کسی تذکرہ میں نہیں ہیں۔ان کی ایک مثنوی جو''دودھ ولیا'' سے موسوم ہے۔ ۱۲۲۳ھ میں اس کی تصنیف ہوئی ہے۔اس مثنوی میں نصائح ہیں جو قرآنی آیات سے اخذ کی گئی ہیں۔

ہمرنگؔ نے اپنا اور اپنے والد کے وطن کا نام ایک اور تصنیف میں بھی ظاہر کیا ہے یہ فقہ کی منظوم کتاب ہے جو ۱۲۱۰ھ میں تصنیف ہوئی۔اس میں وہ اپنا نام عزیز الدین کے بدلے عزیز اللہ بتاتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ہمرنگؔ کو ان کے زمانے میں کافی شہرت حاصل تھی۔حکیم قدرت اللہ قاسمؔ اور اعظم الدولہ دونوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو[18] اور کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[19] میں موجود ہیں۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۲۳ھ ہے۔یہ ایک اصلاحی مثنوی ہے جس میں بے عمل علماء اور

جو دغرض مشائخین کی مذمت کی گئی ہے۔

آخر میں مصنف نے سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کا اظہار کیا ہے۔

چال دنیا سے گئی عرفان کی
فکر اب اس کو پڑی ایمان کی
اس زمانے میں جو ایمان سے کیا
سو بڑا وہ ساز وسامان سے گیا
بارہ سو تئیس سنہ ہجری تمام
تین سو تیرہ ہے بیتوں پر ختام

ہمرنگ نے دودہ ولیا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

فقہ منظوم :

فقہ منظوم کے مصنف کا نام ہمرنگ ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۴] میں موجود ہے۔

فقہ منظوم کے مصنف میر عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی ہیں۔مصنف نے بہ عنوان ''اکتفا نمودن بریں مسائل مختصرات'' جو چار ابیات لکھی ہیں۔ان میں سے ایک بیت میں سنہ تصنیف بھی بتا دیا ہے۔ابیات مذکورہ یہ ہیں۔

پس ہے یہ مختصر اگر ہو یاد
کر عمل عاقبت میں ہوگا شاد
عدد بیت اے مبارک فر
تین سو ہینگی اور پچاس اوپر

حق کے افضاں سے برائے عوام
مختصر سب ہوا یہ نظم تمام
سن تاریخ ہے (اے) خجستہ خصال
یک ہزار اور دو صد و دہ سال

ہمر نگ نے فقہ منظوم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ترجمہ منطق الطیر :

ترجمہ منطق الطیر کے مصنف کا نام آفاق ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے منطق الطیر کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔

اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان [۱۲] میں موجود ہے۔

یہ کتاب فارسی کی تصنیف منطق الطیر کا منظوم ترجمہ ہے جسے فریدالدین آفاق اور امیر بخش شہرت کی متحد کوششوں کا نتیجہ کہنا چاہئے۔

آفاق وشہرت دونوں بھائیوں نے ۱۶/ذی قعدہ ۱۲۲۷ھ کو ترجمہ کا آغاز کیا اور اسی سال میں ۱۶/ذی الحجہ کو اسے ختم کردیا۔اس کی تفصیل وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سولویں تاریخ ذی قعدہ کی تھی
جب یہ تصنیف اس کی میں آغاز کی
سولویں ذی الحجہ کو پھر تو وقت شام
ایک مہینے میں ہوئی یعنی تمام
سال ہجری پھر گئے جو میں نے سب
سن تھے بارہ سو پہ ستائیس جب

آفاق نے ترجمہ منطق الطیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گلستاں اردو منظوم :

گلستاں اردو منظوم کے مصنف کا نام آفاق ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں ۔اس نے گلستاں اردو منظوم کے نام سے لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۳۳ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[122] میں موجود ہے۔

یہ میر فرید الدین آفاق دہلوی کی ایک اور تصنیف ہے جو بصورت مخطوطا انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کی زینت ہے۔اسی سلسلے میں سنہ تصنیف کی طرف بھی رہنمائی کردی ہے

ہوئی نظم جب یہ بآئین ہے
تھے سنہ یک ہزار و دو صد سی وسہ

آفاق نے گلستاں اردو منظوم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

جوھر عشق :

جوہر عشق کے مصنف کا نام ملک محمود جوہر ہے۔

ملک محمود نام، جوہر تخلص ،بیگن پلی علاقہ کرنول وطن،مشاہیر نوائط سے تعلق تھا،صاحب علم و فن تھے۔کرنول کے والی کے مصاحبوں میں شامل تھے۔

آپ کا پورا خاندان یعنی فرزند غلام حسین گوہر تخلص ،پوتے غلام حیدر شہوار تخلص بھی شاعری کرتے تھے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[123] میں موجود ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۴۲ھ ہے۔

جوہرعشق ایک بہت طویل مثنوی ہے ۔اس میں تقریباً پانچ ہزار ابیات ہیں ۔غالباً اتنی طویل مثنوی حیدرآباد میں جوہر کے بعد کسی شاعر نے نہیں لکھی ۔آخری ابیات یہ ہیں جن میں نام اور سنہ تصنیف بھی درج ہے۔

وہ القصہ جوہرؔ یہ قصہ ہوا
بفضل پیمبر یہ قصہ ہوا
خدا دیوے سب کی بھی ایسی مراد
کہ برلایا ان کی ہے جیسی مراد
جو یہہ سال ہجری ہے اے دوستوں
ہزار و دوصد اور چہل پر ہیں دو

ملک محمود جوہرؔ نے جوہرعشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مردہ احوال :

مردہ احوال کے مصنف کا نام خاکی ہے۔

یہ رسالہ ابتدا سے ناقص ہے ۔خاتمہ میں شاعر نے گو اپنے تخلص اور سنہ تصنیف وغیرہ کا ذکر ضرور کیا ہے۔لیکن رسالہ کا صحیح نام نہیں دیا۔لیکن چونکہ اس میں وہ حالات بیان کیے گئے ہیں جو ایک انسان پر مرتے وقت طاری ہوتے ہیں۔اس لیے اس مثنوی کو یہ نام دیا گیا ہے۔

محبوب الزمن میں لکھا ہے: خاکی تخلص،حیدر بیگ نام بدخشانی الاصل ہے آپ کے بزرگ بدخشاں سے عالمگیری زمانہ میں وارد ہند ہوئے ۔بادشاہی لشکر میں ملازم ہوئے خاکی کی ولادت ہند میں ہوئی۔نشو ونما بھی ہند کی آب وہوا میں پایا۔بقدر ضرورت فارسی وعربی میں قابلیت حاصل کرنے کے بعد شعر گوئی کا شوق دل میں پیدا ہوا۔کبھی کبھی موزوں کرتے تھے ۔سپاہ پیشہ تھے ۔ہند سے نواب نظام علی خاں آصف جاہ کے زمانہ میں دکن میں وارد ہوئے محمد وفادار خاں داروغہ باورچی خانہ سرکار

فیض آثار بخشی بیگم صاحبہ کی خدمت میں ملازم ہوئے۔خاکی مذہب کے معاملہ میں کچھ سخت گیر سا لگتا ہے کیونکہ اس نے مردوں پر پھول چڑھانے، ان کا سوگ منانے اور ان کا نام لے کر رونے چلانے کو ناجائز قرار دیا ہے اسی طرح بعض اور بدعتوں کے خلاف بھی سخت تنبیہ کی ہے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۱۴۳] میں موجود ہے۔

مصنف نے نام اور تخلص کے علاوہ سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کی بھی نشاندہی کی ہے۔

بارہ سو یک سٹ درمیاں ہجری سنہ کے معتبر
شعبان دل افروز ماں پورا کیا قصہ نشر
تاریخ انتیسویں دن ایک شنبہ کا بڑا
کیتا تمام اس ماہ میں مجلس منیس اس کو بڑا
دو سو اور اسی بیت ہیں یاراں نصیحت کا بیاں
ظاہر کیا قرآن سیں اور ہے حدیثاں سیں عیاں

خاکی نے مردہ احوال کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

تحفتہ النساء :

تحفتہ النساء کے مصنف کا نام مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری ہے۔

باقر آگاہ مدراس کے یگانہ روزگار محقق عالم عربی فارسی اور اردو کے قادرالکلام سخنور ،زبردست انشا پرداز اور کثیرالتصانیف ادیب گزرے ہیں۔انھیں احادیث ،فقہ،تفسیر، منطق اور فلسفہ میں عبور حاصل تھا۔وہ عربی وفارسی کے علاوہ سنسکرت برج بھاشا تلیگو اور اروی زبان میں بھی مہارت رکھتے تھے۔باقر آگاہ نسباً قوم نوائط سے تعلق رکھتے تھے۔مذہباً شافعی اور مسلک کے اعتبار سے قادری تھے۔ان کے والد کا نام محمد مرتضیٰ تھا لیکن وہ محمد صاحب کے نام سے معروف تھے۔ڈاکٹر یوسف کوکن

نے آگاہ کے دادا کا نام محمد باقر بتایا ہے۔آگاہ کے ددھیال اور ننھیال کا وطن بیجاپور تھا۔بیجاپور کی تباہی کے بعد آگاہ کے والد نے ویلور میں توطن اختیار کیا اور یہیں ۱۴/محرم ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء کو آگاہ کی ولادت ہوئی۔سات برس کی عمر میں قرآن ختم کیا اور پھر اپنے چچا محمد حبیب اللہ سے جو نواب عبدالحی کے وہاں ملازم تھے فارسی کی کتب متداولہ گلستاں سے تحفۃ العراقین کی تحصیل کی۔اس کے بعد وہ ویلور کے مشہور صوفی سید شاہ ابوالحسن قربی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔قربی سے انھوں نے دیباچہ سکندر نامہ اور عنوان قران السعدین پڑھا۔۱۱۷۵ھ میں آگاہ کے چچا حبیب اللہ کو بسلسلہ ملازمت مظہرنگر (ترچناپلی) جانا پڑا تو آگاہ بھی ان کے ہمراہ ہو گئے اور وہاں کے ایک عالم مولوی ولی اللہ المتوفی ۱۲۰۵ھ کی خدمت میں "مصباح" قریب دو ثلث اور "ضو" ایک جزو کے قریب پڑھی۔مولوی صاحب مذکور کے اشارہ پر آگاہ نے رسمی تعلیم ختم کر کے مختلف موضوعات و مضامین کی مستند کتابوں کو بغور پڑھنا شروع کیا۔۱۴/ذی الحج ۱۲۲۰ھ میں آگاہ کا انتقال ہوا۔آگاہ نے متعدد مثنویاں لکھیں۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[125] یورپ[126] اور ادارۂ ادبیات اردو[127] میں محفوظ ہیں۔

اس مثنوی میں آگاہ نے آنحضرتؐ کے ازواج مطہرات اور بنات الطاہرات کے اوصاف اور فضائل و مناقب بیان کئے ہیں۔آٹھ سو ابیات پر مشتمل یہ مثنوی آگاہ نے ۱۱۸۵ھ میں مکمل کی۔ درج ابیات میں تعداد اشعار اور سن تصنیف کی وضاحت ہے۔

ہیں آٹھ سو اس کے جملہ ابیات
پڑھنے میں ہیں اس کے بھوت برکات
اگیارہ سو اُوپر تھے پنج وہشتاد
ہجرت سے بنا ہے تب یہ رکھ یاد

باقر آگاہ نے تحفۃ النساء کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

آرام دل :

یہ بھی مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری کی تصنیف ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[128] میں موجود ہے۔

درج ذیل اشعار سے اس کی تاریخ تصنیف اور تعداد ابیات کی وضاحت ہوتی ہے۔

کیا اس کی بیتوں کو میں جب عدد
ہوئے یک ہزار و پچاس و دو صد
ہزار اور یک سو پو ہشتاد و پنج
تھے ہجرت کے برساں ہوا تب یہ گنج

مثنوی من موھن :

من موہن مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری کی ایک اور تصنیف ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[129] ادارۂ ادبیات اردو[130] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[131] میں موجود ہے۔

یہ ایک مثنوی ہے جس میں حضور سرور کائناتﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری کی ہشت بہشت کا تیسرا حصّہ ہے۔ آخری حصّے میں سنہ اور تعداد ابیات ان ابیات میں بیان کی گئی ہے۔

شکر موں کوں باطن و ظاہر
کہ ہوا یہ رسالہ اب آخر

چہار دہ کم اتھے بارا سو
سال ہجرت سے یہ ہوا ہے نو
سب یہ ابیات اس کی بے تکرار
سات سو کے اُوپر ہیں سات اے یار

محبوب القلوب :

یہ باقر آگاہ کی ایک اور اہم مثنوی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے۔

اس کے چار قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۳۲] ادارۂ ادبیات اردو[۱۳۳] ایضاً[۱۳۴] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۳۵] میں موجود ہے۔

آگاہ نے اس مثنوی میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات وسوانح اخلاق وشمائل اور کمالات وکرامات کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب کا اصل ماخذ شیخ نورالدین علی سطونی شافعی کی تصنیف ''بہجتہ الاسرار'' ہے۔اس مثنوی میں گیارہ ابواب ہیں۔ ہر باب کو ''وصل'' کا اور ہر ذیلی باب کو ''جلوہ'' سے موسوم کیا گیا ہے۔عبدالقادر سروری نے اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔[۱۳۶] اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے جو ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

تھا ششم سال بارہ سو اُوپر جب
بہ قال خوش ہوا ہے یہ مرتب
ابیات سب اس کے اے دل آرا
بے ریب ہیں آٹھ سو اٹھارہ

تحفتہ الاحباب :

تحفتہ الاحباب کے مصنف بھی محمد باقر آگاہ ویلوری ہیں۔

آ گاہ نے اس مثنوی میں صحابہ کرام کے حالات وسوانح اور فضائل ومناقب بیان کئے ہیں۔ یہ مثنوی تین ہزار چار سو چھبیس اشعار پر مشتمل ہے اور آ گاہ کے نثری دیباچے سے مزین ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ ہے۔درج ذیل اشعار سے اس کی تاریخ تصنیف اور تعداد ابیات کی وضاحت ہوتی ہے۔

درسن یک الف و دوصد اور سات
فضل حق سے ختم پایا خوب دھات
ہیں گے سب ابیات اس کے بے گماں
چھ ہزار و چار سو چھبیس جان
[137]

ریاض الجنان :

ریاض الجنان کے مصنف مولوی محمد باقر آ گاہ ویلوری ہیں۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو[138] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[139] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔آ گاہ نے باب کے لئے روضۂ فصل کے لئے خیاباں اور فائدے کے لئے گلدستہ یا نفحہ کی سرخی استعمال کی ہے۔اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۲۰۷ھ اور اشعار کی تعداد ۳۰۹۹ ہے جس کی نشاندہی درج ذیل ابیات سے ہوتی ہے۔عبدالقادر سروری نے اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ بیان کیا ہے جو درست نہیں ہے۔[140]

جب تھے بارا سو اور سات برس
تب بنا ہے یہ نسخہ اقدس
ہیں گے ابیات اس کے تین ہزار
اور نود پہ نو بلا تکرار

فرائد در فوائد :

فرائد درفوائد کے مصنف بھی مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری ہیں۔

یہ مثنوی ایک ہزار پانچ سودس ابیات پر مشتمل ہے اوراس کا سن تصنیف ۱۲۱۰ھ ہے۔

ذیل کے اشعار میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

تمام ابیات اس کے ہیں جو سب رس
یک ہزار و پانصد و دس
تھے بارا سو پہ جب دس اے گرامی
بہ شہر صوم پایا ہے تمامی [۱۴۱]

ان اشعار میں مثنوی کے اشعار کی تعداد کے علاوہ نہ صرف مثنوی کا سنہ تصنیف (بارہ سو پہ دس: ۱۲۱۰) دیا گیا ہے بلکہ مہینے کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ ماہ صوم یعنی رمضان کے مہینے میں یہ مثنوی پایا تکمیل کو پہنچی۔

گلزار عشق :

مثنوی گلزار عشق بھی مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری کی تصنیف ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۴۲] میں موجود ہے۔

آگاہ نے اس مثنوی میں چین کے شہزادے رضوان شاہ اور روح افزا پری کے عشق کی داستان بیان کی ہے جیسے ان سے قبل قطب شاہی شاعر فائز نے اپنی مثنوی ''رضوان شاہ وروح افزا'' میں بیان کیا تھا۔

آگاہ خود سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کا اظہار کیا ہے۔

تھے جب یک ہزار اور نوکم دوسو

سنہ ۱۱۹۱ھ

بنا اس کا دیباچہ اے گرم رو
گزرے ہیں جب اس پہ اُنیس سال

۱۱۹۱+۱۹=۱۲۱۰

کیا اس کی بیتوں کو میں جب عدد
ہوئے سہ ہزار اور پانسو نو

۳۵۹۰

ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگاہ نے مثنوی کا دیباچہ سنہ ۱۱۹۱ھ میں لکھا اور اس کے اُنیس سال بعد اسے مکمل کیا۔ یہاں دیباچے سے مراد نثری دیباچہ نہیں بلکہ مثنوی کے وہ ابتدائی چھ سوابیات ہیں جن کا ذکر آگاہ نے نثری دیباچے میں کیا ہے۔ آگاہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رضوان شاہ وروح افزا کے عشق کے پردے میں عشق حقیقی کے مسائل اور شادی کے رسومات کے استعارے میں معرفت کے دقیق مسائل بیان کئے ہیں۔

صبح نو بہار عشق :

صبح نو بہار عشق کے مصنف کا نام مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری ہے۔

اس کا سنہ تصنیف سنہ ۱۲۱۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[143] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی ایک ہزار چار سو چہتر اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی تکمیل سنہ ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔

مثنوی کے ان اشعار سے تعداد اشعار اور تاریخ تکمیل کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ہوا ہے جب درخشاں یہ ستارا
تھے بارا سو کے اُوپر سال بارا

ہیں ابیات اس رسالے کی سراسر
یک الف و چار سو اوپر چھتر

ہاشمی صاحب نے اس کا سن تصنیف ۱۲۱۳ھ بتایا ہے۔[۱۴۴] جو درست نہیں ہے۔

ز :متفرق

تاریخ فیض عام :

تاریخ فیض عام کے مصنف کا نام محمد صالح ابوالحسن ہے۔

ان کے اجداد بوہرہ تھے لیکن ان کی دادا مہدوی عقیدے پر ایمان لے آئے۔ ان کا تعلق سید خوند میر کے دائرے سے تھا۔ وطن مالوف گجرات تھا لیکن میاں مصطفٰے پٹن میں قیام کرتے تھے۔ ان کی والدہ انھیں پیار سے 'خوب میاں' کے نام سے پکارتی تھیں جو گجرات کا مقبول نام ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۴۵] میں محفوظ ہیں۔

مثنوی فیض عام کے مطابق انھوں نے ۵۲ سال کی عمر میں ۹۸۴ھ میں انتقال کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ۹۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اشعار یہ ہیں۔

میاں مصطفٰے کی مبارک عمر
سو باون برس کی اتھی سر بسر
عدد سنہ ہجر کا بولو اتال
کہیں یونکہ نو سوای چار سال

ان اشعار کے ذریعہ سے میاں مصطفٰے گجراتی کے سن ولادت کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

خوب ترنگ :

خوب ترنگ کے مصنف کا نام شیخ خوب محمد چشتی ہے۔

حضرت شیخ خوب محمد شیخ کمال محمد سیتانی کے مرید تھے۔ وطن احمد آباد گجرات ہے۔ صاحب مرأت احمدی نے حضرت خوب کو صوفی کامل اور شاعر صاحب سخن کہا ہے۔

''درویش کامل و صاحب لسان و صاحب سخن بودند، در تصوف دست رسا داشتہ۔ ہر جام جہاں نما شرح نوشتہ، امواج خوبی و خوب ترنگ نیز از الیشاں یادگار و مشہور و معروف است۔''

خوب محمد نے بتاریخ ۲۴۔ شوال ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء میں وفات پائی۔ مسجد فرحت اللہ بیگ کے متصل بمقام چوک (خاصِ بازار) احمد آباد میں مدفون ہیں۔ خوب اچھے سے تاریخ وفات بر آمد ہوتی ہے۔

خوب محمد چشتی کی مثنوی خوب ترنگ کا سنہ تصنیف ۹۸۶ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو[12] میں موجود ہیں۔ مثنوی خوب ترنگ کی تاریخ ذیل کے اشعار میں درج کی گئی ہے۔

نسخے کی تاریخ اس ٹھانھ
پائے عدد ہر مصرع ٹھانھ
خوب محمد کئے بچار
چودہ گھاٹ اوس برس ہزار
دو جا چاند جو تھا شعبان
دیس دوشنبہ کیا بیان

خوب محمد چشتی نے خوب ترنگ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مولود نامہ :

مولود نامہ کے مصنف کا نام عبدالملک بھروچی ہے۔

مصنف نے اپنے وطن کے تذکرے میں حضرت شیخ احمد کاٹ (کھٹو) کی طرف خصوصیت

سے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ احمد کے معتقدین یا ان کے سلسلے کے مریدین میں سے تھا۔ اسی لئے ان کی یہ کرامت لکھتا ہے کہ وہ بھولے بھٹکوں کو جنگل میں مل کر راستہ دکھا دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات عجیب یہ ہے کہ مصنف نے اپنا وطن بھروچ لکھا ہے جو احمد آباد سے جانب جنوب ۷۵ کوس پر واقع ہے اور حضرت احمد کھٹو احمد آباد سے تقریباً چار کوس مغرب کی جانب قصبہ سرخس یا سرکھیج میں دفن ہیں۔ انھوں نے ۱۴/شوال ۸۴۹ھ میں وفات پائی۔ وہ اسی مقام پر رہتے تھے اور مسجد، تالاب اور مدرسہ وغیرہ بنوایا تھا ان کے بعد عالی شان گنبد اور خانقاہ وغیرہ کی تعمیر ہوئی (تاریخ اولیائے گجرات ترجمہ ابوظفر ندوی ص ۵۱ وص ۲۴۸) ممکن ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں سرخس کو ضلع بھروچ ہی میں شامل کرتے ہوں یا اس وقت بھروچی لوگ ان ہی کے زیادہ تر معتقد ہوں۔ اس لئے ان کو بھروچ سے مختص کر لیا گیا ہو۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۱] میں موجود ہے۔

مصنف نے خود اپنا نام، وطن، سنہ تصنیف اور کتاب کا نام آخری تین ابیات میں اس طرح واضح کر دیا ہے۔

عاجز غریب عبدالملک لیا یا محمد سوں پناہ
بخشے الٰہی توں اسے تیرے کرم سوں سب گناہ
میرا بھروچ ہے گا وطن جس جا گہ احمد کاٹ ہیں
بھولوں کے تیئں جنگل نہیں اکثر ملیں وے باٹ میں
نوے ہزار اُوپر لکھی تاریخ ہجرت کی جدھاں
اس سال اے مولود میں لکھ کر سنائے جگ مہاں

شیخ فیض اللہ :قصہ جمجمہ

قصہ جمجمہ کے مصنف کا نام مسکین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ جُجہ کے نام سے لکھا ہے۔

اس کا واحد مخطوطہ عبدالصمد خاں کے ذاتی ذخیرے اردو ریسرچ سینٹر حیدر آباد میں تھا۔

قصہ جُجہ (۱۰۹۲ھ) کا مصنف نجیب اشرف ندوی کے مطابق یہ گجراتی ہے۔

سب نے آپ خود ہوکر کہا (کذا)
گوجری میں مسکین عالم نے کہا
سنہ تصنیف اس مصرع سے ظاہر ہے
ایک ہزار اوپر ہوئے بانو برس

[۱۴۸]

قصہ زقوم بادشاہ :

قصہ زقوم بادشاہ کے مصنف کا نام داؤدشاہ خاکی وفاتی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ زقوم بادشاہ کے نام سے ایک جنگ نامہ لکھا ہے۔اس کا سنہ تصنیف ۱۰۹۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۱۴۹] میں موجود ہے۔

حمد ونعت اور مدح جیلانی کے بعد تالیف کا عنوان ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک دن خیال ہوا کہ دنیا میں یادگاری رکھی جائے۔اس لئے یہ جنگ نامہ لکھا گیا۔

مصنف کے نام تخلص اور تاریخ تصنیف کی وضاحت۔

میرا ناوں داؤدشاہ ہے اگرچہ لیک
تخلص ہے خاکی کاغزلاں میں دیک
شفا فتاحی کون دے بقاسوں

سدا دیوے اس اپنا لقا سوں
ہزار اُوپر نود دو اگل تھے سال
شمار اتنا رہے ہجرت کا حال
دعا سوں یاد فاتح کون کرتا
بندے کوں فاتحہ سوں نا بسرنا

قصہ بھوساس :

قصہ بہوساس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ ہے۔

اس کے ایک نسخے کا ذکر یورپ میں دکھنی مخطوطات[۱۵۰] میں موجود ہے۔

مثنوی کے مرتب ہونے کی وضاحت حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

زمانہ اتھے یو ایگیارا صدی
گئی نیک نیکی رہی ہے بدی

قصیدئہ معجزہ :

قصیدۂ معجزہ کے مصنف کا نام جنونی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصیدہ معجزہ کے نام سے ایک قصیدہ لکھا ہے۔اس قصیدہ کا سنہ تصنیف ۱۱۰۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو میں[۱۵۱] محفوظ ہے۔

جیسا کہ مصنف خود سنہ تصنیف کا اظہار کیا ہے۔

ماہ ربیع الاولین تاریخ تھی چو بیسویں
منگل کے دن گفتیم من از فضل ربّ دادگر

سنہ ایک ہزار اور ایک سو دو برس اُوپر در حساب
بو دست کرداِیں ختم درشہر گجرات اے پسر

قصہ لیلیٰ مجنوں :

قصہ لیلیٰ مجنوں کے مصنف کا نام عالم ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ لیلیٰ مجنوں کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۰۶ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[152] میں موجود ہے۔

اس مثنوی میں لیلیٰ مجنوں کا قصہ منظوم گیا گیا ہے۔پہلے حمد ونعت اور خلفاء راشدین کی مدح ہے۔اختتام اور تاریخ تصنیف کے اشعار درج ذیل ہیں۔

سن یکہزار ہور سو سال میں
ہوئے تھے چہ اس لئے براد آل میں
کیا ختم قصہ ہجرت کتیں
یو ہجرت ہوئی دیکھ حضرت کتیں
پڑھینگی یو قصہ کوں جو عاشقاں
دعا مجکوں مانگے گے تب عاشقاں
اولیلیٰ مجنوں کا قصہ کہا
ختم نظم لیلیٰ او مجنوں کیا

زینت قادری :

زینت قادری کے مصنف کا نام محی الدین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے زینت قادری کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو ۱۵۶میں موجود ہے۔

سببِ تالیف کتاب کے عنوان میں مصنف نے سنہ تالیف اور اپنا نام جن اشعار میں لکھا ہے وہ یہ ہیں۔

بعد ہجرت یک ہزار ویک صدوشش سال بود
آمدالہام اندرونِ دل یہ فالِ نیک تر
کایں قواعد راکہ ورترتیل قراں بو و نثر
بہ کہ آرائش وہم آں رابہ نظمے چوں دُرد
تا یہ طبع مبتدی خوش آید و خواند بہ شوق
می کندر کار محی الدین دعائے نیک تر

فقه هندی :

فقہ ہندی کے مصنف کا نام عبدالامین عبدیؔ ہے۔

عبدالامین نام اور تخلص عبدیؔ تھا۔مصنف کے وطن کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔اس نے بھی اپنی زبان کو ہندی لکھا ہے۔خصوصیات زبان کے لحاظ سے عبدی احمد نگر یا گجرات کا شاعر ہوگا۔ممکن ہے کہ عبدی کا دوسرا تخلص امین ہو کیوں کہ اس نام کا ایک گجراتی شاعر تقریباً اسی زمانے میں گزرا ہے جس نے اورنگ آباد میں عرصے تک قیام کیا تھا اور ۱۱۰۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا منظوم کی تھی جس کے نسخے پیرس اور لندن کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو ۱۵۶میں محفوظ ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں سنہ تصنیف کی بیت نہیں ہے لیکن فہرست مخطوطات میں ایک خانگی

نسخے سے تاریخ بیت یوں نقل کی گئی ہے۔

سن یک ہزار چوہتر میں بیچ رمضان
اورنگ زیب کے وقت میں نسخہ ہوا تمام

قافیہ غلط ہوگیا ہے اور اس طرح بیت غلط ہے۔

ادارے کے زیر نظر نسخے میں یہی بیت یوں درج ہے۔

سن ہزار چوہتر بیچ ماہِ رمضان تمام
اورنگ زیب کے دور میں نسخہ ہوا نظام

عبدیؔ نے فقہ ہندی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نور نامہ :

نورنامہ کے مصنف شاہ عنایت یا عنایت شاہ قادری حیدرآباد کے صوفی بزرگ تھے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۱۰ھ ہے۔

ڈاکٹر الف-د-نسیم نے نورنامہ کے موضوع کی یوں وضاحت کی ہے۔

نورنامہ کسی زبان یا زمانے میں لکھا گیا ہو اس کا بنیادی مضمون ان احادیث وروایات پر مبنی ہوتا ہے۔شاہ عنایت اس نورنامے کا سنہ تصنیف اس طرح واضح کیا ہے۔

زہجرت نبی کے ہزار ایک سال
بھی ایک صد اُپر دس اتھے بے مثال

۱۵۵

شاہ عنایت نے نورنامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کی ذریعہ کی ہے۔

نامئہ علی :

نامہ علی کے مصنف کا نام شاہ عبدالعلی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے نامۂ علی کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۱۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۹۶] میں موجود ہے۔

یہ ۲۰۲/ابیات کی مثنوی ہے جس میں شاہ عبدالعلی نے حضرت علی کا ایک دل چسپ معجزہ منظوم کیا ہے جو پہلے فارسی میں قلم بند ہو چکا ہے۔

سنہ ایک ہزار ایک سو دس برس
مرتب یو نامہ ہوا ہے سرس

ابلیس نامہ :

ابلیس نامہ کے مصنف کا نام کمین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ابلیس نامہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۱۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۹۷] میں موجود ہے۔

ابلیس نامہ مثنوی میں ایک داستان نظم کی گئی ہے جو آنحضرت صلعم سے شروع ہوئی ہے۔اس میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ اولاً عربی میں تھا۔عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوا اور فارسی سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔

عربی اتھا یو ہوا فارسی
نظر تن پہ یا مجکوں جوں آرسی
ہوا تب نظم یو دکھن سال میں

چمن آن موتی سئین تھال میں

دکنی ترجمے کی تکمیل کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

اگیارویں صدی پر برس باروان
چلاتھا زہجرت ہوئی بعدازاں

ابلیس نامہ :

ابلیس نامہ کے مصنف کا نام علا دل ہے۔

یہ بھی مغل دور کا شاعر ہے،اس کے حالات کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہے۔علاؤالدین ان کا نام تھا ان کی ایک مثنوی ''ابلیس نامہ'' ہے۔مثنوی میں ابلیس کا قصہ یعنی فرشتوں کو تعلیم دیا کرنا،آدم کو سجدہ نہ کرنا اور نافرمانی کی بدولت مردود قرار دینے کا حال نظم کیا گیا ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۱۳ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ جامعہ مسجد بمبئی[158] اور کتب خانہ سالار جنگ[159] میں موجود ہے۔

اختتامی اشعار میں سنہ تصنیف اور عربی سے فارسی میں قصے کو منتقل کرنے اور فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا تذکرہ ہے۔

ہووے فام یو خاص ہور عام کوں
ہوویں کچھ اجر کمتریں خام کوں
اگیارویں صدی پر برس تیرواں
چلیا تھا ہجرت ہوا بعد ازاں
ماہی ذی الحجہ تھی بست و ایک
ہوا ہے قصہ یو عجب نیک دیک

کیا یو علادل فقیر داستاں
چلی کوئی سینے پر رہے داستان

علاؔدل نے ابلیس نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گلشن حسن و دل :

گلشن حسن ودل کے مصنف کا نام شاہ ببراللہ تخلص مجرمیؔ ہے۔

ان کا اصل نام شاہ ببراللہ اور تخلص مجرمیؔ تھا۔گلشن حسن ودل میں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ قصہ حمید الدین سامانی کے روضے میں پایہ تکمیل کو پہنچایا۔چونکہ شیخ حمید الدین سامانی قادری کا روضہ بیجاپور میں واقع ہے اس نے اس داخلی شہادت سے مولوی عبدالحق نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مجرمی بیجاپور کے باشندے تھے۔مجرمی ایک مثنوی کا پتہ چلا ہے جو ''گلشن حسن ودل'' ہے۔اس میں انھوں نے شاہ حسن ذوقیؔ کی طرح قصہ حسن ودل کو نظم کے پیرایے میں بیان کیا ہے۔گولکنڈہ کے ملک الشعرا وجہیؔ کی شہرہ آفاق تصنیف سب رس (۱۰۴۵ھ) میں بھی یہی قصہ بیان گیا گیا ہے لیکن مجرمی کے پیش نظر وجہیؔ کی سب رس نہیں ہے بلکہ ان کا ماخذ اصل فارسی کتاب ''حسن ودل'' ہے۔

اصل قصے کا نام ''حسن ودل'' تھا مگر مجرمیؔ نے اپنی مثنوی کا نام ''گلشن حسن ودل'' رکھا مثنوی کی درج ذیل ابیات سے مترشح ہوتا ہے کہ مجرمیؔ نے یہ قصہ سید یوسف الحسنی کی فرمائش پر فارسی سے دکنی میں نظم کیا۔

مجرمیؔ کی ''گلشن حسن ودل'' ۱۱۱۴ھ کی جس کی نشاندہی انھوں نے مثنوی کے اختتام میں اس طرح کی ہے۔

یو بارویں صدی میں یو قصہ تمام
جو چودہ برس نہیں ہوئے تھے تمام

۱۲۰

مجرمی نے گلشن حسن ودل کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مثنوی فقه :

مثنوی فقہ کے مصنف کا نام سید محمد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے فقہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۳۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۲] میں محفوظ ہے۔

فقہی مسائل کی ایک میسوط کتاب ہے اس کے مصنف سید محمد نام کے ایک بزرگ ہیں جنھوں نے آخری باب میں اپنا وطن تہروت نام کے ایک گاؤں کو بتایا ہے۔مصنف نے اپنے نام تصنیف کے سنہ اور تاریخ کی تشریح ان تین بیتوں میں کی ہے۔

جو سید محمد اہے ناوں منجہ
وطن ہے سو تہروت کر گاؤں منجہ
سنہ یکہزار یک صد ری وو
اہے ناوتے دیک تاریخ یو
ربیع الاول کا مبارک شہر
تہی تاریخ گیارہ و روز قمر

روضته الشهداء مختصر :

روضتہ الشہداء کے مصنف کا نام حسینی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے روضتہ الشہدا کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۱۲] میں موجود ہے۔

اس مختصر روضۃ الشہداء کا لکھنے والا کون ہے کچھ معلوم نہیں۔ تمہید کے اشعار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بس یہ ہے کہ حسینی نے سنہ ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء میں روضۃ الشہداء کا ترجمہ دکھنی میں کیا تھا۔ حسینی نے اس مثنوی کے خاتمے میں اپنے تخلص اور سنہ تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے۔

ہوا جب راز حق مجھ پر ہوا یدا
کیا تب نظم اس نامہ کا پیدا
خدا کے فضل ہور اس کے کرم سوں
مرتب روضۃ الشہدا کیا ہوں
سنہ ہجری اتھی اس وقت اوپر
ایکیارہ سوپہ چھتیس سال اطہر
حسینی اول و آخر ہے اللہ
حسینی باطن وظاہر ہے اللہ

اگر ملا گیر :

اگر ملا گیر کے مصنف کا نام ولی ویلوری ہے۔

افسر صدیقی امروہوی اطلاع دیتے ہیں کہ ولی کی اس مثنوی کے دو قلمی نسخے کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں مخزونہ ہیں۔ کتب خانہ مذکور کی وضاحتی فہرست میں انھوں نے مصنف (ولی ویلوری) کے تعارف کے لئے ایک ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جس سے یہ تاثر جھلکتا ہے کہ انھوں نے یہ حالات مثنوی کی داخلی شہادتوں سے اخذ کئے ہیں اور بعد میں ان کی توثیق نصیر الدین ہاشمی کی فراہم کردہ معلومات کی ہے۔ اس مثنوی میں زمرد بادشاہ کے لڑکے اگر اور اس کے وزیر کی بیٹی

ملا گیر کا افسانۂ عشق نظم کیا گیا ہے۔

ولی نے روضۃ الشہدا ۱۱۳۷ھ میں لکھی۔اگر اس وقت ان کی عمر تیس سال کی مان لی جائے تو ۱۲۶۹ھ میں وہ ۱۶۲ سال کے ہوں گے۔اس قدر طویل مدت تک ان کا زندہ رہنا اور تصنیف و تالیف کا کام انجام دینا بعید از قیاس اور محال ہے۔افسر صدیقی راوی ہیں کہ مصنف نے اس مثنوی کی ابیات کی تعداد (۲۱۳۷) بتائی ہے۔ان کے بیان کے مطابق مذکورہ کتب خانے میں مخزونہ دو منجملہ ایک مخطوط ناقص الطرفین اور ناقص الاوسط ہے اور دوسرا مخطوطہ ناقص الطرفین ہے۔افسر صدیقی نے اس مثنوی کا سال ۱۲۶۹ھ بتایا ہے اور درج ذیل تاریخی شعر نقل کیا ہے۔

بھی گزری فکر جیوں تاریخ دل پر
وہ سن ہجری تھا بارہ سو انہتر

۱۶۳

طرفہ تعجب یہ ہے کہ آگے وہ اسی مثنوی کے نسخہ دوم کے تعارف میں کسی دلیل اور قرینے کے بغیر سال تصنیف ۱۲۱۰ھ اور ۱۲۱۶ھ کے درمیان ظاہر کرتے ہیں۔

راقم الحروف کے خیال میں اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۱۶۹ھ ہونا چاہئے۔نساخ نے سہواً کتابت سے گیارہ سو کو بارہ سو لکھ دیا ہوگا۔

ولی ویلوری نے اگر ملا گیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

تفسیر پارئہ عم منظوم :

تفسیر پارۂ عم منظوم کے مصنف کا نام حافظ بن عبداللہ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے تفسیر پارۂ عم منظوم کے نام سے لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۳۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۶۴] میں موجود ہے۔

یہ ناقص الطرفین تفسیر منظوم حافظ بن عبداللہ کی تصنیف ہے جو شیخ عالم بن حسن محمود آبادی کے مرید اور حافظ کلام اللہ تھے۔

مصنف نے سنہ تصنیف کا اظہار اس شعر میں کیا ہے جو سبب تصنیف کے آخر میں ہے۔

سنہ اگیارہ سو اور اڑتیس سال
زہجرت نبی تھے کہ پایا کمال

حافظ بن عبداللہ نے تفسیر پارۂ عم منظوم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

شوهر نامه :

شوہر نامہ کے مصنف کا نام صاؔبر ہے۔

قادر شریف نام اور صابر تخلص بنگلور وطن تھا۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں لکھنو کے دلگداز کے جواب میں رسالہ دلسوز نام بنگلور سے شائع کرتے تھے اس رسالہ میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں کی جنگ کے متعلق ایک ناول بھی ہوتا تھا۔ رسالہ دلسوز کے بعد اخبار بادصبا، اخبار نصیر، رسالہ تعلیم، رسالہ پنچ وغیرہ شائع کرتے رہے۔ صابر کو امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں دکھنی مخطوطات[۱۶۵] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف:

گیارا سو پچاس پہ اتھا سن چھٹا
چلا کر قلم کے ترنگ کو روتا

صاؔبر نے شوہر نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قادر نامه :

قادر نامہ کے مصنف کا نام سید محمد عاشق وحشی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قادر نامہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[26] میں موجود ہے۔

سید محمد عاشق نام وحشی تخلص ،ان کے مرشد کا نام نظام الدین تھا۔وحشی صوفی بزرگ تھے اور قادریہ طریقہ میں بیعت کی تھی۔

تاریخ تصنیف اور مثنوی کے نام کی وضاحت کی ہے۔

یونامہ سو عاشق نے بولیا جدید
سنو غوث کے سب یو طالب مرید
کیا بعد جمعہ کے شعر ختم
محرم اور دن تیس کوں بھم
پچاس اتھا سو گیارا اُوپر
کیا قادر نامہ کا آخر

وحشی نے قادر نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصه حضرت عمروشرع :

قصہ حضرت عمر کے مصنف کا نام عادل ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے حضرت عمرؓ کا قصہ لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۳ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ [۱۲۷] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی میں حمد و نعت کے بعد خلفائے راشدین کی مدح ہے پھر حضرت عمرؓ کا قصہ شروع کر دیا گیا۔

مصنف نے سنہ تصنیف کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

تجق چار یاراں شاہ غازی
تجھے ایمان کے دیں سر فرازی
سنے ہجری نبی کے حال بعداز
اے اگیارہ سو پوترپن سال بعداز

عادلؔ نے قصہ حضرت عمرؓ و شرع کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ بھرام و زھرہ :

قصہ بہرام و زہرہ کے مصنف کا نام صدیق ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے قصہ بہرام و زہرہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی [۱۲۸] میں محفوظ ہے۔

مصنف کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ خاتمہ کے دو شعروں سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا نام صدیق تھا اور سنہ گیارہ سو چوپن میں اس نے یہ مثنوی لکھی ہے۔

پڑھے سے اور لکھے سے ہو وے دل شاد
کچھو تم فاتحہ سے خیر کی یاد
برس گیارہ سو تھے اور چوپن

اتھا رمضان کا جو شہرا حسن

کیا صدیق اس قصے میں انجام

ببرکت سے نبی صاحب کے اتمام

صدیق نے قصہ بہرام وزہرہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

سوداگر کی بی بی :

سوداگر کی بی بی کے مصنف کا نام سید عبداللہ قیاسی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے سوداگر کی بی بی کے نام سے لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۶۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں دکھنی مخطوطات[۱۲۹] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف:

ہوئے سات سو بیت چودا پہ سات

مرتب ہوا ھے یو نقل بات

اتھا سن اگیارا سو چوسٹ دیہ سال

تیاریخ اگیارا اور ماہ شوال

سید عبداللہ قیاسی نے سوداگر کی بی بی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مثنوی عقد فاطمہ :

مثنوی عقد فاطمہ کے مصنف کا نام مخدوم حسینی ہے۔

اس کا ایک مخطوط انڈیا آفس لائبریری کا مخزونہ ہے۔نصیر الدین ہاشمی نے یورپ میں دکنی

مخطوطات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بلوم ہارٹ نے اس کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ فاطمہؓ اور علیؓ کی شادی کے حالات جو ایک عربی قصے سے اخذ کئے گئے ہیں مصنف "مخدوم حسینی" جس نے اپنے استاد حسنؔ کی مدد سے اس کو نظم کیا ہے۔ یہ نسخہ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ آخر میں اس نے سنہ تصنیف بھی لکھ دیا ہے جو ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء ہے۔

سنہ تصنیف اور شاعر کے تخلص کے اشعار درج ذیل ہیں۔

اگیارہ صدی پر تھے چوسٹھ برس
کیا نظم دکھنی ستے خوش مرس
عربی سوں تھا خوب اس کا بیاں
کھیا مختصر کھول میٹھی زباں

۱۷۰

مخدوم حسینی نے مثنوی عقد فاطمہؓ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

خزانہ عبادت :

خزانہ عبادت کے مصنف کا نام شاہ محمد حق نما ہے۔

سید شاہ محمد حق نما میسور کے ایک صوفی شاعر تھے۔ سید شاہ محمد حق نما نے اپنی مثنویوں خزانہ معرفت اور خزانہ عبادت میں اپنے والد کی عبادت و ریاضت اور مجاہدے و مراقبے کا حال لکھا ہے۔ ان مثنویوں کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ میراں ولی اللہ نے پا پیادہ حج کیا تھا یعنی پیدل حرمین شریفین گئے اور پیدل ہی واپس آئے۔ اس واقعہ کی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ حاجی حرمین شریفین لکھا جاتا ہے۔

شاہ محمد مصنف خزانہ عبادت راوی ہیں کہ ان کے والد شاہ میراں ولی اللہ بارھویں صدی کے اولیاء میں نہایت ممتاز ہیں۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ میراں شاہ ہمیشہ پہاڑوں میں معروف عبادت

رہتے یا جنگل بیابانوں میں ریاضت کیا کرتے تھے۔

پہاڑوں میں انزوا کرنے اور گوشہ نشین ہونے کے سبب انھیں جبلی یا منزدی الجبلین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ میراں ولی اللہ کے والد سید شاہ وزیر اللہ عرف عزیز اللہ حسینی نے الدور میں وطن اختیار کیا تھا اور وہیں ان کا مدفن بھی ہے۔ الدور کرناٹک کے ضلع چک منگلور میں واقع ہے۔ شاہ میراں ولی اللہ نے بھی کافی عرصہ وہاں گزارا اس لئے وہ الدوری بھی کہلاتے ہیں۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ [171] اور انجمن ترقی اردو پاکستان [172] میں محفوظ ہے۔

خزانہ عبادت یہ شاہ محمد حق نما کی ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اس میں فقہ حنفی کے مختلف مسائل کی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے۔ شاہ محمد نے یہ کتاب ۱۱۶۵ھ میں تصنیف کی۔

درج ذیل اشعار سے اس کے نام اور زمانہ تصنیف کی تعیین ہوتی ہے۔

کتاب یو بنیا تو جو جانو عزیز
سنہ ہجری ہزار اور یک سو پہ نیز
گزر جا کو پینسٹھ جو برساں سگل
لگا تیرا مہینا ربیع الاول
بنیا جب تو اسکوں دیا یوں خطاب
خزانہ عبادت ہزار کتاب

آخری شعر میں شاعر کا نام جو اس کا تخلص بھی تھا اس طرح لایا گیا ہے۔

کیا شاہ محمد نے تو یوں ختم
نبیؐ پر درود بھیج کرو دم بدم

تاریخ کی ابیات میں شاعر نے سنہ ہجری کی وضاحت کی ہے کہ ہزار اور ایک سو کو گزرے پینسٹھ برس ہوئے تھے یعنی ۱۱۶۵ھ جب یہ مثنوی مکمل ہوئی۔ سال کے علاوہ اس نے مہینے کا بھی ذکر

کیا ہے کہ ربیع الاول جو اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے اس میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔

خزانہ معرفت :

خزانہ معرفت کے مصنف کا نام شاہ محمد حق نما ہے۔

یہ بھی شاہ محمد حق نما کی ایک ضخیم مثنوی تصنیف ہے۔نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سنہ تصنیف ایک جگہہ مابعد ۱۱۵۰ھ[۱۷۳] اور دوسری جگہہ مابعد ۱۱۷۵ھ[۱۷۴] بتایا ہے۔لیکن خود اس مثنوی کی داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۱۸۱ھ کی تصنیف ہے۔ان اشعار میں مصنف نے یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ اس نے یہ کتاب سنہ مذکور سے چھ سات سال قبل شروع کر کے چھوڑ دی تھی۔اس سنہ میں لوگوں کے کہنے پر اس نے مکمل کیا چنانچہ کہتا ہے۔

نما یوں ہوا تو سنو خوب تر
سن ہجری ہزار ہو ایک سو اُپر
یکاسی کا بو جھو لگیا جب جو سال
ہوا تب کتاب یو جو میں کر کمال
و لیکن چھ سات برس اس کے آگے
شروع کر کو بھی چھوڑ دیا تھا اسے
یکاسی یہ سن جو لگیا جب تو یو
تمام کرنا کر کرکہے لوگ تو
انو کے کہے کو میں ناٹال کر
کتیک فصل بھی بول کیا مختصر

[۱۷۵]

شاہ محمد حق نما نے خزانہ معرفت کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

پُھل مالا :

پُھل مالا کے مصنف کا نام سلیمانؔ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے پُھل مالا کے نام سے ایک قصہ لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۸۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

مخطوط ہذا میں بھی تمیم انصاری کا قصہ نظم ہوا ہے اس کا نام مصنف نے پُھل مالا لکھا ہے۔

مصنف کا نام محمد سلیمان ہے یہ سلیمانؔ تخلص کرتا تھا اور خداوند ہادی کا مرید تھا۔سلیمانؔ نے یہ قصہ اپنے بھانجے محمد حامد کی فرمائش پر نظم کیا ہے۔

سنہ تصنیف کا اظہار ان اشعار میں اس طرح کیا ہے۔

کیا ابتدا جب یو قصہ کا حال
سنہ گیارہ سو پر اٹھتر تھا سال
اتھا ماہ رجب کا تاریخ یو
گنو سب ملا کر بھی پندرا پو دو

سلیمانؔ نے پھل مالا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مصنف کا نام شاہ تراب ہے۔

شاہ تراب کا اصل نام تراب علی تخلص تراب اور مرشد کی طرف سے دیا ہوا خطاب گنج الاسرار تھا۔عام طور پر وہ شاہ تراب کے نام سے معروف تھے۔شاہ تراب نے اپنی تصانیف میں تراب کے علاوہ ترابی اور بوترابی بھی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔

شاہ ترابؔ ایک صوفی خانوادے کے چشم و چراغ تھے ۔ان کے آباواجداد بھی صوفی اور

عشاق الٰہی تھے۔ان کے والد کا نام عبداللطیف خاں تھا۔وہ پشیتنی امیر،سخی وبلند حوصلہ انسان اور روشن ضمیر واقع ہوئے تھے۔انھوں نے اپنا دیوان ۱۱۷۰ھ میں مرتب کیا اور اس کے لئے انھیں ایک سال کا عرصہ لگا۔سال اور مدت تصنیف کی نشاندہی اس شعر سے ہوتی ہے۔

سن یک ہزار و یک صد وہفتاد تھا دیکھو
تصنیف جب کیا ہوں صفت ذوالجلال کی

اس شعر میں صرف سنہ تصنیف کی نشاندہی کی گئی ہے۔مدت تصنیف کی وضاحت نہیں ہے اس کا ذکر اسی غزل کے ایک اور شعر میں ملتا ہے جس کا حوالہ فاضل مرتب نے نہیں دیا۔مذکورہ شعر یہ ہے۔

دیوان ایک سال میں اتمام سب ہوا
تعریف میں نود برو ابر و ہلال کی

[۱۷۷]

ان اشعار کے حوالے سے ڈاکٹر سلطانہ بخش نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شاہ تراب نے ۱۱۷۰ھ میں دیوان مرتب کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اس کے معنی یہ ہیں کہ شاہ تراب ۱۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔

محی الدین نامہ :

محی الدین نامہ کے مصنف کا نام سیف الدین مرید شاہ مسکین ہے۔
اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے محی الدین نامہ لکھا ہے۔
شاہ مسکین کا رسالہ محی الدین نامہ کا سنہ تصنیف ۱۱۷۰ھ ہے۔
اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۱۷۸] میں موجود ہے۔
اس سے قبل ایک محی الدین نامہ مصنفہ افضل کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔یہ محی الدین

نامہ اس کے علاوہ ہے جس کے مصنف کا پتہ نہیں چلا۔خاتمہ سے دو ورق پہلے اس شعر سے کچھ پتہ چلتا ہے مگر یقینی نہیں۔

شاہ مسکین مرشد ہے ترا امام
سیف الدین ہوکر بتائے تمام

اس منظومہ کی تصنیف کے متعلقہ اشعار درج ذیل ہیں۔کسی فارسی رسالہ کو دکھنی میں منظوم کیا ہے۔

اتھا فارسی نظم دکھنی کیا
ہوی پیر دستگیر کی مجھ دعا
گیارا سو کے بعد از ستّر سال پر
مکرتیں اگلی سنو سر بسر

شاہ مسکین نے محی الدین نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گلزار وحدت :

گلزار وحدت کے مصنف کا نام شاہ ترابؔ ہے۔

یہ مثنوی (۵۴۸) اشعار اور چودہ حصوں پر مشتمل ہے۔اس کے ہر حصے کو گل کا نام دیا گیا ہے۔شاہ ترابؔ نے ہر گل کے آخر میں اپنے تخلص اور آنے والے حصے کے تعارف کا التزام کیا ہے۔اس میں انھوں نے عناصر خمسہ،اقسام نفس،نور احمد وحدت و کثرت وجود مطلق اور ہمہ اوست جیسے متصوفانہ مسائل ومباحث کی تشریح وتفہیم کی ہے۔

مثنوی کے آخری حصے میں انھوں نے اس کے نام اور تاریخ تصنیف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ان کے بیان کے مطابق اس مثنوی کا نام گلزار وحدت انھوں نے ہاتف کی آواز پر رکھا اور اس کا سنہ تصنیف ۱۱۷۲ھ ہے۔

مجھے نام رسالے کا فکر تھا
تمامی شب یہی دل میں ذکر تھا
دیا آواز ہاتف صبح اک بار
کہ ہے گلزار وحدت گنج الاسرار
یکایک جو سنیا ہاتف کا آواز
رکھا گلزار وحدت اسم نماز
ہزار ویک صدوہفتاد(د) سنہ سن
مرتب جب ہوا گلزار روشن

[۱۷۹]

شاہ تراب نے گلزار وحدت کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

وفات نامہ :

وفات نامہ کے مصنف کا نام غریب اللہ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے وفات نامہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۱۸۰] میں موجود ہے۔

اس مثنوی کا نام ''وفات نامہ'' ابتدا ہی میں لکھا ہے ''ایں وفات نامہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سنہ تصنیف گیارہ سو تہتر ہے اور مثنوی میں ساڑھے ساتھ سو شعر ہیں۔

سنہ ایگیارہ سو تھے اور تھوتر
لکھا ہے تب غریب اللہ نے بھیتر

ہیں ساڑھے سات سو بیتاں یہ پر غم
نبی کے غم سوں انکھیاں رو کردم

غریب اللہ نے وفات نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

فقہ المبین :

فقہ المبین کے مصنف کا نام یقین شاہ درویش ہے۔

تذکرہ اولیائے دکن میں شاہ درویش نامی ایک بزرگ کے حالات ملتے ہیں۔لکھا ہے آپ اولاد میں سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز کے ہیں،والد کے مرید وخلیفہ،فقہ کیمیاوعلم تصوف والد ہی سے حاصل کیا تھا۔تقوی وزہد میں مشہور تھے۔ہمیشہ گوشۂ تنہائی میں رہتے تھے۔مابین عصر ومغرب خانقاہ میں تشریف لاتے تھے۔کوئی حاجت مند طالب آتا تھاتو بہرہ یاب ہوجاتا تھا۔مزاج میں تیزی زیادہ تھی۔کئی رسائل تصوف دکھنی زبان میں لکھے ہیں۔مسائل صوفیہ کوخوب واضح طور سے بیان کیے ہیں۔آپ کے دوصاحبزادے ایک شاہ عبدالنبی عرف صاحب بادشاہ دوسرے شاہ ولی عرف پیراں صاحب تھے۔آپ کی وفات ۴/ جمادی الاول سنہ ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں واقع ہوئی،ممکن ہے یہی بزرگ فقہ المبین کے بھی مصنف ہوں۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ جامع مسجد بمبئی [181] اور انجمن ترقی اردو پاکستان [182] میں موجود ہے۔

یقین کے حالات تفصیل طور پر معلوم نہ ہوسکے۔کتاب میں کئی جگہ صرف اپنا تخلص یقین استعمال کیا ہے۔سنہ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

یقین فقہ المبین کوں کرتیں مختوم
بہ حق دیں پناہ و آل معصوم

صدو ہشتاد و دو ہور الف ہجرت
بہ تاریخ ہمایوں گشت تمت
اگیارہ سو برس اسی اُوپر دو
سنہ ہجری سوں گئے تھے تب بیاں یو

یقین شاہ درویش نے فقہ المبین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

انصار نامہ :

انصار نامہ کے مصنف کا نام مقصدؔ ہے۔

مقصدؔ کے کچھ حالات مخطوطہ ہذا سے معلوم ہوتے ہیں یعنی اس کا نام غلام علی اور اس کے باپ کا نام محمد غوث چشتی تھا۔ اس کے دولڑکے بھی تھے جن کا نام ندیم اللہ اور محمد غوث ثانی بتایا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۸۴ھ ہے۔

اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۸۳] میں موجود ہے۔

انصار نامہ میں حضرت تمیم انصاری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

سنہ تصنیف اور مصنف کے تخلص کا اظہار آخر کی ان اشعار میں کیا ہے

تھے گیارہ سو پہ چور اسی زیادہ
سنہ ہجری کیا جب میں ارادہ
مہ ذی قعدہ در عیدین اکرم
کیا روز جمعہ کو میں مختتم
کرے کوئی نامہ انصار کی سیر
پڑھے مقصدؔ کے اُوپر فاتحہ خیر

مقصدؔ نے انصار نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

منصور نامہ :

منصور نامہ کے مصنف کا نام فیاض ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے منصور نامہ کے نام سے ایک قصہ لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۱۸۴] میں موجود ہے۔

اس میں منصور کا قصہ نظم کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ عشق حقیقی کی بھی تفصیل کی گئی ہے۔تاریخ تصنیف کی وضاحت اور کتاب کا نام۔

کہا سو میں نے یہ نامہ گوہر سنج
اگیارا سو پر تھا ہشتاد پر پنج
عجب معجز ہے یہ منصور نامہ
قبولے عاشقاں منظور نامہ

شاہ نامہ محمد حنیف :

شاہ نامہ محمد حنیف کا نام شیرن ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے شاہ نامہ محمد حنیف کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۱۸۵] میں موجود ہے۔

شاہ نامہ کی تالیف کا سنہ بھی خود شیرن ہی نے منظوم کر دیا ہے۔

یہ شاہ نامہ ہوا یہاں سے مرتب

سُنیا تھا سو بیاں اس میں کیا سب
کہ گیارہ سو پوتھا سن یو پچاسی
یہ شاہ نامہ ہوا تھا روز وانسی

مندرجہ بالا تاریخی اشعار سے ظاہر ہے کہ شیرن نے مثنوی ''شاہ نامہ محمد حنیف'' ۱۱۸۵ھ میں تصنیف کی۔ اس نے یہ مثنوی ''وانسی'' یعنی اُناسی دنوں میں مکمل کی۔

ترجمہ سراج المومنین :

سراج المومنین کے مصنف کا نام حسین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے سراج المومنین کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۱۸۲] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی میں اول حمد و نعت ہے پھر چار یار کی منقبت اس کے بعد اپنے مرشد کی مدح پھر سبب تالیف اس کے بعد نفس مضمون شروع ہوتا ہے جو عقاید سے متعلق ہے۔

اگیارہ سو پر تھے آٹ ہور سات
کہ رمضان کی گیارھویں رات
ہوا ہے یو مرتب نسخہ دیں
پند یک کوئی کرینگی دیکو تحسین
درود پر کیا ہوں ختم نامہ
...... دل کا رکھیا ہوں یہاں میں خامہ

خاتمے کے ان اشعار میں مصنف مثنوی اس کے سنہ تصنیف کے اظہار کے لئے '' اگیارہ

سو پر آٹ ہور سات'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آٹ ہور سات کا مطلب آٹھ جمع سات نہیں بلکہ آٹھ دہائیاں اور سات اکائیاں یعنی ستاسی (۸۷) ہے۔ سنہ تصنیف کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ مثنوی ۱۱/ رمضان المبارک کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔

روضئہ صفا :

روضۂ صفا کے مصنف کا نام غوث جاآمی ہے۔

شاہ غوث جامی بھی ارکاٹ کے باشندے صوفی منش آدمی تھے افسوس ہے کہ کسی تذکرہ میں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے اس طرح آپ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف ریاض مسعود نام موجود ہے۔ یہ دراصل فارسی قصیص الانبیاء کا دکھنی ترجمہ ہے جو ۱۱۹۱ھ میں کیا گیا ہے اس مثنوی میں والا جاہ کی مدح بھی کی گئی ہے ممکن ہے والا جاہ ان کے معتقد بھی ہوں۔ ۱۲۲۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ معلّیٰ نے تاریخ نکالی ہے۔ مثنوی کے آخر میں انھوں نے اپنے نام اور وطن کی بھی وضاحت کی ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۱۸۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۱۸] میں موجود ہے۔

شاہ غوث جاآمی ارکاٹ کے صوفی واعظ اور شاعر تھے۔ اس کتاب کا سنہ تالیف بھی اس طرح لکھا ہے۔

اگیارہ سو اسی اُپر آٹ سال
وہ روضہ صفا بچہ گن کو نکال
کیا شہر رمضان میں اختتام
ستاویسویں شب کی تھی جبکہ شام

ان اشعار میں صوری تاریخ ۱۱۸۸ھ تو واضح ہے لیکن پہلے شعر کے مصرعہ ثانی ''روضہ صفا''

کے الفاظ بھی مادہ تاریخ معلوم ہوتے ہیں لیکن بحساب جمل ان ۱۱۸۲ کے اعداد بر آمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر چھے کم ہیں۔ یہ مثنوی ماہ رمضان کی ستائیسویں شب کو مکمل ہوئی۔

معراج نامہ :

معراج نامہ کے مصنف کا نام شاہ کمال ہے۔

شاہ کمال دکن کے ایک محقق، صوفی اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ان کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے البتہ نواب اعظم نے تذکرۂ صبح وطن میں چند سطور ان کے ترجمہ میں لکھی ہیں اور اپنے دوسرے تذکرہ گلزار اعظم میں یہی سطور دوبارہ نقل کردی ہیں۔

محمد سخاوت مرزا نے گلزار اعظم، خاندانی شجرے اور خاندانی روایات کی مدد سے شاہ کمال کی شخصیت اور شاعری پر ایک نہایت طویل اور مبسوط مقالہ رسالہ اردو بابتہ اپریل ۱۹۳۹ء میں شائع کیا تھا۔بعد کے بیشتر محققین کی معلومات کا ماخذ سخاوت مرزا کا یہی مضمون ہے۔شاہ کمال کا نام کمال الدین تھا۔تذکرۂ صبح وطن میں بھی ان کا یہی نام ملتا ہے۔کمال الدین کے علاوہ غالباً کمال اللہ بھی کہلاتے تھے۔

بلاقی کے معراج نامہ (۱۱۰۵ھ) کے جواب میں لکھی۔اس میں معراج کے واقعات کو موضوع بنایا ہے۔

شاہ کمال کا معراج نامہ (۲۷۲) اشعار پر محیط ہے۔اس کا سنہ تصنیف ۱۱۹۱ھ ہے جس کی صراحت مثنوی کے اختتامیہ میں اس طرح کی گئی ہے۔

قصہ کو تاہ اے رسول پیشوا
کر ہماری جملگی حاجت روا
یک ہزار و یک صد ونود پر ایک
سال میں پایا رقم یہ نامہ نیک

حق سے ہے واقع تحیات وسلام
بر نبیؐ وال اصحا بش تمام

۱۸۸ھ

شاہ کمال نے معراج نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مصنف کا نام قدر عالم ہے۔

شاہ قدر عالم سادات بخارا سے تعلق رکھتے ہیں۔قدیم زمانے میں ان کا خاندان بخارا سے نکل کر دکن میں مقیم ہو گیا تھا۔اس خاندان کی ایک شاخ نے سدھوت میں توطن اختیار کیا۔شاہ عالم قدر اسی شاخ کے ایک رکن تھے۔ان کے والد کا نام سید شاہ بدر عالم تھا۔وہ مختلف علوم میں کامل اور شریعت وطریقت کے جامع تھے۔قدر عالم کے استاذ مرشد بیعت بھی رہی تھے۔شاہ قدر عالم نواب عبدالکریم خاں ولد عبدالحمید خاں کے فرزند محفوظ کے استاد تھے۔انہی کی تعلیم وتربیت کی خاطر قدر عالم نے مذہب حنفی کی فقہ وعقائد پر مبنی ایک ضخیم مثنوی ''محفوظ خانی'' تصنیف کی جو دکنی زبان میں ہے۔اس مثنوی میں اول حمد ہے پھر نعت۔مدح خلفائے راشدین امان شریعت،مدح مرشد،مناجات اور سبب تالیف۔اس کے بعد مختلف ابواب کے تحت وضو،غسل،تیمم،نماز،روزہ،زکوۃ،حج اور فقہ کے دوسرے مسائل نظم کئے گئے ہیں۔

قدر عالم نے یہ فقہ ۱۱۹۹ھ میں لکھی۔اس نے دس جمادی الاول کو اس تصنیف کا آغاز کیا اور پندرہ شعبان کو اسے مکمل کیا۔گویا کہ صرف تین ماہ کی مدت میں انھوں نے یہ ضخیم مثنوی مرتب کی جس سے ان کی قادر الکلامی اور مشاقی کا پتہ چلتا ہے۔

فقہ محفوظ خانی جب کہ آغاز
وہم اول جمادی کے شروع ساز
اگیارہ سو نود ہور نوا تھے سن
مرتب کا کروں میں روز روشن

مرتب شب برات ماہ رمضان
اگیارہ سو نود ہور نو تھے برساں
جو ہجرت سوں نبیؐ خیرالوریٰ کے
لے تاریخ محمد مصطفٰے کے (کذا)

[189]

قادر عالم نے فقہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ بہرام و دل آرام :

قصہ بہرام ودل آرام کے مصنف کا نام محمد سعیدالدین خاں سعید ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ بہرام ودل آرام کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[190] میں موجود ہے۔

زیر نظر مثنوی میں اول حمد ونعت اس کے بعد علٰحدہ علٰحدہ خلفائے راشدین کی مدح اور پھر امام حسن وامام حسین کی مدح ہے۔آخری ابیات میں سنہ تصنیف کی صرحت کی گئی ہے۔

ہوئی یہ ہفت کاخ دیر بنیاد
بتوفیق خداور حیدرآباد
اگر پوچھے کوئی تاریخ فی الحال
ہزار ویک صد و ہشتاد نہ سال
سنہ ہجری رسول انس و جاں کی
وہ ہے پیغمبر آخر زماں کی

محمد سعیدالدین خاں سعید نے قصہ بہرام ودل آرام کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ

کے ذریعہ کی ہے۔

ریاض الطاہرین (حادثات کربلا) :

ریاض الطاہرین کے مصنف کا نام سید میر ولی خاں مونس۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ریاض الطاہرین کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۱۹۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[19] میں موجود ہے۔

یہ کتاب ملا حسین کاشفی کی روضتہ الشہدا کا ترجمہ ہے جس کا ترجمہ اول ولی ویلوری نے کیا تھا اس کے بعد مونس نے ترجمہ کیا ہے۔تاریخ تصنیف کی وضاحت اسطرح کی ہے۔

پھر ہوا تاریخ کا الہام عام
مجلساں ماتم کتیں پائیں انصرام
اور اس تاریخ کا سن لیو بیان
ہوئے آسانی سے قائم یہ عیاں
سن اگیارہ سوپچ نود ہے تمام
جب یہ پایا نامہ غم اختتام

نادِعلی :

نادِعلی کے مصنف کا نام شاہ علی ہے۔

مصنف کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔یہ مثنوی ’’لگن عشق‘‘ اور ’’رسالہ شریف‘‘ نامی دو مثنویوں کے ساتھ مجلّہ ہے۔لگن عشق کے مصنف احمد علی شاہ قادری اور رسالہ شریف کے مصنف شریف علی شاہ قادری ہیں۔ان تینوں مثنویوں کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں کے مرشد

ایک ہیں۔اوران کا نام ابراہیم علی شاہ قادری ہے۔انھوں نے ''نادعلی'' کو اپنی تمام رشد وہدایت کا سر چشمہ قرار دیا ہے۔نادعلی ایک مشہور دعا کا نام ہے جسے اکثر زہرمہرے یا چاندی کے پترے پر کھود کر بچوں کے گلے میں ڈالا کرتے ہیں۔اسی وجہ سے صرف زہرمہرے کی تختی کو بھی جو گلے میں ڈالنے کے واسطے بنائی جاتی ہے نادعلی کہنے لگے۔(ف۔آ) لیکن شاعر کی مراد یہاں نادعلی سے شاید خود اس کے اپنے پیر ابراہیم علی شاہ ہیں۔

نادِعلی مسئلہ توحید کے بیان سے متعلق ہے جس میں زیادہ تر قرآنی آیات واحادیث کا ترجمہ کیا گیا ہے اور عناصر خمسہ کے باطنی پہلوؤں سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام کائنات کا مرکز توحید باری تعالیٰ ہے اور اس توحید کا صحیح ذوق حاصل کرنے کے لیے کسی مرشد کے ہاتھوں بیعت کرنا ضروری ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۹۱] میں موجود ہے۔

خاتمہ میں سنہ تصنیف موضوع ،تعداد ابیات نام ومقام تصنیف کا بھی ذکر اسطرح کیا ہے۔

سنہ گیارہ سو نود سو ہجری اتھا
بیان دار توحید سارا کیا
پنج سو بیت دس آیت رسالے منیں
کل ارشاد ہے اس میں سمجھو تمیں
رسالہ کا ہے نام نادِعلی
حیدرآباد شہر میں ہوا منجلی

شاہ علی نے نادِعلی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

رمل، نجوم، جفر :

مصنف کے متعلق کوئی معلومات دریافت نہیں ہوئے۔

یہ ایک فالنامہ ہے اس میں ہفتہ کے سات یوم کے متعلق واقعات لکھے گئے ہیں۔

ان ایام میں سفر کریں تو کیا ہوتا ہے۔ان ایام کو آسمان کے سات ستاروں سے مختص کیا گیا ہے۔اس کا سنہ تصنیف ۱۱۹۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[103] میں موجود ہے۔

اختتام اور تاریخ تصنیف کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

پندرویں ماہ رجب کے جمعہ دن
ظہر کے وقت میں آخر ہوا گن
اتا سن بعد ہجرت کے کہوں اب
اگیارہ سو پو نود سال تھے تب
ہوا اتمام اب فالنامہ
لیا کچ سر کو اپنے یہاں سے خامہ

چہار کرسی :

چہار کرسی کے مصنف کا نام احمد خاں شیرانی ہے۔

''چار کرسی'' سے مراد وہ رسالہ ہے جس میں فقہ وعقائد کی بنیادی تعلیمات اور ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کو شب وروز سابقہ پڑتا ہے جیسے غسل ،تیمم اور نماز وغیرہ چار کرسی کی وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں پہلے آنحضرت صلعم کا سلسلہ نسب چار پشت اوپر تک بیان کیا جاتا ہے۔اس کے بعد اصل موضوع سے تعرض کیا جاتا ہے۔چونکہ دکن میں شجرہ کو کرسی نامہ بھی کہتے ہیں اس لئے ان رسائل کو چار کرسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس رسالہ کی داخلی شہادتوں کی روشنی میں ڈاکٹر زورؔ نے لکھا ہے۔مصنف (احمد خاں شیرانی) کولار(میسور) کا باشندہ تھا۔اس نے کچھ عرصہ گرم کنڈہ اور مڑواگل میں بھی گزارا تھا۔ زیرتبصرہ چارکرسی کی تصنیف کے وقت وہ مدن پلی میں شاہ غلام علی کے ہاں مقیم تھے۔وہاں کا حاکم امام بیگ تھا۔اس کے تین فرزند حیدرمحی الدین خاں اورعثمان جاں تھے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۱۹۴]میں موجود ہے۔

احمد خاں شیرانی نے یہ چارکرسی ۱۱۹۶ھ میں تصنیف کی تھی۔اختتام رسالہ میں اس نے اس کی وضاحت کی ہے۔

حاجی مکائی حیدرولی وہاں دونوں ولیاں کی تر تباں
تاریخ تھی چوتھی صفر یو چار کرسی ہوئی تمام
سنہ ایک ہزار ایک سو اُوپر نود پوچھ آغاز جان
پر توں نیت جز فاتحہ سورۂ اذاجاء یار پر
حق سوں دعاتوں خیر منگ فرزند برادر دوستاں

احمد خاں شیرانی نے چہار کرسی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گنجینئہ شہدا :

گنجینۂ شہدا کے مصنف کا نام ملا حسین کاشفی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے گنجینۂ شہدا کے نام سے ایک ہندی ترجمہ لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۹۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۹۵]میں موجود ہے۔

آٹھ ہزار سے زائد ابیات کی یہ مثنوی ملا حسین کاشفی کی روضیۃ الشہد ا کا ہندی ترجمہ ہے

مقامِ تصنیف اور سنہ تصنیف کا ذکر ان اشعار میں اس طرح کیا ہے۔

شہر بھوپال میں جو رہیں سی
گنجینہ شہدا کی تصنیفی
تین برس کم بارہ صدی میں
گنجینہ شہدا ہندوی میں
کر تصنیف کتاب بنائی
عقبیٰ خبر کی بخشش چاہی

ملاحسین کاشفی نے گنجینہ شہدا کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مجاز نامہ :

اس مجاز نامہ کا لکھنے والا کون ہے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۹۷] میں موجود ہے۔

فہرست مطبوعہ میں اس کا نام مثنوی "علیم اللہ" تحریر ہے لیکن اصلی نام مجاز نامہ ہے۔ کتاب کا نام، تصنیف کا سنہ اور اشعار کا شمار آخر کی ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک سو سترّ ہیں یہ ابیات گُل
ہے حقیقت کے چمن کا ایک گُل
یہ حکایت جب لکھا اے راہ رو
سنہ ہزار یک سو پوچھا نود پو نو
اے علیم اللہ حکایت کر تمام
مصطفیٰ پر بھیج صلواۃ و سلام

انتقام حسینی :

انتقام حسینی کے مصنف کا نام نآدر ہے۔

نآدر کے حالات نا معلوم ہیں۔اس نے مناجات میں بہ تصدق ائمہ کرام حصولِ فلاحِ دارین کی دعا کی ہے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ اثنا عشری عقیدہ رکھتا تھا۔اس قیاس کو ان اشعار سے بھی تقویت پہنچتی ہے جو مناقب حضرت علیؓ میں مصابیح کے حوالے سے تحریر کی گئی ہیں۔

انتقام حسینی میں مختار بن عبیدہ کی ان جنگوں کا ذکر ہے جو شہادت حضرت حسینؓ کے بعد ان کی جانب سے یزید و طرفداران یزید کے خلاف لڑی گئیں۔یہ فارسی مختار نامہ کا منظوم ترجمہ ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۶ میں موجود ہے۔

مطبوعہ فہرست میں اس کا نام مختار نامہ درج ہے لیکن مصنف انتقام حسینی بتاتا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں کتاب کے نام کے علاوہ سنہ تصنیف کا اظہار بھی اس طرح کیا ہے؂

تھا ہجرت سے سنہ ایک ہزار ایک سو
ہوئے سال تھے اوپر نود پہ نو
محرم کی تاریخ تھی بیسویں
سنوا ے بزرگاں زار باب دیں
وہ جمعہ کا تھا روز وقت ضحیٰ
زعونِ محمد بہ فضل خدا
یہ مختار نامہ کتیں کہ تمام
رکھا انتقام حسینی ہوں نام

نآدر نے انتقام حسینی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

منتخب نیک نام :

منتخب نیک نام کے مصنف کا نام شاہ عزیز اللہ عزیز ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے منتخب نیک نام سے لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ یورپ میں دکھنی مخطوطات[198] میں موجود ہے۔

جیسا کہ خود مصنف نے تاریخ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

برس باره سو اتھے ہجری تمام
ختم پایا منتخب نیک نام

ریاض العارفین :

ریاض العارفین کے مصنف کا نام اسحاق ہے۔

محمد اسحاق ٹیپو سلطان کے دور کے شاعر ہیں۔انھوں نے ۱۲۰۶ھ میں ایک مثنوی ''ریاض العارفین'' کے نام سے لکھی ہے، جس میں اخلاقی گیارہ باب قائم کئے ہیں۔ہر باب میں اولیاء وعلماء اور سلف صالحین کے قصے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں۔بعد میں کسی وقت انھوں نے اپنے مرزبوم سے ہجرت کرکے مدورا (قریب ترچنا پلی) میں سکونت اختیار کرلی۔ان کے والد کا نام متحقق نہیں ہوسکا لیکن مثنوی ریاض العارفین کی داخلی شہادت کے بموجب محمد اسحاق کے والد اپنے وقت کے صلحا اور مشاہیرے تھے۔اولا دزینہ میں انھیں پانچ لڑکے تھے جو علم وفہم میں کامل اور ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے۔

اس کے چار قلمی نسخے کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[199] کتب خانہ سالار جنگ[200] ادارۂ ادبیات اردو[201] اور انجمن ترقی اردو پاکستان[202] میں محفوظ ہے۔

حسب ذیل آخری اشعار میں مصنف نے اپنی عمر سنہ تصنیف اور تخلص کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

جب کیا میں نظم یو شیریں مقال
عمر میری تب اتھی باویس سال
ہور سن ہجرت شہ ذوالافتخار
تھی ہزار ایک دو صد وشش درشمار
کر ذہن کوں اپنے اے اسحاق بند
طول مت کر مختصر ہے دل پسند

مثنوی ریاض العارفین کے سنہ تصنیف میں اختلاف پایا جاتا ہے سخاوت مرزا نے اس کی وضاحت کی ہے۔بعض محققین کے نزدیک یہ ۱۲۰۶ھ کی تصنیف ہے اس کے بر خلاف سخاوت مرزا سے ۱۱۰۶ھ کی تصنیف مانتے ہیں۔مضمون کے آخر میں سخاوت مرزا نے ''ریاض العافین'' کے اصل اشعار اور مطبع محمدی سے شائع شدہ اس کے ''جدید اردو ایڈیشن'' مولفہ محمد اکبر خاں مرادآبادی کے اشعار کا تقابل بھی کیا ہے۔[۲۰۳]

اسحاق نے ریاض العارفین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

روضتہ الصالحین ترجمہ حدیقہ :

روضتہ الصالحین کے مصنف کا نام غلام حسن ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے روضتہ الصالحین کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کی تاریخ تصنیف ۱۲۰۸ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[۲۰۴] اور یورپ میں دکنی مخطوطات[۲۰۵] میں محفوظ

ہے۔ یہ فقہ امامیہ کی مشہور کتاب حدیقہ کا ترجمہ ہے۔جیسا کہ خود مصنف کے اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

بارہ سے سن پہ آٹھواں تھا سن
جب کہ اس نظم سے غلام حسن
ہوا فارغ بہ برکت حضرات
بر محمدؐ و آلِ اوصلوات

غلام حسن نے روضۃ الصالحین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

عروس المجالس :

عروس المجالس کے مصنف کا نام قاسم مہری ہے۔

عروس المجالس کے مصنف قاسم مہری ،کوکن کے ایک قصبہ مہاڑ کے رہنے والے تھے۔ان کا خاندان بمبئی میں سکونت پذیر ہوگیا۔اور مذہب کے علاوہ زبان وادب کی خدمت میں معروف ہوگیا۔مہری خاندان کے اکثر افراد عالم اور ادیب تھے۔قاسم نے عروس المجالس کے علاوہ عقائد منظوم اور چہل حدیث کے نام سے بھی دو رسالے مرتب کیے ہیں بمبئی کے دو مشہور مسلم کوکنی ادیب قاضی یوسف مرگھے اور فقیہ ان کے دوست اور معاصر تھے۔تینوں نے اپنی اپنی تصانیف میں ایک دوسرے کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۱] اور کتب خانہ آصفیہ[۲۲] میں موجود ہے۔

عروس المجالس رسول اللہ کی سیرت سے متعلق ہے۔قاسم میسور کا ایک مشہور شاعر ہے جو ٹیپو سلطان کے عہد میں گزرا ہے۔ یہ مثنوی ٹیپو سلطان کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ چنانچہ تاریخ تصنیف کے اشعار درج ذیل ہیں۔

کیے جب التجایاراں نے یوں کر
قبولیا بات ان کی مدعا پر
کیا نامہ شروع لکھنے کوں اس دم
سٹیا دل پر سوں سارا یک طرف غم
عروس المجلس اس کوں کرکے موسوم
کیابارا مجالس پر یو مقسوم
سنہ ہجری تھی بارا سو اُوپر نو
اتھا سلطان عادل ٹیپو خسرو
مظفر شاہ غازی کا زمانہ
لکھا جب یو عروس جاو دانہ

قاسم مہری نے عروس المجالس کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ارشادو الا جاهی درتز ملات نامتناهی :

ارشادوالا جاہی کے مصنف کا نام محمد علی معروف بہ والا جاہ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ارشادوالا جاہی کے نام سے لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۹ھ ہے۔

اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ۸ ہے میں موجود ہے۔

محمد علی نام اور والا جاہ خطاب تھا۔انور الدین خاں گوپاموی کے فرزند تھے اپنے باپ کی شہادت کے بعد ارکاٹ کے صوبہ دار ہوئے۔

اختتام اور تاریخ تصنیف۔

شاہِ   والا جاہ   بس   تیرا   تباہ
ہے   دعا   مقبول   درگاہ   الہ
یکہزار   و   دو   صدونہ   بود   سال
شد   مرتب   نامہ   باشرف   وکمال
ہم   چہارم   ماہ   رجب   بود   و   بود
چون   بدست   آمد   کہ   این   سودا   و   سود
شاہِ   والا   جاہ   گر   تم   الکلام
ہم   بحق   مصطفیٰ   خیر   الانام
نام   حق   سوں   ختم   کر   نامہ   کتیں
اب   توں   والا جاہ   رک   خامہ   کتیں

غریق عشق :

غریق عشق کے مصنف کا نام تجمل ہے۔

حکیم عظیم الدین تخلص تجمل ،اگر چہ لکھنو کے متوطن تھے مگر ۱۲۱۲ء میں مدراس آئے اور یہیں کے ہو رہے،مدراس میں اپنی تعلیم کی تکمیل ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم سے کی،مثنوی،غزل ،اورمرثیہ لکھا کرتے ،مثنوی وغیرہ میں تجمل اورمرثیوں میں غمگین تخلص قرار دیا تھا ۱۲۲۰ھ میں انتقال ہوا،مدراس میں مدفون ہیں۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۰۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۰۹ میں موجود ہے۔

مصنف نے سنہ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

سال   ہجری   ہزار   دو   سونو

تھا کہ واقع ہوا یہ واقعہ نو
روز جمعہ چہارم شوال
سانحہ یہ ہوا بوقت زوال

تجمل نے غریق عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قادر باری :

قادر باری کے مصنف کا نام فیاض عسکری ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قادر باری کے نام سے لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۰ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ[۱۹] اور کتب خانہ سالار جنگ[۲۰] میں موجود ہے۔

فیاض عسکری جنوبی ہند کے باشندے تھے۔صاحب علم وفن تھے۔عربی فارسی کے عالم اور فن لغت کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔

مصنف کے نام تخلص اور سنہ تصنیف وغیرہ کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

پھر امام رضا تقی و نقی
حسن عسکری ہے پھر مہدی
سب پو میرے طرف سے ہوئے وسلام
ان کا فیاض عسکری ہے غلام
دو سو بیتاں پہ میں کیا ہوں بس
سن اتھا ایکہزار دو سو دس

فیاض عسکری نے قادر باری کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نوبہار عشق :

نوبہار عشق کے مصنف کا نام غلام اعز الدین مستقیم جنگ نآمی ہے۔

غلام اعز الدین خاں بہادر مستقیم جنگ تخلص نآمی، نامی حامد علی خاں کے فرزند تھے ۱۱۸۱ھ میں ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ مولانا حافظ محمد حسین سے عربی اور فارسی کی تعلیم پائی اور پھر علامہ روزگار مولانا باقر آگاہ سے شرف تلمیذ حاصل کیا۔ آگاہ کی تربیت سے شاعری کا ملکہ پیدا ہوا اور آگے چل کر نآمی نے زمانہ میں نام پیدا کر کے اپنے استاد کے نام کو روشن کیا۔ عمدۃالامراء۔ (۱۲۱۰ھ یا ۱۲۱۶ھ) نے نآمی کو ملک الشعراء کے خطاب کے ساتھ اپنے دربار کا شاعر بتایا تھا۔ یہ عربی فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کرتے اور کبھی نآمی اور کبھی مستقیم تخلص کرتے تھے۔ متعدد مثنویاں مثلاً لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو وفات بی بی، قصہ بنارس، سلیمان نامہ وغیرہ اپنی یادگار چھوڑیں۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ مدراس میں ساحل سمندر کے قریب اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ نامی کا زمانہ وہ ہے جب کہ دہلی میں میر وسودا اور خواجہ میر درد کا زمانہ گزر چکا تھا۔ میر اثر مسند شاعری پر قائم تھے، اور لکھنو میں جرات، انشا، اور مصحفی کا بول بالا تھا۔ شاعری اپنے ابتدائی مدارج سادگی اور اصلیت سے گزر کر تصنع اور مبالغہ کی سرحد میں پہونچ چکی تھی۔

آسان اور ہموار زمینوں کے بجائے عمداً سنگلاخ زمین اختیار کی جاتی تھی، متانت اور ثقافت میں بھی فرق آگیا تھا، اور اب وہ فقراء اور صوفیہ کی خانقاہوں سے نکل کر عام طور سے بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں آگئی تھی۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[۲۱۲] اور ادارۂ ادبیات اردو[۲۱۳] میں موجود ہے۔

اس مثنوی میں نآمی نے شیریں فرہاد کی دستان نظم کی ہے۔ اول حمد ہے۔ پھر نعت اوسکے بعد مناجات اس کے بعد حقیقی عشق کی تعریف پھر نفس مضمون شروع ہوا ہے۔

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

کیا جب خامۂ گلریزی اتمام
رکھا میں نوبہار عشق اُسے نام
کہا تاریخ ہاتف از مسرت
کہا نامؔی نے یہ شیریں حکایت
خدا کے فضل سے پایا تمامی
بڑی اس داستان کی ہوئی نظامی
سن ہجری تھے بارہ سو پو گیارہ
کہ میں اس مثنوی کے تیں سنوارا

نامؔی نے نوبہارِ عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

سراج المنیر:

سراج المنیر کے مصنف کا نام غلام علی یکسو ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے سراج المنیر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۱۳] میں موجود ہے۔

غلام علی یکسو نے تاریخ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

کہ اس مثنوی کے ظہور امام
شروع کی ہے تاریخ اے خاص و عام
کہ دو ایکہزار و دو صد یا زدہ

شد این مثنوی سالم و آراستہ

غلام علی یکسو نے سراج المنیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

عشق نامہ (مثنوی یوسف زلیخا) :

عشق نامہ کے مصنف کا نام فگار ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے عشق نامہ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۲ھ ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[۲۱۵] کتب خانہ آصفیہ[۲۱۶] اور کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۱۷] میں محفوظ ہے۔

یہ مثنوی فارسی کے مشہور صوفی شاعر جامی کی فارسی مثنوی یوسف زلیخا کا منظوم ترجمہ ہے۔

اس مثنوی میں کل تین ہزار بیس اشعار ہیں۔ یہ مثنوی دو ہفتوں میں لکھی گئی ہے۔

افسر صدیقی لکھتے ہیں:

"مصنف نے سبب تالیف میں بیان کیاھے
کہ قلم انسان کا سب سے بہتر رفیق تنہائی
ھے اور اسی احساس کے ماتحت یہ مثنوی
تصنیف کی گئی ھے"[۲۱۸]

اس مثنوی کے اختتام پر شاعر نے سنہ تصنیف، تعداد اشعار اور مثنوی کے نام کی بھی وضاحت اس طرح کی ہے۔

ہزاروں شکریہ رنگین کہانی
ہوئی انجام یہ شیریں بیانی
کشاکش میں پڑا تھا یہ مرا دل

اب اس کے نظم سے فارغ ہوا دل
ہزارو دو صد و دہ اور تھے دو
کیا انجام جب اس داستاں کو
گنے ابیات میں نے اس کے یک بار
ہوئے تب سہ ہزار و بست اشعار
لکھا تھا عشق سے جو اس کو خامہ
رکھا تب نام اس کا عشق نامہ

تاریخی شعر کے پہلے مصرع کو افسر صدیقی نے انجمن ترقی اردو پاکستان جلد پنجم کی فہرست میں اس طرح لکھا ہے۔

ع: ہزار اور دو سو اور دس اور تھے دو

[۲۱۹]

فگار نے عشق نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ بیر الالم :

قصہ بیر الالم کے مصنف کا نام عظیم الدین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ خود مثنوی کے خاتمہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے، مصنف کا نام عظیم الدین ہے اور سنہ ۱۲۱۴ھ میں اس نے اس قصہ کو فارسی سے دکھنی میں منتقل کیا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۲۰] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف کا اظہار ان اشعار سے ہوتا ہے۔

سنہ چودا جو بارہ سو کے اُوپر

گئے حضرت کی ہجرت سے گزر کر
تب اس ایام میں یہ ذکر سارا
محمد اور علی کا آشکارا
جو کچھ تھا سو کیا ہوں سب پہ ظاہر
سنایا ہوں میں یاروں کوں سراسر
رسالہ فارسی تھا اس کا مسطور
کیا دکھنی زبان میں اس کوں مشہور
کہ تا ہر ایک مطلب اس کا پاوے
جو یہ سب کے سمجھنے بچ آوے
عظیم الدین ہو اب خاموش بے فکر
توں کر صلوٰۃ سوں اتمام یہ ذکر
ہوئی ہے جنگ کی اتمام یہ بات
محمد پر کہو سب مل کے صلوات

عظیم الدین نے قصہ پیر الالم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

عقائد نامہ ہندی :

عقائد نامہ ہندی کے مصنف کا نام عارف ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے عقائد نامہ ہندی کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[3] میں موجود ہے۔

عقائد نامہ ہندی ایک مثنوی ہے جس میں اعمال وعقائد کی تفصیلات ہیں۔

مصنف نے خود تاریخ تصنیف کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

کہوں تالیف کی تاریخ در حال
ہے بارا سو کے اُوپر چار وہ سال

عارف نے عقائد نامہ ہندی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

معجزات جیلانی :

معجزات جیلانی کے مصنف کا نام حبیب اللہ قادری ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے معجزت جیالانی کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کا سنہ تصنیف ۱۲۱۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۳] میں محفوظ ہے۔

اپنے مرشد کا نام فارسی سے دکھنی نظم میں لکھنے کا ذکر اور تاریخ تصنیف کی نشاندہی وہ اس طرح کرتا ہے۔

یو مرشد شاہ ابراہیم قادری
او مرشد مرے ہادی ہیں راہبر
اتھا فارسی میں کیا تھا بیاں
کیا نظم دکھنی معجزہ کا بیاں
بارہ سو و چودا سن ہجری میں
مرتب ہوا ہے یو دکھنی منے

حبیب اللہ قادری نے معجزات جیلانی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی

ہے۔

مثنوی روپ سنگار :

یہ مثنوی تین سوستر ابیات پر مشتمل ہے اور یہ نائکہ بھید کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔
سنکرت شاعری میں عورتوں کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے جو مختلف جذبات واضح کئے گئے ہیں ان سے مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے بحث کی ہے۔
درج ذیل اشعار سے مثنوی کے نام اور سن تصنیف کی وضاحت ہوتی ہے۔

بنا جب حسن کا آئینہ اوتار
رکھا میں نام اس کا روپ سنگار
ہے اب ہجری سے بارہ سو پہ پندرا
کہ اعجاز اس کا ہے جیسے کا رب

[۲۲۳]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو''میں اس مثنوی کا نام''ادب سنگار'' لکھا ہے[۲۲۴] جو غلط ہے۔صحیح نام روپ سنگار ہے۔

زین المجالس : (یازدہ مجالس)

زین المجالس کے مصنف کا نام نوائی ہے۔
اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے زین المجالس کے نام سے لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ ہے۔
اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۲۲۵]میں محفوظ ہے۔
مصنف نے اپنے باپ، بھائی، استاد اور مرشد کی مدح کی ہے اور مرشد کا نام ادریس عالم

تھا۔اپنے استاد کی بھی تعریف کی ہے مگر ان کا نام نہیں لکھا ہے۔

شاعر کے تخلص کی وضاحت اور سنہ تصنیف کا اظہار اسطرح کیا ہے۔

نوائی یہ مجلساں مرقوم کرنا
تھا حضرت کا بیاں معلوم کرنا
تھے بارا سو پہ پندرہ سال ہجرت
کہ پایا حق ستیں بہ تائید نصرت
کیاتب فکر تاریخ مناسب
کہا ہاتف نے رہ روضہ مناقب

نوائی نے زین المجالس کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

اسرار عشق (یعنی قصہ شاہ روم فیرز شاہ) :

اسرار عشق کے مصنف کا نام عبدالحسین اور غلام حسین تخلص محمد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے اسرار عشق کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۲۲۶] میں محفوظ ہے۔

اس میں دختر شاہ روم یعنی نظر بند اور شاہزادہٗ عاقل پسر مسعود شاہ کے عشق کے قصے کو نظم کیا گیا ہے اور اس مثنوی کا نام "اسرار عشق" رکھا ہے۔اختتام پر سنہ تصنیف کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

یہ حاصل ہوا ہیگا جب مجھ کو گنج
تھا سن یکہزار و دو صد و بست وپنج
شروع جو کیا میں یہ قصہ کتیں

تھا بارا سے پندرہ وہ سن یقین

عبدالحسین نے اسرارِ عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصئہ بانو و روشن ضمیر:

قصئہ بانو و روشن ضمیر کے مصنف کا نام اسماعیل ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصئہ بانو و روشن ضمیر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۲] میں محفوظ ہے۔

مصنف نے مثنوی کے خاتمہ میں اپنا پورا نام اسمٰعیل بن صالح محمد بتایا ہے۔لکھا ہے کہ میں نے یہ قصہ نادر سنہ بارہ سو سترہ میں ڈھولکی میں لکھا ہے۔

اے اسمٰعیل توں قصہ بنایا
اسم اپنا قیامت لگ بڑھایا
اے اسمٰعیل بن صالح محمد
مدد ہے بزرگوں کی تجھ پہ بے حد
ترا مشہور ہے گھر اس جگہ سوں
بھلُل خاں غازی کی مسجد کے نیچوں
بڑی یہ دولت عقبیٰ ہے تجھ کوں
کہ رہتا ہے بحرمت آبرو سوں
سنہ بارہ سو سترہ کے بھیتر
بنا ہے ڈھولکی میں قصہ نادر

محرم کی ہوئی انیسویں جب
بنیا بتیاں پچاس اور چار سو تب

اسماعیل نے قصۂ بانو وروشن کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

فتح نامہ :

فتح نامہ کے مصنف کا نام سلیماؔن ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے فتح نامہ کے نام سے ایک قصہ لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان(۲۳) میں محفوظ ہے۔

فتح نامہ کے مصنف سلیماؔن تخلص کے ایک شاعر ہیں جو مہدی جون پوری کے ماننے والوں میں تھے اور چھب جی کہلاتے تھے۔

یہ قصہ ۱۲۱۷ھ میں نظم کیا گیا ہے چنانچہ مصنف خود کہتا ہے۔

سنہ الف دو صد اوپر تھے سترا
زبانے قلم سوں کا غذ پہ اُترا
ربیع ثانی ہندی ماس ساون
اٹھارہ سو اُوپر بیتے اٹھاون

سلیماؔن نے فتح نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ تمیم انصاری :

قصہ تمیم انصاری کے مصنف کا نام غلامی ہے۔

غلامی کے حالات زندگی نہیں ملتے۔ادارۂ ادبیات اردو کے مخطوطات کی فہرستوں میں اس

کی متعدد نظموں کے حوالے ملتے ہیں۔علاوہ ازیں یوروپ کے کتب خانوں میں موجود اس کے بعض مرثیوں کی روشنی میں زور نے اردو شہ پارے میں اس کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

''وہ ایک بڑا شاعر معلوم ہوتا ہے اس کے تاریخ پیدائش کا علم نہیں،اس کا نام یا تو غلام حیدر تھا یا غلام مرتضٰی وہ گجرات کا رہنے والا تھا،کربلا جانے کی اس کی بڑی خواہش تھی،اس کی مرثیہ نگاری کے زمانے میں اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی ماں بیمار تھی۔اس کا طرز بیان دلفریب ہے اور پرواز تخیل بلند''

قصہ تمیم انصاری کی اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ زور نے جو کچھ لکھا وہ تقریباً صحیح تھا۔مرثیوں میں اس کا نام غلام رسول تھا۔ریختوں میں مطلب،مناقب میں انور اور قصوں میں غلامی، وہ سورت میں پیدا ہوا۔اور ایک مدت تک کھمبایت میں سکونت پذیر رہا۔یہ مثنوی اس نے سنہ ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں کھمبایت ہی میں پوری کی۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۷] میں موجود ہے۔

سعد الدین اور میاں جعفر اس کے دو دوست تھے۔جن کے کہنے پر اس نے یہ قصہ فارسی سے ہندی میں منتقل کیا۔پورا قصہ نوسو بیالیس اشعار پر مشتمل ہے۔

اس کے استاد کا نام فدا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

یہ قصہ فارسی تھا نثر منقول
کیا اس کوں میں ہندی نظم بے مول
تھی فرمائش جو کھیا بھائی کی یوں
کہ تم ہندی کرو اس فارسی کوں
فدا نے لا دیا اس کے اصل کوں
تتبع میں کیا ہندی نقل کوں

بھوت تاکید میاں سعدالدین نین کی
میاں جعفر نین بھی کچھ کم نہیں کی
ہیں کئے قصہ میں اس خاطر او تاول
خدا نے قفل دل کے کھول دیے کل
مجھے قصہ کی کچھ اُمید نئیں تھی
ولیکن کچھ مدد ہوگئی علی کی
سنہ بارا سو اٹھارا کے درمیان
تھی تاریخ چودہویں اور ماہ شعبان
میں کھمبایت میں یہ قصہ کیا تھا
بند ھا واڑیکی مسجد میں لکھا تھا
جمعہ کی صبح ٹھنڈ کی سر سری تھی
وہ مسجد دو ستداراں سیں بھری تھی

غلامی نے قصہ تمیم انصاری کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ترجمہ غزلان الھند :

ترجمہ غزلان الہند کا لکھنے والا کون ہے کچھ معلوم نہیں ہوا۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۳۰] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف کی صراحت یوں کی گئی ہے۔

بعد حمد خدائے عزوجل
اور نعتِ پیمبر مرسل

سن ہجری تھے بارا سے انیس
دل تھا صاحب سے ایک شب خواہش
حکم ایسا کیا اے خوش گو
ابتو کچھ حسن کا بیان کر تو

مکافات الحسنین (مختار نامہ) :

مکافات الحسنین کے مصنف کا نام صلاح الدین یکسو ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے مکافات الحسنین کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔

اس ضخیم مثنوی میں حمد ونعت منقبت حضرت علیؑ اور ائمہ معصومین حضرت فاطمہؑ کی مدح اور سبب تالیف کے بعد نفس مضمون شروع ہوتا ہے۔شاعر نے تاریخ تصنیف کی صراحت اس طرح کی ہے۔

ہزار و دو صد و انیس واں سال
سنِ ہجری سے تھا بی قیل بی قال
سنو تم تیری ماہ محرم
ہوا ہے ختم یہ نامہ مکرم

صلاح الدین ایکسو نے مکافات الحسنین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ ملک تبّع :

قصہ ملک تبّع کے مصنف کا فقیہہ ہے۔

''بمبئی میں اردو'' میں فقیہہ کے نام سے ایک شاعر کے کارناموں کا تفصیلی تعارف ملتا ہے۔ لکھا ہے: باپومیاں نام اور فقیہہ تخلص تھا اور خاندانی لقب ''اوندریکر'' جواب مختصر ہوکر ''اندرے'' رہ گیا ہے۔ انھوں نے ہر صنف نظم میں طبع آزمائی کی ہے ۔روضتہ البکا شہر بمبئی ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء مثنوی مسمار گی شہر بمبئی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء ان کی مشہور تصانیف ہیں ۔۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء میں انتقال کیا۔

قصہ ملک تبّع کا اس میں تذکرہ نہیں ہے مگر چونکہ اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۰ھ ہے۔اس کی بحر زبان اور انداز بیان اور روضتہ البکا کی زمین زبان، انداز بیان ایک سے ہیں۔اور اس کا موضوع بھی روضتہ البکا کی طرح نیم تاریخی اور نیم مذہبی ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ملک تبّع کا مصنف اور روضتہ البکا وغیرہ کا مصنف ایک ہی ہوں۔

روضتہ البکا میں فقیہہ نے یوسف مرگھے، قاسم مہری محمود، فیاض جیسے اپنے خاص دوستوں کا ذکر کیا ہے۔جن کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ وہ بمبئی اور کوکن سے تعلق رکھتے تھے۔ملک تبّع میں ''یکی عمدائے نواب گرامی نظام الدین حسین'' کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق کوئی معلومات نہیں ملتیں ۔ورنہ ہمارے قیاس کو مزید سہارا ملتا۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۰ھ/ ۱۸۰۵ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی ۱۳۳ میں موجود ہے۔

خاتمہ میں مصنف نے سنہ تصنیف کی بھی ایک شعر میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

کیا اتمام جب قصے کا احوال
تھا بارا سو کے اُوپر بیسواں سال

فقیہہ نے قصہ ملک تیج کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

صرف اردو :

صرف اردو کے مصنف کا نام امانت علی شہدا ہے۔

وہ عربی فارسی کے جیدر عالم تھے۔فورٹ ولیم کالج میں عربی فاسی کتابوں کا ترجمہ کرنے پر مامور تھے۔ڈاکٹر گل کرائسٹ جیمس مونٹ اور ڈاکٹر ہنٹر وغیرہ کی خواہش پر انھوں نے بعض عربی فارسی کتابوں کے ترجمے کیے۔اور اردو قواعد پر ایک طبع زاد کتاب بھی لکھی۔ان کی جن کتابوں کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں۔ہدایت الاسلام عربی،ہدایت الاسلام اردو،ترجمہ قرآن مجید،جامع الاخلاق اور صرف اردو۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء ہے۔

اس کے تین قلمی نسخے کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۳۳] کتب خانہ سالار جنگ[۲۳۴] اور کتب خانہ آصفیہ[۲۳۵] میں محفوظ ہے۔

مولوی میر امانت علی ایک قابل شخص تھے۔عربی اور فارسی کا اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ساتھ ساتھ شعر گوئی میں بھی مہارت تھی۔شہدا تخلص تھا۔عربی،فارسی صرف ونحو پر عبور حاصل تھا۔اور سنہ تصنیف کا اظہار بھی ہے۔

پر مجھے التماس یاروں کا
آستیں کھینچ اس طرف لایا
الغرض اب خدا کے فضل اُوپر
کر تو کل میں اسپر باندھ کر
کہ وہی فاتح ہدایت ہے
اور وہی خاتم نہایت ہے

یہ رسالہ ہوا فضل حق سے تمام
صرف اردو رکھا میں اس کا نام
سن تھے بارہ سے بیست ویک اے یار
کہ یہ کانِ گہر ہوئی تیار

امانت علی شیدا نے صرف اردو کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مثنوی دانشِ افروز :

دانشِ افروز کے مصنف کا نام ملا حسینی کاشفی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے دانشِ افروز کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۲۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[237] میں موجود ہے۔

یہ طویل مثنوی ملا حسینی واعظ کاشفی کی کلیلہ ومنہ فارسی کا منظوم ترجمہ ہے ہر صفحہ کے چار کالم ہیں۔اس طرح ایک سطر میں دو بیتیں آ گئی ہیں۔نواب شمس الامرا کی مدح کے بعد سنہ تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

سنہ ہجری تھے بارہ سو پہ اکیس
کہ موزوں یہ ہوئی باعز و تقدیس
بس ایسا ہی خدا نے پھر کیا کام
کہ ہوئی سہ ماہ کے عرصہ میں اتمام
رکھا جب نام اس کا دانش افروز
کہ تا اس سے ہر یک ہو بہرہ افروز

ملا حسینی کاشفی نے مثنوی دانش افروز کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

حقوق المسلمین :

حقوق المسلمین کے مصنف کا نام میر محمد ابن سید حافظ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے حقوق المسلمین کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۳] میں موجود ہے۔

یہ کتاب ابواب وفصل میں منقسم ہے اوران ''حقوق'' کا ذکر کیا گیا ہے جوماں باپ کے فرزندوں پراستاد کے حقوق شاگردوں پر ہیں۔

تاریخ تصنیف یوں بیان کی گئی ہے۔

تب کہئے مجھ ساتھ بالطف کمال
یک ہزار دو صد بائیس سال

میر محمد ابنِ سید حافظ نے حقوق المسلمین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ تمیم انصاری :

قصہ تمیم انصاری کے مصنف کا نام محی الدین ہے۔

شاعر کے حالات زندگی کا پتہ نہیں ۔البتہ اس کے مصنف نے بھی غلامی کی طرح وجہہ تالیف میں اپنے اور اپنی تصنیف کے متعلق تھوڑی سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔چنانچہ اس نے حمد ونعت کے بعد ''درمناجات قاضی الحاجات وسبب تصنیف ایں قصہ می گوید'' کی سرخی قائم کرکے حسب

ذیل تفصیلات دی ہیں۔

ان تفصیلات سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر کوکن کا رہنے والا ہے اور شرور دھن اس کی جائے پیدائش ہے اور دوستوں کے کہنے پر اس نے سنہ ۱۲۲۴ھ میں یہ مثنوی مکمل کی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۴۸] میں موجود ہے۔

مصنف نے تاریخ تصنیف کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

سنہ ہجری سوں گزرے سو شمارا
جو بارا سو اُوپر بارا بارا

محی الدین نے قصہ تمیم انصاری کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مفید الصبیان :

مفید الصبیان کے مصنف کا نام رضاؔ ہے۔

محمد رضا خاں نام اور رضاؔ تخلص تھا، حسین دوست خاں چندا صاحب کی اولاد میں تھے، مرزا دبیر لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا، فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۴۹] میں محفوظ ہے۔

خاتمہ میں مصنف نے سنہ تصنیف اور رسالہ کے نام کی وضاحت کر دی ہے لکھا ہے۔

بارہ سو چوبیس سن کے درمیاں
از طفیل سرور کون و مکاں
ہو چکا اس سال یہ نامہ تمام
ہے مفید الصبیان اس کا نام

رضا نے مفید الصبیان کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

اسرار عشق:

اسرار عشق کے مصنف کا نام غلام حسین محمد تخلص ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے اسرار عشق کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۲۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[230] میں موجود ہے۔

اس مثنوی میں حمد ونعت۔حضرت علی کی منقبت۔بی بی فاطمہ کی مدح اور بارہ اماموں کی ستایش ہے۔تاریخ تصنیف کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

ہوا ہے بفضل خدا یہ کلام
سن بارا سے بیس و پنج میں تمام
شروع سے پکڑ کر میں تا اختتام
بنا یا ہوں پنج مہینہ میں تمام
ہے مولود میرا غلام حسین
یہی نام سے مجھ کو اکرام ہے
تخلص میرا تو محمد ہوا
غلام اب میں تیرا محمدؐ ہوا
اور عبدالحسین بھی میرا نام ہے
مدد میں میری امام حسین

غلام حسین محمد نے اسرارِ عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چندر بدن و مہیار (نسخہ سوم) :

چندر بدن ومہیار کے مصنف کا نام بابا شاہ حسینی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے چندر بدن ومہیار کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۲۳] میں موجود ہے۔

بابا شاہ حسینی کی مثنوی چندر بدن ومہیار کے دو نسخوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔یہ اسی کا تیسرا نسخہ ہے جو احتیاط کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔سنہ تصنیف اس شعر سے واضح ہوتی ہے۔

سنہ ہجری سے دیکھا میں نے فی الحال
تھا بارا سو پو ستائیسواں سال

بابا شاہ حسینی نے چندر بدن ومہیار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

دیوان شہوار :

دیوان شہوار کے مصنف کا نام شہوار قادری ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے دیوان شہوار کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کا سنہ تصنیف ۱۱۶۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۲۴] میں موجود ہے۔

شہوار قادری غالباً کرنول کے رہنے والے تھے۔اس نظم کے چند بند یہ ہیں۔

گیارہ سو ساٹھ دو سن ہجری

خاتم　المرسلین　کی　لکھی　تھی
ہوئی　کرنول　پر　تباہی　بھی
پائی　طغیانی　ہیندری　ندی
یعنے　کرنول　میں　بڑی　ہے　دھوم

شہوار قادری نے دیوان شہوار کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بیاض احمدی :

بیاض احمدی کے مصنف کا نام احمد میاں جان ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ کتاب سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بس اتنا ہے کہ اس کا نام احمد میاں جان تھا

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۲۳] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے۔

اب تیری رحمت کے سوا اے ربنا نئیں اسرا
احمد میاں جاں کو بھی تو غفار ہے دو جگ بھیتر
بارہ سو ہجری کے اُوپر یک تیس میں ہوئی یہ تمام
جو کوئی پڑھے اور جو سنے ہو رب سے رحمت اس اُپر

احمد میاں جان نے بیاض احمدی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

یوسف زلیخا :

یوسف زلیخا کے مصنف کا نام سید محمد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے یوسف زلیخا کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

سید محمد نے یوسف زلیخا کا سنہ تصنیف ۱۲۳۶ھ بتایا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۲۳۳] میں موجود ہے۔

مصنف نے تاریخ تصنیف کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

تھے بارہ سو پہ جب چھتیس ہجری
کیا اتمام اس قصے کو عاصی

مثنوی رنگین :

مثنوی رنگین کے مصنف کا نام رنگین ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے رنگین کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۳۹ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۳۵] میں موجود ہے۔

یہ منظوم رسالہ میں عقاید اور فقہ کے مسائل نظم کئے گئے ہیں عنوانات کے تحت بیان ہوا ہے۔تعداد اشعار تاریخ تصنیف اور اختتام کے اشعار درج ذیل ہیں۔

نظم دس دن میں اسکو تمام
رکھا تصنیف رنگین اس کا نام
اب جو تاریخ کا تجے ہے خیال
تو تجھے کہہ سناؤں میں فی الحال
غصے ہوکر تو مجھ پہ دانت نہ پیں

تھے ہزار اور دو سو انتالیس
یہ بھی تاریخ ہے تو شوق سے گن
گیارویں تھی رجب کی پیر کا دن
سر کو یک مت پھرا رنگین
فائدہ ناشنو کو کچھ بھی نہیں
بات سنے کی ہوے جس کو ہوس
تو اوسے ایک حرف بھی ہے بس
شعر کہنے کا آکے باندھ نہ ٹھاٹھ
کہ ہوے شعر پوری دو سو ساٹھ

رنگین نے مثنوی رنگین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

باغ ارم :

باغ ارم کے مصنف کا نام مستعان علی نبیرۂ شاہ علاء الدین صدیقی ہے۔

شاعر کے نسب اور خاندان کے سلسلہ میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی اولا دمیں تھا۔اور اس کے جدامجد شاہ علاء الدین صدیقی تھے۔اس کے والدین تصنیف کتاب کے وقت زندہ تھے اور اس کا خاندان وسیع تھا جس میں بھائی بہن عزیز اقربا اور اولا دشامل تھی۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[۲۳۶] میں موجود ہے۔

یہ چار ہزار چار سو اشعار کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں مولانا روم کی ’’مثنوی معنوی‘‘ کی منتخب اشعار کا ترجمہ اور تشریح سادہ اور سلیس اردو میں کی گئی ہے۔

سبب تالیف کتاب کے آخری حصہ میں مصنف نے کتاب کا نام اور سنہ تصنیف اسطرح لکھا ہے۔

پس اسے فردوس عالی ہو مقام
اس لئے باغ ارم ہے اس کا نام
نام اس کا میں رکھا باغ ارم
رکھا مدام اس کوں خدا یا محترم
سال بھی اس نام سے ہے آشکار
یک ہزار و دو صد و چہل و چہار

مستعان علی نبیرۂ شاہ علاء الدین صدیقی نے باغ ارم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

راحتِ دل :

راحتِ دل کے مصنف کا نام اشفاق ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے راحتِ دل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۲۴۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[27] میں موجود ہے۔

اس مثنوی کے آخر میں مصنف کا تخلص کتاب کا نام اور سنہ تصنیف کی وضاحت کی ہے۔

لکھا چکا اشفاق جب قصہ تمام
راحتِ دل رکھ اس افسانے کا نام
بست و یکم روز شنبہ بحر وبر

چار سو ہشتاد وہشت ابیات کر
تھے صد و بارا پر پینتالیس سال
تھا مہینہ ماہ ذیقعدہ کا حال

اشفاق نے راحتِ دل کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

من موھن :

من موہن کے مصنف کا نام آزاد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے من موہن کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۴۷ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۳۲۸] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی میں اولاً چار صفحہ حمد ونعت کے ہیں اس کے بعد معراج کا بیان ہے۔

معراج کے بیان کے بعد اپنے مرشد اور مربی کی ستائش کی گئی ہے۔

تاریخ تصنیف کا شعر

لکھا یہ سنہ ہزار دو صد
چالیس اُوپر تھے سال زاید

آزاد نے من موہن کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نظم مخارج :

نظم مخارج کے مصنف کا نام محی الدین قادری ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے نظم مخارج کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۵۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ ۲۳۹ میں محفوظ ہے۔

مصنف ویلور کا باشندہ تھا ان کے مرشد شاہ ابوالحسن قربی کے فرزند تھے اپنے مرشد کے ایماء سے اس رسالہ کو قلم بند کیا ہے۔

تاریخ تصنیف کی وضاحت اسطرح کی ہے۔

ہزار و دو صدو پنجاسن میں
کیا اتمام سارے مخزِ جان کو
دہم تاریخ ذوالحج عید کا دن
مبارک روز تھا دو موموناں کو

محی الدین قادری نے نظم مخارج کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چشمہ زمزم :

چشمہ زمزم کے مصنف کا نام جعفر علی فصیح ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے چشمہ زمزم کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

اس نظم کا سنہ تصنیف ۱۲۵۱ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ ۵۴ میں موجود ہے۔

یہ نظم میں شیعہ عقائد کا اظہار کیا گیا ہے اور سنت عقائد کی رد کی گئی ہے۔

اختتام اور تاریخ تصنیف اور نام کتاب وغیرہ۔

حمد سے آغاز ہے اے نیک نام
شکر پر کرتا ہوں منظومہ تمام

وقت ختم نظم تھے اے مرد نیک
سال ہجری ساڑے بارہ سو اور ایک
چشمہ زمزم ہے اس نسخہ کا نام
خلق میں جاری رہے گا فیض عام

جعفر علی فصیح نے چشمہ زمزم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ایجاز القوافی :

ایجاز القوافی کے مصنف کا نام محمد بخش گلادی ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ایجاز القوافی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔اس کے علاوہ اور کوئی معلومات مصنف کے متعلق دریافت نہیں ہوئے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۱۵۱] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف کے اشعار:

ہوا یہ مختصر اے یار انجام
بحق مصطفیٰ و آل عظام
کیا اس نظم کا جب میں نے تکرار
ہزار اور دو سو اڑتالیس ہے یار
شمار ماہ کیا جب اس کے من بعد
بلا شک تھا آخر شہر ذیقعد

محمد بخش گلادی نے ایجاز القوافی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

کفایت الاسلام :

کفایت الاسلام کے مصنف کا نام یوسف مرگھے ہے۔

بیاض قاضی محمد یوسف کے سلسلہ میں قاضی محمد یوسف مرگھے کے حالات زندگی بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہ ان کا ایک اور مذہبی رسالہ ہے۔ جس میں انھوں نے دین کے احکام بیان کیے۔ خود ان کی تحریر کے مطابق کفایت الاسلام دو مقاصد پر مشتمل ہے۔ ایک عقائد اور دوسرا اعبادت انھوں نے دونوں کی تفصیلات الگ الگ بیان کی ہیں۔ خاتمہ میں سبب بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے یہ رسالہ اپنے دو دوست محمد علی روگھے اور محمد ابراہیم مقبہ کی فرمائش پر تحریر کیا ہے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۸ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۲۵۱] میں موجود ہے۔

تاریخ تصنیف کے اشعار درج ذیل ہیں۔

یہ کہا رکھ قبولیت کی آس
تھی سنہ یک ہزار دو سو پچاس
سال ہجرت سے ختم مرسل کے
بارہویں دن ربیع اول کے
باعث اس کا جو ہیں مرے یاور
خلق کے خیرخواہ نام آور
ایک عالی جناب فیض مآب
لطف مظہر ستودہ القاب
ہیں محمد علی لقب روگھے

ان کا افضال پائدار رہے

اور رفعت پناہ عالی جاہ

کامراں کام بخش فیض نگاہ

لطف پرورده خدائے کرم

کامیاب محمد ابراہیم

عرف مقبہ مطاع والا گہر

دام اجلالہ دوام الدھر

یوسف مرگھے نے کفایت الاسلام کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بہارِ خلیل :

بہارِ خلیل کے مصنف کا نام نجم الدین ہے۔

نجم الدین کے حالات تفصیلی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔ خود مثنوی سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس مثنوی کی ترتیب کے وقت ان کے والدین زندہ تھے۔ ان کا ایک بڑا بھائی تھا جس کا نام غلام حسین تھا۔

غلام حسین مصنف کے صرف بھائی نہ تھے۔ بلکہ مرّبی استاد اور سرپرست بھی تھے۔ بہار خلیل کی تدوین میں بھی ان کی مدد شامل حال تھی۔

مثنوی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حالات سے متعلق ہے۔ چنانچہ تمہید میں وجہ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا ہے کہ معین الدین منشی الٰہی کی کتاب معارج النبوہ نظر سے گزری۔ اس میں انبیاء کے حالات نقل کیے گئے ہیں۔ اس کا ہر ایک واقعہ نور علیٰ نور ہے خاص کر ابراہیم خلیل اللہ کا واقعہ اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی[۱۵۳] میں موجود ہے۔

خاتمہ میں سنہ تصنیف کے الفاظ اور مادّہ تاریخ دونوں ذریعوں سے نشاندہی کی ہے۔

کیا سال ہجری کو تعداد جب
تھی سن بارا سو اور سیں تیں تب
ہوا غیب سے یوں ندائے خلیل
ہو ہر دلعزیز یہ بہارِ خلیل

۱۲۵۷ھ

نجم الدین نے بہارِ خلیل کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری و معنوی دونوں طریقوں سے کی ہے۔

سبیل الشفاعت :

سبیل الشفاعت کے مصنف کا نام محسن ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے سبیل الشفاعت کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۵۸ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۱۵۴] میں محفوظ ہے۔

یہ مثنوی میں حمد و نعت اور مدح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد امجد علی شاہ اودھ کی مدح ہے اس کے بعد زیارت شہداء کربلا اور حالات شہداء کربلا درج ہیں۔ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ سنہ تصنیف کے اشعار اس طرح ہیں۔

مترجم ہوئے یہ زیارت جو ساری

ہوئی شامل حال توفیق باری
ہزار و دو صد بود پنجاہ وہشت
کہ محسن ازیں نظم فارغ یکمشت
دیہہ پہلا ذلحجہ کے مہنہ کا تھا
سنِ ہجرت خاتم الانبیا

محسن نے سبیل الشفاعت کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بحث الفوائد :

بحث الفوائد کے مصنف کا نام شاہ غلام محمد قادری ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے بحث الفوائد کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۶۳ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ ۵۵ میں موجود ہے۔

حمد ونعت کے بعد اپنے باپ اور مرشد شاہ شجاع الدین کی مدح وستایش کی گئی ہے۔

اختتام میں مصنف کا تخلص تاریخ تصنیف کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

کر محمد کے غلام اب اختتام
مختصر کر تو یہاں اپنا کلام
فہم کر دل مادہ تاریخ کا
مثنوی بحث الفواید ہے کہا
یعنی اس کا سال ہجری ہے یہ بس
یک ہزار و دو صد و ترسٹ برس

یہ مرتب جب ہوا نسخہ تمام
پا چکا جب نظم اس کا انصرام
پڑ درود اب مصطفیٰ پر صبح و شام
اور اون کی آل اصحاب کرام
شکر حق اب میں تمام اس کو کیا
لکھ دیا موقع سے اس کو جا بجا

شاہ غلام محمد قادری نے بحث الفوائد کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ نور جہاں و جہانگیر :

قصہ نور جہاں و جہانگیر کے مصنف کا نام پیر خاں تشیعہ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ نور جہاں و جہانگیر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۶۵ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۵] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی میں اول حمد و نعت، منقبت حضرت علی، مناجات کے بعد نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کی مدح ہے۔

تاریخ تصنیف جو بیان احوال مصنف میں درج ہے اس طرح ہے:

جو ہیں آ گیا دھیاں تاریخ کا
شمار سن اوس وقت کرنے لگا
ہوئی جب گنا میں نے کر کے خیال

ہزار و دو صد شصت پنج اس کی سال

پیر خاں تشیعہ نے قصہ نور جہاں و جہانگیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

وصول الحال :

مصنف کا نام یا تخلص ظاہر نہیں ہوتا صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سید صاحب حسینی کے مرید تھے۔اس رسالہ میں تصوف کے چند مسائل کا تذکرہ ہے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۲۶۶ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ ۲۵۵ میں محفوظ ہے۔

مرشد کا ذکر اور تاریخ تصنیف اور اختتام۔

روضۂ شاہد کے جو سجاد ہیں
یاد حق سے روز شب دل شاد ہیں
وارث اکلیل سے سجادہ گرمی
سید صاحب حسینی قادری
یکہزار دو صدو چھہ سٹ کا سال
تھی او ستاویسویں ماہ شوال
روز تھا جمعہ کا عید المومنین
یہ ہوا منظوم اسرارِ متین
ہے وصول الحال اس نسخہ کا نام
قال حسب الحال میں ہے و السلام
پر صلوٰۃ ہر دم بروحِ ذوالکرام

فضل شاہد ختم شد خیر الکلام

قصہ فیروز شاہ :

قصہ فیروز شاہ کے مصنف کا نام ضامن ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے قصہ فیروز شاہ کے نام سے لکھا ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۷۲ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ ۵۸ھ میں موجود ہے۔

اختتام اور سنہ تصنیف کی وضاحت۔

ربیع الاول کا تھا ماہ شنبہ کا روز
اور تاریخ بستم تھی اے دل فروز
اور ہجرت نبی سے برس یک ہزار
دو صد اور بہتّر تھے سن بر شما
نصیحت بہت اسمیں ہے دو ستو
ہے لازم اسے تم پڑھو یا سنو
پس اس واسطے اس کو ضامن لکھا
وہ دکھنی کو ہندی زبان کر دیا
قبول ہووے ضامن کا یارب کلام
طفیل محمد علیہ السلام

ضامن نے قصہ فیروز شاہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گلشن مہوشاں :

گلشن مہوشاں کے مصنف کا نام آثمہ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے گلشن مہوشاں کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۷۷ھ ہے۔

اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ[۹] اور کتب خانہ آصفیہ[۱۰] میں محفوظ ہے۔

مثنوی میں پہلے حمد ہے۔اس کے بعد نعت پھر سبب تصنیف کا عنوان ہے۔اس میں واضح کیا گیا ہے کہ ماں کے ارشاد پر ''جہانِ ضرب'' داستان کو جونثر میں ہے منظوم کیا ہے۔اس داستان کا ہیرو لال بادشاہ جہاں ضرب، دادگر ہیں اور ہیروئن نازک بدن بہار افزا ہیں۔تاریخ تصنیف کی وضاحت ان اشعار میں کی گئی ہے۔

بفضل خدا وند روزِ شمار
ہوئی ختم جب مثنوی ایکبار
سن بارا سو پہ تھے ستر پہ سات
زہجرت حضرت علیہ الصلوات
آثمہ سے بہ گلشنِ مہو شاں
جہاں میں رہے یاد گار و نشاں
جو کی فکر تاریخ میں بر ملا
ہے قصہ جہاں ضرب کا دل کہا

آثمہ نے گلشن مہوشاں کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

گلزار عرفان (ترجمہ گلشن راز) :

گلزار عرفان کے مصنف کا نام سرمد ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے گلزار عرفان کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۸۶ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۱] میں موجود ہے۔

یہ مثنوی تصوف میں ہے گلشن راز کا ترجمہ ہے جو شیخ محمود کی کتاب ہے۔تصوف کے پندرہ مسائل کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔

تاریخ تصنیف درج ذیل ہے۔

بہ ہجرت یک ہزار و دو صدالحال
کہ چھے اُوپر تھے اسی سال فی الحال

سرمد نے گلزار عرفان کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

رسالہ الف.ب :

رسالہ الف۔ب کے مصنف کا نام چھل داس ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے رسالہ الف۔ب کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

اس رسالہ کا سنہ تصنیف ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ[۲۲] میں محفوظ ہے۔

مصنف نہ صرف اردو فارسی اور عربی کے عالم تھے، بلکہ انگریزی بھی جانتے تھے۔قرآن مجید سے آپ کو خاص شغف تھا۔شاعر بھی تھے۔

رسالہ یہ ہوا ہے ختم جس دن
جمعہ کا روز تھا اوس پاس سوم
اٹھارہ سو تراسی عیسوی سن
مہینا فبروری تاریخ دوم

چھل داس نے رسالہ الف۔ب کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نصاب فارسی موسومہ کمال دانش :

موسومہ کمال دانش کے مصنف کا نام میر دلاور علی دانش ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے موسومہ کمال دانش کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۳۲۶ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ[۲۶۳] میں موجود ہے۔

مصنف نواب سالار جنگ ثالث کے استاد تھے۔عربی فارسی کی اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

جن کو یہ نسخہ فائدہ بخشے
کہیں دانش تجھے خدا بخشے
سال تالیف بشنوائے میوش
سہ صد و یک ہزار بست و شش

میر دلاور علی دانش نے موسومہ کمال دانش کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے

باغِ ارم :

باغ ارم کے مصنف کا نام حکیم محمد یحییٰ ندرتؔ ہے۔

حکیم محمد یحییٰ ندرت مدراس کے قاضی القضات مصطفیٰ علی خان گوپاموی کے فرزند تھے اور شاہ اسمٰعیل قادری ولد شاہ ابراہیم کے مرید۔ان کے آبا و اجداد بھی اسی خاندان کے مرید تھے۔ندرت نے عرصہ تک اپنے پیر کو نہیں دیکھا تھا اور جب وہ ان کی حضوری میں گئے تو ان کے خیالات نے پلٹا کھایا اور تصوف و عرفان کی طرف مائل ہو گئے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[ع۲۳۴] میں محفوظ ہے۔

یہ مثنوی کی تالیف کے وقت ندرت کے والدین اور بھائی اور اولاد موجود تھی۔

چنانچہ نعتیہ اشعار کے تحت ان سب کے لئے دعا کی ہے۔خود مثنوی کا نام اور سنہ تکمیل ان اشعار میں لکھا ہے۔

نام اس کا میں رکھا باغ ارم
رکھا مدام اس کو خدایا محترم
سال بھی اس نام سے ہے آشکار
یک ہزار و دو صد و چہل و چہار

حکیم محمد یحییٰ ندرتؔ نے باغِ ارم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

فہرست حوالہ جات

۱ فخر دین نظامی۔مثنوی کدم راؤ پدم راؤ،مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی،۱۹۷۹ء دہلی ص ۱۳

۲ جمیل جالبی،تاریخ ادب اردو،جلد اول (حصہ اول) ص ۱۷۶

۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور،ادارۂ ادبیات اردو،جلد اول،ص ۲۳

۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان،جلد اول،ص ۹۲

۵ اکبرالدین صدیقی،مقدمہ ارشادنامہ،قدیم اردو (دور دوم) ،جلد اول ۱۹۷۱ء ص ۴۳

۶ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق،رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۷ء،باز طباعت قدیم اردو کراچی ۱۹۶۱ء ص ۷

۷ عبدل،ابراہیم نامہ،ص ۵۸

۸ پروفیسر مسعود حسین خاں نمبر، کتاب نما،جون ۲۰۱۱ء،ص ۷۱

۹ ڈاکٹر محی الدین قادری زور،اردو شہ پارے،ص ۳۹

۱۰ بحوالہ سیدہ جعفر،مقدمہ مثنوی یوسف زلیخا،ص ۲۷

۱۱ نصیر الدین ہاشمی ،یورپ میں دکھنی مخطوطات،ص ۲۱۹

۱۲ جمیل جالبی،تاریخ ادب اردو،جلد اول ص ۱۳۷

۱۳ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان،جلد پنجم،ص ۳۱

۱۴ نصیر الدین ہاشمی،دکن میں اردو،ص ۱۷۹

۱۵ ایضاً،یورپ میں دکھنی مخطوطات،ص ۲۴۳

۱۶ ایضاً،ص ۳۱۴

۱۷ ایضاً،وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ص ۵۷

۱۸ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم ص ۱۱۰
۱۹ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۱۶
۲۰ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد اول، ص ۲۵۸، مخطوطہ نمبر ۱۲۳
۲۱ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۲۸۸
۲۲ شاہ معظم، ص ۶۴
۲۳ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی ۱۹۹۰ء، دہلی، ص ۱۷۳
۲۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۴۴۴
۲۵ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ ص ۵۱ ۷
۲۶ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد چہارم، ص ۶۰
۲۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، جلد اول، ص ۱۸۴
۲۸ مخطوطہ نمبر ۳۴۰ سیر اور ۴۶۷، اورنٹیل مینوسکرپٹ لائبریری
۲۹ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۸۹
۳۰ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۰۵
۳۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم ص ۱۵۶۔۱۵۷
۳۲ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۴۸
۳۳ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات، ص ۲۹۸
۳۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۰۶
۳۵ ایضاً، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۴۹
۳۶ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۰۳
۳۷ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، مرتبہ من سمجھاون، حیدر آباد ۱۹۶۵ء مقدمہ، ص ۷
۳۸ ایضاً ص ۱۸، ۱۹

۳۹ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۴۴
۴۰ مخطوطہ نمبر ۱۹۷، مجموعہ یازدہ رسائل، انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان
۴۱ اردو شہ پارے، ص ۱۳۹ و نیز وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ
۴۲ دکن میں اردو ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۶
۴۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد اول، ص ۳۷
۴۴ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات ص ۲۸
۴۵ سب رس منظوم مشمولہ قدیم اردو کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۲۵۵
۴۶ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ص ۸۵
۴۷ پروفیسر سیدہ جعفر جلد سوم، ص ۳۳۶
۴۸ افسر صدیقی امروہوی انجمن ترقی اردو پاکستان جلد پنجم، ص ۱۴۸
۴۹ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکنی مخطوطات، ص ۴۰
۵۰ فسر صدیقی امروہوی، انجمن ترقی اردو پاکستان پنجم، ص ۱۷۳
۵۱ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکنی مخطوطات، ص ۵۸
۵۲ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۹۱
۵۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد اول، ص ۵۷
۵۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۴
۵۵ سیدہ جعفر، مقدمہ مثنوی ماہ پیکر، ص ۲۳
۵۶ نصیر الدین ہاشمی، یوروپ میں دکنی مخطوطات، ص ۸۱
۵۷ افسر صدیقی امروہوی، انجمن ترقی اردو پاکستان جلد پنجم، ص ۱۸
۵۸ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات، ۱۹۹۰ء دہلی ص ۲۴۴
۵۹ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ۱۹۵۷ء حیدر آباد، ص ۱۷۹

۶۰ ایضاً، یورپ میں دکھنی مخطوطات ص ۹۱،۹۲

۶۱ ایضاً ،وضاحتی فہرست خانہ آصفیہ ص ۹۹

۶۲ افسر صدیقی امروہوی، مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد چہارم، ص ۲۱۸

۶۳ محمد اکبر صدیقی اور محمد علی اثر ،جلد ششم، ص ۲۱۸

۶۴ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۰۰،۱۰۱

۶۵ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۰۶ مخطوطہ نمبر ۱۴۸ اور ۳۶۵

۶۶ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۰۷

۶۷ ایضاً، ص ۱۴۱

۶۸ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد اول، ص ۵۷

۶۹ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۴۹

۷۰ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، ص ۹۰

۷۱ افسر صدیقی امروہوی، انجمن ترقی اردو (پاکستان) جلد پنجم ص ۱۰۸

۷۲ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۱۰

۷۳ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۰۱

۷۴ ایضاً، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۵۵

۷۵ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو جلد اول، ص ۹۲

۷۶ نصیر الدین ہاشمی، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات، جلد دوم، ص ۷۴

۷۷ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۵۳

۷۸ ایضاً، ص ۵۰۳، مخطوط نمبر ۹۷

۷۹ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۲۲،۲۳

۸۰ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۴۵

۸۱ شمس اللہ قادری، اردوئے قدیم، جلد چہارم، ص ۹۶
۸۲ ڈاکٹر حامداللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات، ص ۱۴۱
۸۳ فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ، ص ۱۷۰، ۱۷۱
۸۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، جلد اول، ص ۱۰۴
۸۵ تذکرہ مخطوطات، جلد ششم، ص ۱۵۹
۸۶ ڈاکٹر حامداللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات، ص ۱۴۱
۸۷ دکن میں اردو، ص ۴۰۱
۸۸ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۶۱
۸۹ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۱۸۶
۹۰ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول ص ۵۴، ۵۵
۹۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان جلد دوم، ص ۱۸۶
۹۲ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۸۵
۹۳ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۵۹
۹۴ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۷۳، جلد دوم، ص ۱۶۹
۹۵ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۹۹، ۲۰۰
۹۶ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۵۸
۹۷ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۵۴
۹۸ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۲۵
۹۹ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۰۴
۱۰۰ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد چہارم، ص ۸۱
۱۰۱ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۳۳

۱۰۲ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۲۲۱
۱۰۳ یضاً، جلد چہارم، ص ۲۳۷
۱۰۴ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۶۲۸
۱۰۵ اردو شہ پارے، ص ۱۵۷
۱۰۶ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۴۴، ۴۵
۱۰۷ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۰۴
۱۰۸ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۳۳
۱۰۹ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۹۲
۱۱۰ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، جلد اول، ص ۲۸۸
۱۱۱ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۴۲۴
۱۱۲ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۴۷
۱۱۳ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۵۴
۱۱۴ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۲۵۷
۱۱۵ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۶۱
۱۱۶ ایضاً، ص ۲۴۷
۱۱۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۸۶
۱۱۸ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد دوم، ص ۱۱۰
۱۱۹ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۵۹
۱۲۰ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۸۵
۱۲۱ ایضاً، جلد اول، ص ۳۱۸
۱۲۲ ایضاً، ص ۱۰۲

۱۲۳۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد سوم، ص ۲۲۳

۱۲۴۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۷۷

۱۲۵۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۱۱۰

۱۲۶۔ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۴۴۲

۱۲۷۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۱۳۷

۱۲۸۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۲۹۔ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۸ ۷

۱۳۰۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۱۴۳

۱۳۱۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۸۹

۱۳۲۔ ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۶۹

۱۳۳۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۱۴۷

۱۳۴۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۱۳۵۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۸۶

۱۳۶۔ فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ، ص ۱۱۰

۱۳۷۔ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۴۷۱

۱۳۸۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۱۵۴

۱۳۹۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۶۹

۱۴۰۔ فہرست مخطوطات جامعہ عثمانیہ، ص ۱۰۵

۱۴۱۔ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۴۶۸

۱۴۲ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۲۱۵

۱۴۳ ایضاً، ص ۱۵۹، ۱۶۰

۱۴۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۳۳۸

۱۴۵ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد دوم ص ۱۷۶

۱۴۶ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۷۲

۱۴۷ ایضاً، ص ۳۳

۱۴۸ علی گڑھ تاریخ ادب اردو، ص ۹۷

۱۴۹ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۰۷

۱۵۰ ایضاً، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۳۱

۱۵۱ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۳۲

۱۵۲ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۱۳، ۶۱۴

۱۵۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد دوم، ص ۱۸۱

۱۵۴ ایضاً، جلد اول، ص ۳۹، ۴۰

۱۵۵ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، جلد دوم، ص ۳۳۵، ۳۳۶

۱۵۶ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۸۰

۱۵۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۰۲

۱۵۸ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۵۱

۱۵۹ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۱۹

۱۶۰ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۸۴

۱۶۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۱۲۶

۱۶۲؎ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۶۲

۱۶۳؎ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد چہارم، ص ۲۲۴

۱۶۴؎ ایضاً، جلد دوم، ص ۳۰

۱۶۵؎ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۰۶

۱۶۶؎ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۰۸

۱۶۷؎ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۱۳

۱۶۸؎ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۸۶

۱۶۹؎ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۱۰

۱۷۰؎ ایضاً، ص ۵۱۱

۱۷۱؎ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۱

۱۷۲؎ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۳۷

۱۷۳؎ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۳۰

۱۷۴؎ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۳۵

۱۷۵؎ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۲۳۲ و نیز جلد پنجم، ص ۳۱۸

۱۷۶؎ ایضاً، جلد پنجم، ص ۳۴

۱۷۷؎ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۴۱۷

۱۷۸؎ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۲۲

۱۷۹؎ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء، غیر مطبوعہ، ص ۴۲۵

۱۸۰۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۴۴

۱۸۱۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۱۸۲۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۱۱۹، ۱۲۰

۱۸۳۔ ایضاً، جلد پنجم، ص ۳۲، ۳۳

۱۸۴۔ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۴۲

۱۸۵۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد سوم، ص ۱۷۱

۱۸۶۔ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۳

۱۸۷۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد چہارم، ص ۸۳

۱۸۸۔ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۵۹۵

۱۸۹۔ ایضاً، ص ۵۷۳

۱۹۰۔ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۴۳

۱۹۱۔ ایضاً، ص ۵۴۴

۱۹۲۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۴۸

۱۹۳۔ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۹۲

۱۹۴۔ ایضاً، ص ۷۷

۱۹۵۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۲۳۱

۱۹۶۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۱۹۷۔ ایضاً، ص ۲۷۳، ۲۷۴

۱۹۸۔ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۷۱

۱۹۹۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۶۱

۲۰۰ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۴۵

۲۰۱ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد دوم، ص ۱۲۰

۲۰۲ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۱۱۳

۲۰۳ محمد سخاوت مرزا، حکیم رئیس فاطمہ ۲۰۰۶ء حیدر آباد، ص ۱۲۵

۲۰۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، جلد اول، ص ۸۴۰

۲۰۵ ایضاً، یورپ میں دکنی مخطوطات، ص ۵۵۱

۲۰۶ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۶۵

۲۰۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۰۲

۲۰۸ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۴۹

۲۰۹ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۲۵۳

۲۱۰ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۵۸

۲۱۱ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۳۵۲

۲۱۲ ایضاً، ص ۶۶۹

۲۱۳ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد اول، ص ۱۶۳

۲۱۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۸۰۵

۲۱۵ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۳۳۵

۲۱۶ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۹۳

۲۱۷ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۰۶

۲۱۸ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۳۳۵

۲۱۹ ایضاً

۲۲۰ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۴۹، ۱۵۰

۲۲۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۳۴۲
۲۲۲ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۹۶
۲۲۳ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ، ڈی ۱۹۹۵ء غیر مطبوعہ، ص ۴۷۷
۲۲۴ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم (حصہ دوم)، ص ۱۰۱۱
۲۲۵ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۲۱۵
۲۲۶ ایضاً، ص ۱۲۱، ۱۲۲
۲۲۷ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۲۸۴
۲۲۸ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۱۹۳
۲۲۹ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۵۸
۲۳۰ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۴۵۹
۲۳۱ ایضاً، ص ۵۴۹
۲۳۲ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۹۵
۲۳۳ ایضاً، ص ۱۸۰
۲۳۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۳۶۱
۲۳۵ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۶۵
۲۳۶ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان جلد اول، ص ۳۴۳
۲۳۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۱۴۴
۲۳۸ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۹۴
۲۳۹ ایضاً، ص ۹۸
۲۴۰ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۸۳

۲۴۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۵۸

۲۴۲ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد سوم، ص ۲۵۹

۲۴۳ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۵۷

۲۴۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۳۳۲

۲۴۵ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۹۴

۲۴۶ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد سوم، ص ۱۰۵

۲۴۷ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۹۰

۲۴۸ ایضاً، ص ۲۵۹

۲۴۹ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۶

۲۵۰ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۱۵۲

۲۵۱ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۷۲

۲۵۲ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، ص ۱۳۴

۲۵۳ ایضاً، ص ۱۶۶

۲۵۴ نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۵۵

۲۵۵ ایضاً، ص ۱۲۹

۲۵۶ یضاً، ص ۷۰۶

۲۵۷ ایضاً، ص ۲۷۱

۲۵۸ ایضاً، ص ۷۰۸، ۷۰۹

۲۵۹ ایضاً، ص ۷۱۰

۲۶۰ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۴۲

۲۶۱ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۶۰

۲٦۲۔ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۴۵

۲٦۳۔ ایضاً، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۳٦۰

۲٦۴۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ادارۂ ادبیات اردو، جلد پنجم، ص ۲۰۸

چوتھا باب :

دکنی شاعری میں معنوی تاریخ کی روایت

فیروزلغات میں معنوی کے معنی۔ باطنی، ذاتی، اصلی تحریر کئے گئے ہیں۔جس کا مطلب یہ کہ وہ معنی جو باطن میں ہے۔یا ظاہر نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس مصرع سے تاریخ نکلتی ہے اس کے باطن میں یعنی حروف کے اعداد میں اصلی معنی پوشیدہ رہتے ہیں جو حساب کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔معنوی تاریخ اسے کہتے ہیں جس کی بنیاد حساب جمل پر ہوتی ہے اس میں قاعدۂ جمل سے حروف کے اعداد جمع کرکے تاریخ نکالی جاتی ہے۔اس کو باطنی تاریخ بھی کہتے ہیں۔حقیقت میں یہی فن تاریخ گوئی ہے۔

ذیل میں مختلف شعراء کی تصانیف سے معنوی تاریخ کے نمونوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

جنت سنگار :

جنت سنگار کے مصنف کا نام ملک خوشنود ہے۔

ملک خوشنود کے حالات زندگی کسی ادبی تاریخ یا تذکرے میں موجود نہیں ہیں۔

ہم ملک خوشنود سے ایک شاہی غلام کی حیثیت سے متعارف ہوتے ہیں۔''اردو شہ پارے''میں ڈاکٹر زوراس شاعر کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

> "یہ شاعر پہلے گولنڈے کا ایک غلام تھا۔اس کی پرورش محمد قلی قطب شاہ کے محل میں ہوئی۔ایک ہوشیار نوجوان ہونے کی وجہ سے اسے محمد قلی قطب شاہ کی شہزادی خدیجہ سلطان کے ہمراہ خانگی نوکر کی حیثیت سے بیجاپور روانہ کیا گیاتھا۔"

مندرجہ بالا بیان میں ڈاکٹر زور نے خدیجہ سلطان کو''محمد قلی قطب شاہ کی شہزادی''تحریر کیا

ہے جو درست نہیں۔محمد قلی شاہ کی اکلوتی بیٹی حیات بخش بیگم تھی۔وہ محمد قطب شاہ سے بیاہی گئی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ شہزادی خدیجہ سلطان گولکنڈے کے چھٹے حکمران محمد قطب شاہ جانشین محمد قلی قطب شاہ کی دختر اور عبداللہ قطب شاہ کی بہن تھی۔عبداللہ قطب شاہ نے اپنی بہن کے ساتھ جہیز کے سامان کی حفاظت کے لیے ملک خوشنود کو بیجاپور روانہ کیا تھا۔ملک خوشنود ایک قطب شاہی غلام کی حیثیت سے تاریخ کے صفحات پر ابھرتا نظر آتا ہے۔مثنوی ''جنت سنگار'' کی تاریخ تصنیف کے بارے میں بھی محققین میں اختلاف رائے ہے۔

نصیر الدین ہاشمی اس مثنوی کی تاریخ تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس مثنوی کی تصنیف کا سنہ صاف طور پر واضح نہیں ہوتا مگر مثنوی کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً ۱۰۵۶ھ میں اس کی تصنیف ہوئی کیوں کہ کہتا ہے۔

ملک خوشنود موتی صاف رولیا
اپس کے نانو کا تاریخ بولیا

ملک خوشنود کے لحاظ سے (۱۰۵۶ھ ۱۶۴۵ء) قرار دینا صحیح ہوگا'' ۲

نصیر الدین ہاشمی نے ''ملک خوشنود'' کے اعداد کے حساب سے مثنوی کی مندرجہ بالا تاریخ قرار دی ہے۔لیکن جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو'' میں مثنوی ''جنت سنگار'' کی اس تاریخ تصنیف سے اختلاف کیا ہے اور انھوں نے محولہ بالا شعر۔

ملک خوشنود موتی صاف رولیا
اپس کے نانوں کا تاریخ بولیا

میں شاعر کے نام اور تخلص ملک خوشنود کی قرات ملک خشنود قرار دیتے ہوئے مثنوی کی تاریخ

تصنیف ۱۰۵۰ھ ۱۶۴۰ء بتائی ہے۔

جمیل جالبی کا بیان ہے:

> جیسا کہ آخری مصرعے میں اشارہ کیا ہے "ملك خوشنود" سے اس کاسنه تصنیف ۱۰۵۰ھ نکلتاھے ؏

راقمۃ الحروف نے "جنت سنگار" کے اُن دونوں نسخوں سے استفادہ کیا ہے جو کراچی کے قومی عجائب گھر میں محفوظ ہیں اور دونوں نسخوں میں اس شعر کا بغور مطالعہ کیا ہے جس کے مصرع کے الفاظ "ملک خوشنود" سے تاریخ تصنیف اخذ کی گئی ہے۔ ان دونوں نسخوں میں "ملک خوشنود" ہی لکھا ہوا ہے "ملک خشنود" تحریر نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ جمیل جالبی نے بیان کیا ہے۔ کراچی کے قومی عجائب گھر کے ایک نسخے میں جسے یہاں نسخہ "ب" سے تعبیر کیا گیا ہے ۱۰۵۵ھ بھی تحریر کیا ہوا ملتا ہے۔ حالاں کہ لفظ "ملک" کے نوے (۹۰) اور لفظ "خوشنود" کے نوسو چھیاسٹھ (۹۶۶) اعداد کو جمع کیا جائے تو ایک ہزار چھپن ۱۰۵۶ھ کے اعداد حاصل ہوتے ہیں۔

گلشن عشق :

گلشن عشق نصرتی بیجاپوری کی مشہور مثنوی ہے جسے انجمن ترقی اردو کراچی نے بابائے اردو کے مقدمہ کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ بقول ہاشمی صاحب وہ ۱۰۸۵ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے ثبوت میں یہ قطعہ تاریخ پیش کیا گیا ہے جس کے مصنف کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

ضرب شمشیر سوں یہ دنیا چھوڑ
جا کے جنت کے گھر میں خوش ہورہے
سال تاریخ آملائک نے

یوں کہے "نصرتی" "شہید آہے"

۱۰۸۵ھ

اس کے دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان[1] اور کتب خانہ سالار جنگ[2] میں موجود ہے۔

بابائے اردو نے گلشن عشق کا سنہ تصنیف ۱۰۶۸ھ بتایا ہے جو ان کی تحریر کے مطابق اسی مثنوی کے ان اشعار سے برآمد ہوتا ہے۔

دھر یا اس کی تاریخ کا جب خیال
وہیں ہاتف غیب، معجزہ مقال
کیا اس کی تاریخ یوں ہجرتی
مبارک یو ہے ہدیۂ نصرتی

۱۰۶۸ھ

ان اشعار میں صوری تاریخ ۱۰۶۸ھ واضح ہے دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی "مبارک یو ہے ہدیۂ نصرتی" کے الفاظ مادّہ تاریخ ہیں بحساب جمل ان سے ۱۰۶۳ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔

نصرتی نے گلشن عشق کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نصرتی نے قلعہ پنہال کے بارے میں اتنا مستند مواد علی نامہ میں پیش کیا ہے کہ دیوی سنگھ چوہان نے "پنالہ گڑھ کی تاریخ" بیان کرتے ہوئے نصرتی کے علی نامہ کے حوالے دیے ہیں۔ نصرتی نے علی نامہ میں پرنال پروتا یا پنالہ کے معرکوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔

قطعہ تاریخ فتح پنالہ:

لیا اتھا جو پنالے کا چڑ کہ اوگڑ کوں
سیو یا دغا کے کتے مکر بے نہایت سوں
جب اس سوں لڑ کہ چوڑانے کوں گڑ صلابت خاں
روانہ ہم سوں ہوا شہ کی ات عنایت سوں

وسیاکہ گڑ تونین آتا لگیاہے لڑنے زور
اپیں مدد کو چلے شہ نے جیوں شجاعت سوں
کرم سوں حق کہ نہ انپڑ پچھ لگ ہوا گڑ فتح
وہ روپیش دست کے ہٹ شہ کی ات مہابت سوں
وہیں یوفتح کی تاریخ نصرتی بولیا
علی نے پل میں پنالہ لیے صلاحیت سوں

ے ۱۰۷۰ھ

علی نامہ کے دوسرے قصیدے میں ''فتح بادشاہ غازی وشکست جوہر صلابت خاں'' کے زیر عنوان نصرتی نے سدی جوہر صلابت خاں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے اور وہ جوہر کو بے جوہر کہتا ہے۔اس کی بغاوت اور بے وفائی اور پھر علی عادل شاہ کے ہاتھوں اس کی سرکوبی کے بارے میں کہتا ہے۔

منگیا تاریخ کہنے میں تو تب نصرتی ہاتف نے
کھیادل سوں کھندل مارے علی یک پل میں جوہر کوں

(علی نے پل میں جوہر کوں)

ے

سدی جوہر صلابت نے علی عادل شاہ ثانی کے خلاف سازش کی تھی اس لیے نصرتی اس سے نفرت کرتا ہے۔جوہر کی قطعہ تاریخ وفات نصرتی نے اس طرح کہی ہے۔

عادل شہ علی جوا ہے سایہ آلہ
اس والی زمن کو کنانت ولی روا
آیا بدی سوں پیش جن اس نیکبخت سوں
فی الحال ہاتے ہات اسے لے سزا ہوا

جوہر ادتھا کہ جس کی صلابت جہاں پہ تھی
تھا ایک طرف جو بندہ عادل جلک کھوا
دولت تے شہ کی پائے یو کیواں کا مرتبہ
ادکن ادنحسیت کا دیکھا نے لگیا نوا
مشہور ہے کہ دیچ بداندیش ڈب مرے
نیکاں بدل بدی کا جو کھودے جو کوئی کوا
آخر تو شہ سوں پھر کہ کھرڑا آکہ جنگ کوں
چڑتیں غروزی مغز میں جب عقل ہوئی ہوا
تیغ علی کی جوہر بد پر پڑی جب آنچ
کھایا شکست دل سوں صلابت اپس گنوا
جا کوٹ میں چھپا اور بچانے اگر چہ جیو
ننگ نام سب ندی کے سو پانی میں دے بہوا
تن من میں تس پڑی اتھی تلخی کی یوں دھڑک
جیوں زہرہ تلخ آب بھر یا گل کہ دل ہوا
شہباز کی جھڑپ کا نیا ڈر ہوا اثر
سٹ آشیاں بدن کا اڑیا جیو کا تس کوا
جن شہ سوں پھر ملول ہو کونے پڑ یا سو جاں
چلنا سکے سو موت کی بن اس پہ کچھ دوا
تس مرگ کے سبب کی جو تاریخ کوئی پوچھے
اے نصرتی تو بول کہ باغی ہوا موا

۱۰۷۲ھ

کوی اندر پر مانند اپنی سنسکرت تصنیف ''شیوا بھارتم'' میں رقمطراز ہے کہ جو ہر کوز ہر سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔[۸] صلابت خاں کے داماد سیدی مسعود کے شب خون مارنے اور شاہی لشکر کے میدان جنگ میں اسے شکست دینے کا حال علی نامہ میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔صلابت کے بیٹے عبدالعزیز اور داماد سیدی مسعود نے جاں بخشی کی استدعا کی تو علی عادل شاہ ثانی نے عبدالمجید بہلول خاں کی سفارش پر انھیں معارف کر دیا تھا۔

مثنوی گلدستہ :

اس کے مصنف کا نام صنعتی ہے۔

مثنوی گلدستہ میں قصہ بے نظیر کے برخلاف صنعتی نے تاریخ تصنیف کا براہ راست انداز میں ذکر نہیں کیا ہے۔جس کی وجہ سے محققین غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔

مثنوی کے سن تصنیف کے بارے میں صنعتی کہتا ہے۔

اتار اس کی تاریخ کہوں بیاں
رہو شاد سن کر سب ہی عاقلاں
سنو کان بھر سن اول ہجرتی
یو ہدیا دیا دل لگت صنعتی

۱۱۵۵ھ

[۹]

آخری مصرعہ ''یو ہدیا دل لگت صنعتی'' سے ۱۱۵۵ اعداد حاصل ہوتے ہیں جس سے اکثر اہل علم دھوکا کھا گئے ہیں لیکن اب شاعر کا بیان ملاحظہ ہو وہ کہتا ہے۔

سنو کان بھر سن اول ہجرتی
یو ہدیا دیا دل لگت صنعتی
سچ دیکھنا ہے ایتا دھر نظر

عدد حرف پر ہے بیاں اوس نثر

خود شاعر کہتا ہے کہ سمجھ سے کام لو اور بغور دیکھو تو ''عدد'' کے حرف سے اس مثنوی کے سنہ تصنیف کی حقیقت واضح ہوگی۔ عدد کے ۷۸ اعداد کو ۱۱۵۵ سے نکال دیا جائے تو ۱۰۷۷ برآمد ہوتے ہیں اور تجزیہ سے حاصل کی ہوئی یہی تاریخ مثنوی گلدستہ کا صحیح سن تصنیف ہے۔

صنعتی نے مثنوی گلدستہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

تاریخِ صلح علی عادل شاہ ثانی و اورنگ زیب عالمگیر:

علی عادل شاہ ثانی و اورنگ زیب عالمگیر کی صلح کے موقعہ پر بیجاپور کے شاعر شریف نے جو قصیدہ لکھا اس میں اس صلح کی تاریخ اس طرح نظم کی۔

کھیا میں سال تاریخ اس وضع مصراع یو سارا
ہوا یوں صلح اورنگ زیب عادل شا دبانے سوں

۱۰۷۹ھ

داستان فتح جنگ :

داستان فتح جنگ کے مصنف کا تخلص اعظم ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے داستان فتح جنگ کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۰۲ھ ہے۔

اعظم نے ابتدائے مثنوی میں حضرت غوث الاعظمؒ اور حضرت گیسو درازؒ دونوں کے مناقب بیان کیے ہیں۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ اعظم نے بھی اس کی تاریخ لکھی ہے

کہو فتح کا سال وتاریخ جنگ

زکی فتح دے حق رکھیا نام ونگ

۱۱۰۰ھ

ظفر کی جو تاریخ کا روز پائے

سبھا کوں اُچا خاں عالم نے لیائے

۱۱۰۲ھ

ان اشعار میں پہلے شعر کے مصرعہ ثانی کے اعداد ۱۱۰۰ھ ہیں اور دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی کے اعداد ۱۱۰۲ھ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۰۲ھ داستان فتح جنگ کا سنہ تصنیف ہے۔

اعظم نے فتح جنگ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

قصہ پدماوت ملخص :

قصہ پدماوت کے مصنف کا نام عشرتی ہے۔

عشرتی کا پورا نام سید محمد اور تخلص عشرتی تھا۔ والد کا نام سید یوسف ہے جو عراق سے دکن آئے تھے۔ ان کے والد سید یوسف الحسینی ابن سید حسن سادات حسینی سے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب بیس واسطوں سے ہوتا ہوا سید زین العابدین سے جا ملتا ہے اسی نسبت سے عشرتی کا گھرانہ سادات درویش کے نام سے مشہور تھا۔

عشرتی کے والد سید یوسف بصرہ کے سرفا وامرا میں سے تھے۔ والد کے انتقال کے وقت عشرتی صرف بارہ سال کے تھے۔ عادل شاہی دربار میں اس کی رسائی تھی جب عادل شاہی سلطنت ختم ہوگئی تو عالمگیر نے سرپرستی فرمائی۔ عشرتی پرگو شاعر تھے۔ ان کی تین تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) قصہ پدماوت (۲) چیت لگن (۳) دیپک پتنگ

یہ کتاب ملک محمد جائسی کی ہندی پدماوت کا خلاصہ ہے جسے عشرتی نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۱۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کی تاریخ تصنیف عشرتی نے اس طرح نکالی ہے۔

بہارافروز دل شد چوں کلامش
گلے خجے ست تاریخ تمامش

سنہ ۱۱۱۰ھ [۱۲]

عشرتؔی نے قصہ پدماوت کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

مراۃ الحشر:

مراۃ الحشر کے مصنف کا نام فراقؔی ہے۔

فراقی کا پورا نام سید محمد اور والد کا نام سید کریم محمد حسینی تھا۔فراقؔی کے دادا سید میراں محمد تھے جو مدرس قادری کے نام سے معروف تھے۔یہ سید عبدالرحمٰن حسینی بہروچی (م سنہ ۱۰۲۷ھ) کے فرزند اور روح اللہ حسینی بہروچی کے پوتے تھے جو امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں تھے۔سنہ ۱۰۸۳ھ میں انھوں نے اپنے منجھلے فرزند سید عبد الرحمٰن حسینی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور تیسرے فرزند سید کریم محمد حسینی (فراقی کے والد) کو خلافت واجازت عطا کی اور فرزند اکبر سید شاہ زین الدین چشتی کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر ۲۴/شوال ۱۰۸۵ھ کو انتقال کیا اور جنت البقیع میں آسودہ ہوئے۔

فراقؔی کے والد حافظ سلطان سید کریم محمد حسینی بھی جامع فضل وکمال تھے۔انھوں نے زبیری صاحب مشائخ رنگین محل بیجاپور کی دختر اجی صاحبہ سے شادی کی۔انھیں چار زینہ اولادیں اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔سید کریم محمد حسینی نے سنہ ۱۱۰۵ھ میں انتقال کیا اور بیجاپور میں مدفون ہوئے۔فراقی اپنے والد کی دوسری اولاد تھے۔یہ سنہ ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ان کی مثنوی مراۃ الحشر سے ان کے سنہ ولادت کی توثیق ہوتی ہے۔

نصیر الدین ہاشمی نے مراۃ الحشر کا سن تصنیف وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ میں سنہ ۱۱۰۰ھ [۱۳] اور وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ میں سنہ ۱۲۱۱ھ درج کیا ہے۔[۱۴] یہ دونوں سنین غلط ہیں اسی طرح فہرست مخطوطات اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند کے مرتب نے مراۃ الحشر کا سنہ تصنیف

سنہ ۱۱۹۲ھ ظاہر کیا ہے[55] جو بالکل غلط ہے۔

اس کی صحیح تاریخ تصنیف خود مصنف نے مثنوی کی درج ذیل ابیات میں مخفی کی ہے۔

کیا قصد تاریخ جب بولنا
یو اجمال تفصیل کر کھولنا
تو مجھہ دل کیا اس وضع انتخاب
یو دیکھو جو ہے با برکت کتاب

سنہ ۱۱۳۳ھ

آخری مصرع مادہ تاریخ ہے جس سے ۱۱۳۳ھ برآمد ہوتے ہیں اور یہی اس کا سنہ تصنیف ہے۔

مثنوی مراۃ الحشر کی سنہ تصنیف کی روشنی میں فراقؔ کی سنہ ولادت کا بھی تعین کیا جاسکتا ہے۔ فراقؔ نے یہ مثنوی (۳۶) سال کی عمر میں لکھی لہذا اس کے سنہ تصنیف (۱۱۳۳ھ) میں سے (۳۶) منہا کرنے پر فراق کا سنہ پیدائش سنہ ۱۰۹۷ھ حاصل ہوتا ہے۔

نور نامہ :

نور نامہ کے مصنف کا نام شاہ عنایت احمد ہے جو حیدرآباد کے ایک صوفی تھے یہ حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں تھے۔ انھوں نے ۱۱۱۱ھ میں یہ کتاب اپنی وفات ۱۱۵۵ھ سے ۴۴ سال قبل لکھی تھی۔ یہ دراصل فارسی نثر کے ایک رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو[56] میں موجود ہے۔

نور نامہ بہت ہی طویل ہے اور اس میں بعد کو کسی اور شاعر احمدؔ نے ۱۱۳۶ھ میں کئی سو ابیات کا اضافہ کیا ہے۔ شاعر نے اپنا نام اور سنہ تاریخ وغیرہ اس طرح لکھا ہے۔

الہی یو نسخے کی برکت ستے
بلا اور آفت گنا ہاں ستے
گناہگار احمدؔ کوں مغفور کر
کرم لطف سوں اپنے بھی پیار کر
جو مومن مسلمان دیندار ہیں
شفاعت کوں تیرے امیدوار ہیں
انو کوں بھی کر مغفرت یا الٰہ
کرم ہور نعمت ستے یا الٰہ
مرتب ہوا نور نامہ تمام
نبی پر ہزارراں درود وسلام
کہ تاریخ اس کا کہا یو نقل
کیا مشتہر نامہ یو بے بدل

۱۱۳۶ھ

عدد بیت کے پانچ سو ہور بیس
مرتب کیا نور یوم الخمیس
مرتب ہوے پر پڑو فاتحہ
باروا ح حضرت نبی خاتمہ

شاہ عنایت احمدؔ نے نور نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

نیهه درپن :

مصنف کا نام سید احمد ہنؔر ہے۔

سید احمد نام اور ہنؔر تخلص تھا۔ یہ دکن کے مشہور شاعر سید محمد عشرتی کے فرزند تھے۔ بعض کتابوں میں ان کا نام سید احمد خان لکھا گیا ہے۔ خان ان کا خطاب تھا ورنہ وہ نسباً پٹھان نہیں بلکہ سید واقع ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد سے اکتساب علم کیا۔ نہایت لائق وفائق تھے۔ شعروسخن اور تصنیف وتالیف کا ذوق ورثے میں پایا تھا۔ سلطنت آصفیہ کے منصب داروں میں شامل تھے۔ ہنر کے بھتیجے سید احسان علی اپنی ضخیم مثنوی "گلشن احسان" (۱۱۶۹ھ) میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سید احمد ہنر اپنے والد عشرتی کی طرح نامور اور معزز تھے۔ سرکار آصفیہ نے انھیں خطاب اور جاگیر سے سرفراز کیا تھا۔ کئی ایک تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ دکھنی میں ان کی دو مثنویاں مشہور ہیں۔

(۱) نیہہ درپن (۲) اوتار بن

نیہہ درپن کا سال تصنیف ۱۱۴۴ھ ہے۔ مثنوی کے خاتمے پر ہنر نے صوری ومعنوی دونوں طریقوں سے اس کے سن تصنیف کی وضاحت کی ہے۔

ستیا مج نیہہ درپن یو جھلکار
اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار
ہوا جب کامل اس کا نظم ہر حال
زمانے نے کیا مچ بھوت خوشحال
کہیا تاریخ یورخ نج رخن کا
{کہیا تاریخ یورخ نج سخن کا}
یو نو تحفہ مبارک لے ہنر کا

۱۱۴۴ھ ۱۷

آخری مصرع سے سالم الاعداد تاریخ ۱۱۴۴ھ برآمد ہوتی ہے۔

مخزنِ عشق :

مخزن عشق کے مصنف کا نام وجدؔی ہے۔ دکنی ادب کی تاریخ میں مغلیہ دور کا ایک باکمال شاعر وجدؔی ہے ان کا نام وجیہہ الدین اور تخلص وجدؔی تھا۔ اگر چہ صوفی منش شاعر تھے۔ مگر بالکلیہ تارک الدنیا نہیں تھے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور رومانی زندگی سے واقف تھے۔ وجدؔی ایک خوشحال، خوش فکر اور فارغ البال شاعر تھے۔ ان کی شاعری سے اس زمانہ کے تمدن اور تہذیب، رسم و رواج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ انھوں نے کسی کی تعریف اور مدح میں اپنا زور قلم صرف نہیں کیا، حکمت ان کا پیشہ تھا۔

ان کی تین مثنویاں مشہور ہیں۔ پنچھی باچھا، تحفہ عاشقاں اور مخزن عشق

پنچھی باچھا شیخ فرید الدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے۔ اس کو ۱۱۳۱ھ میں وجدؔی نے دکھنی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اس مثنوی کے ۳۶۵۰ شعر ہیں۔ وجدؔی نے شیخ عطار کی مثنوی کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ بہت کچھ کمی و بیشی اور ترمیم کردی ہے۔ اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۴۴ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۱۸] میں موجود ہے۔

مصنف نے سنہ تصنیف کا اظہار آخر کی ان اشعار میں کیا ہے۔

اچھو نت یو قصا مقبول ار باب
بحق مصطفٰے و آل و اصحاب
اگر تاریخ کا ہے دل منے عشق
کر ابجد سوں حساب "مخزن عشق"
نکال اس نے عدد وجدؔی کے تو لیں

رہیں گے تب اگیارہ سو چوالیس

مخزن عشق کے اعداد ۱۱۶۷ ہوتے ہیں۔اس میں سے (۲۳) منہا کرنے پر ۱۱۴۴ھ بر آمد ہوتے ہیں۔اس حساب سے مخزن عشق کا سنہ تصنیف ۱۱۴۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تاریخ صنعت تخرجہ میں ہے۔

باغِ جانفزا :

مثنوی باغ جانفزا بھی وجدی کی تصنیف ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۱۴۵ھ ہے۔ یہ تاریخ باغ جانفزا سے بر آمد ہوتی ہے۔مثنوی کے دیباچے میں وجدی سے تاریخ تصنیف کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

یوں ہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہونہیں

تاریخ جس کے ختم کا آیا ہے باغ جانفزا

۱۱۴۵ھ

پنچھی باچھا :

پنچھی باچھا کے مصنف کا نام وجدؔی ہے۔ یہ ان کی مشہور تصنیف ہے جو پنچھی باچھا اور پنچھی نامہ سے موسوم ہے۔مثنوی ''پنچھی باچھا'' کے جس قدر کثیر قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں اس قدر شدیدان کے سنہ تصنیف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔گارساں دتاسی نے تحریر کیا ہے کہ پنچھی باچھا ۱۱۴۴ھ میں تکمیل کو پہنچی ۔بیلوتھیک مدمارگن لیا ندوش گیشل شافٹ میں اس کا جو مخطوط ہے اس سے ۱۱۱۵ھ میں تصنیف ہونا معلوم ہوتا ہے[۹]

کتب خانہ سالار جنگ مخزونہ پنچھی باچھا کے مخطوطوں میں سنہ تصنیف کا جو اختلاف ملتا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

ا۔مخطوطہ ۲۰ (تصوف واخلاق)۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب

تب ہوا میزان میں کیا خاصی کتاب

۲۔مخطوطہ۲۱،مخطوطہ۱۲۲اور مخطوطہ۱۸۱، مادّہ تاریخ مطابق مخطوطہ ۳۰

۳۔مخطوطہ۱۶۸(تصوف واخلاق)۔

جب کیا تھا گنج کا دل میں حساب

تب ہوا میزان میں خاصا کتاب

۴۔مخطوطہ۲۰۱۳اور مخطوطہ۳۲۷(تصوف واخلاق)۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب

تب ہوا میزان میں کیا خاصا کتاب

کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ (۹) کے منجملہ ایک نسخہ ناقص الآخر ہے۔چار مخطوطوں میں مادّہ تاریخ کیا خاصی کتاب ہے جس سے ۱۱۵۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ایک نسخہ میں مادّہ تاریخ خاصا کتاب ہے جس سے سال ۱۱۱۵ھ برآمد ہوتا ہے۔دونسخوں میں مادّہ تاریخ خاصی کتاب ہے جو ۱۱۲۴ھ کا مظہر ہے ایک نسخہ میں مادّہ تاریخ کیا خاصا کتاب ہے جس سے ۱۱۴۶ھ برآمد ہوتا ہے۔اور ایک نسخہ جس کا مخطوطہ ۳۱۰ ہے وہ ناقص الآخر ہے مادّہ تاریخ میں ان اختلافات کے باوجود نصیر الدین ہاشمی نے کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست میں پنچھی باچھا کا سال تصنیف ۱۱۳۱ھ لکھا ہے۔[۱۲]

کتب خانہ آصفیہ میں مخزونہ پنچھی باچھا کے قلمی نسخوں میں بھی سنہ تصنیف کا یہی اختلاف نظر آتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مخطوطہ۳۴قصص۔مخطوط۳۵۵جدید مخطوط ۳۵۱۰اور مخطوطہ۳۵۷۱جدید۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب

تب ہوا میزان میں کیا خاصی کتاب

(۲) مخطوطہ ۵۲۴ تصوف۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں خاصی کتاب

(۳) مخطوطہ ۱۶۵ تصوف۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں خاصا کتاب

(۴) مخطوطہ ۱۰۱۴

جب کیا تاریخ کادل میں حساب
تب ہوا میزاں میں کیا خاصا کتاب

مذکورالصدرسات کے منجملہ چار قلمی نسخوں میں مادّہ تاریخ کیا خاصی کتاب ہے جس سے ۱۱۵۵ھ بر آمد ہوتا ہے۔ باقی تین نسخوں میں مادّہ تاریخ کے لئے خاصی کتاب، خاصا کتاب اور کیا خاصا کتاب کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے علی الترتیب ۱۱۲۴ھ، ۱۱۱۵ھ، اور ۱۱۴۶ھ بر آمد ہوتے ہیں۔ سنین کے اس اختلاف کے باوجود نصیرالدین ہاشمی نے اس کتب خانہ کی وضاحتی فہرست میں بھی پنچھی باچھا کا سنہ تصنیف ۱۱۳۱ھ متعین کیا ہے۔[۲۱]

کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو میں مخزونہ پنچھی باچھا کے نو قلمی نسخوں کا تعارف ڈاکٹر زور نے تذکرۂ مخطوطات جلد اول (ص ۶۲، ۶۰، ۱۱۲) جلد دوم (ص ۴۰/ ۸) جلد سوم (ص ۴۹، ۲۳۷) اور جلد چہارم (ص ۷۱، ۷۰) میں کرایا ہے۔ ان مخطوطات کے علاوہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو میں مخزونہ پنچھی باچھا کے مزید چھ نسخوں کا تعارف محمد اکبر الدین صدیقی اور ڈاکٹر محمد علی اثر نے تذکرہ مخطوطات جلد ششم[۲۲] میں کرایا ہے۔

ان مخطوطات میں مثنوی پنچھی باچھا کے سال تصنیف کے اختلافات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مخطوطہ ۱۵۸

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں کیا خاصی کتاب

۱۱۵۵ھ

(۲)مخطوطہ ۵۸

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں کیا خاصا کتاب

۱۱۵۰ھ

(۳)مخطوطہ ۴۰۱

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں کیا خاصا کتاب

۱۱۱۹ھ

ان اختلافات کے باوجود ڈاکٹر زورؔ نے ان کی مخطوطات کی تشریح میں ہر جگہہ اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ درج کیا ہے۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان (کراچی) میں مخزونہ پنچھی باچھا کے قلمی نسخوں کی تشریح افسر صدیقی نے مخطوطات انجمن ترقی اردو جلد چہارم (ص ۲۶۹، ۲۵۶) میں کی ہے۔ اس کے مطابق بارہ کے منجملہ دو مخطوطے ناقص الآخر ہیں اور ایک ناقص الطرفین ہے۔ ایک میں بیت تاریخ اس طرح مرقوم ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں کیا خاصی کتاب

۱۱۲۴ھ

باقی آٹھ نسخوں میں جن کے اختتامیہ میں یکسانیت پائی جاتی ہے تاریخی شعر یوں مندرج ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں کیا خاصی کتاب

۱۱۵۵ھ

افسر صدیقی نے ۱۱۵۵ھ کا اعتبار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے فہرست نے بھی سال تصنیف ۱۱۵۵ھ بیان کیا ہے۔[۴۳]

کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند (علیگڑھ) میں پنچھی باچھا کے چار قلمی نسخے مخزونہ ہیں جن کے نمبر علی الترتیب اخلاقیات ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ ہیں۔ کتب خانہ مذکور کی فہرست کے مرتب نے پہلے دو نسخوں کے محاذی سنہ تصنیف قبل ۱۱۴۲ھ اور دوسرے دو کے آگے ۱۱۴۶ھ درج کیا ہے۔[۴۴]

انڈیا آفس لائبریری میں پنچھی باچھا کا ایک مخطوطہ "منطق الطیر" کے نام سے موجود ہے۔ کیٹلاگ میں بھی اس کا یہی نام درج ہے۔ بلوم ہارٹ نے اس کا سن تصنیف ۱۲۳۱ھ بتایا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی اس سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو نسخہ کتب خانہ نواب کلیانی کے
کتب خانہ (کذا) میں ہے، اس سے بھی
۱۱۳۱ھ کی تصدیق ہوتی ہے"[۴۵]

ہاشمی صاحب لکھتے ہیں۔ کتب خانہ آصفیہ کے قلمی نسخے سے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۵ھ ظاہر ہوتا ہے جہاں شعر اسطرح درج ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزان میں کیا خاصی کتاب

بلوم ہارٹ نے ۱۱۳۱ھ اسی شعر سے نکالے ہیں جس سے مولف اردوئے قدیم نے ۱۱۴۶ھ اخذ کیا ہے۔

البتہ پروفیسر عبدالقادر سروری مرتب فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ، کیٹلاگ آف دی ہندوستانی مینوسکرپٹس کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کا جو نسخہ موجود ہے اس میں دوسرا مصرع یوں ہے۔ "تب ہوا میزان میں یوخاصا کتاب" جس سے ۱۲۳۱ھ (کذا) تاریخ تصنیف نکلتی ہے یہ تاریخ یوخاصا کتاب سے نکلتی ہے۔"[26]

سروری صاحب کو تسامح ہوا ہے۔ مذکورہ مادہ سے ۱۲۳۱ھ نہیں بلکہ ۱۱۳۱ھ بر آمد ہوتے ہیں۔ پنچھی باچھا کے قلمی نسخوں میں سن تصنیف کے اس عجیب وغریب اختلاف کی وجہ سے دکنی محققین کے ہاں اس سن تصنیف مختلف وجہ سے جیسے شمس اللہ قادری اسے ۱۱۴۶ھ کی تصنیف مانتے ہیں۔[27] ڈاکٹر زور بھی اسی کے سوید نظر آتے ہیں۔[28] نصیر الدین ہاشمی نے بلوہارٹ کے تتبع میں ۱۱۳۱ھ کا اعتبار کیا ہے۔[29] سید محمد مرتب پنچھی نامہ بھی ۱۱۴۶ھ کے قائل ہیں۔[30] ہمارے نزدیک پنچھی باچھا کا سن تصنیف ۱۱۵۵ھ درست ہے جو کیا خاصی کتاب سے بر آمد ہوتا ہے۔ اس مثنوی کے زیادہ تر قلمی نسخوں میں یہی مادہ تاریخ درج ہے۔

کشف الخلاصہ :

اس کتاب کے خاتمے کے باب میں بتایا گیا ہے کہ خلاصہ کا مصنف نام ونمود کا خواہاں نہ تھا اس لئے اپنا نام ظاہر نہیں کیا شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس کا تخلص ہندی ہو جو اس نے قطعہ تاریخ والی بیت کے دوسرے مصرع میں لکھا ہے۔

اس میں ہندی سے مراد اسے ہندی ہو سکتی ہے یہ کا اشارہ سال کی طرف ہے اور کشف

الخلاصہ مادۂ تاریخ ہے کشف الخلاصہ کے اعداد ۱۱۵۷ ہوتے ہیں۔یہی سنہ تحسین سروری صاحب کے خیال میں صحیح ہےاور ہندؔی کو تخلص ماننے کی حالت میں یہ سنہ تصنیف زیادہ صحیح ہوجاتا ہے۔

یہ فقہ کی مشہور کتاب ہے جو متعدد مرتبہ مختلف مطابع سے شائع ہوچکی ہے۔اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میںاور مختلف کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔اس کا سنہ تصنیف ۱۱۵۷ھ ہے۔جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے

ختم پر گزرے تھے جو ہجرت کے سال
ہندی یہ ''کشف الخلاصہ'' سے نکال

۱۱۵۷ھ

ریاض غوثیہ :

ریاض غوثیہ کے مصنف کا نام غوثؔی ہے۔

دکن کے ارکاٹی شعراء میں غوثی ایک اہم مقام کے حامل ہیں۔ان کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے۔سب سے پہلے نصیر الدین ہاشمی نے مدراس میں اردو میں ان کا مختصر سا ذکر کیا ہےاور سب سے زیادہ مغالطے کا شکار بھی وہی ہوئے ہیں۔غوثی کی مثنوی ریاض غوثیہ کے ایک مخطوطے مخزونہ کتب خانہ سالا جنگ کی تشریح کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں۔

شاہ غوثی حیدر آباد کے شاعر ہیں چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔دکن میں ایک اور غوثؔی گزرے ہیں جن کا تعلق مدراس سے تھا اور وہ غوث جامی سے موسوم تھے۔''ریاض مسعود''ان کی مثنوی بھی مشہور ہے۔یہ (مصنف ریاض غوثیہ) دوسرے غوثی ہیں جن کو حیدر آباد سے تعلق تھا۔

غوثی کے والد کا نام ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال مصنف مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما نے ماخذ کے حوالے کے بغیر احسن اللہ خاں بابطی بتایا ہے۔ان کے بیان کے مطابق وہ ایک منصبدار تھے۔مثنوی ریاض غوثیہ کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غوثی کے والد بھی شاعر تھے وہ افصحؔی تخلص

کرتے تھے اور انھوں نے نوبہار کے نام سے کوئی کتاب تصنیف کی تھی۔ یہ (۱۵۷۶۰) اشعار کی ایک طویل مثنوی ہے۔غوثی نے اس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سوانح حیات ،مناقب اور کمالات بیان کئے ہیں۔ریاض غوثیہ ایک فارسی مثنوی ''مناقب غوثیہ'' کا ترجمہ ہے جسے مصنف نے اپنے دوست غلام محی الدین کی ترغیب وتحریک پر سرانجام دیا۔نصیر الدین ہاشمی نے ریاض غوثیہ کا سنہ تصنیف ۱۱۹۱ھ قرار دیا ہے۔[۳۲] حالانکہ خود غوثی نے اسے ۱۱۶۹ھ بتایا ہے۔انھوں نے ''عندلیب باغ'' سے اس مثنوی کی تاریخ برآمد کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

باغ یوباغاں کوں سارے داغ ہے
اس کی تاریخ عندلیب باغ ہے
۱۱۶۹ھ

دیوان تراب :

دیوان تراب کے مصنف کا نام شاہ تراب ہے.ان کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔شاہ تراب کے دیوان کا واحد مخطوطہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۳۳] میں محفوظ ہے۔

شاہ تراب کے دیوان کا سنہ تصنیف ۱۱۷۰ھ ہے۔مصنف نے صوری و معنوی دونوں طریقوں سے اس کے سنہ تصنیف کی صراحت کی ہے۔

سن یکہزار ویکصد و ہفتاد تھا دیکھو
تصنیف جو کیا ہوں صفت ذوالجلال کی
دیوان ایک سال میں اتمام سب ہوا
تعریف میں تو دلبرابرو ھلال کی

تب بلبل خرد "گل خور شید" خبر دیا

۱۱۷۰ھ

خوش آئی دل کوں بات اور رنگین خیال کی

شاہ تراب نے دیوان کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری ومعنوی دونوں طریقوں سے کی ہے۔

روضتہ الاطہار :

روضتہ الاطہار کے مصنف کا نام نوازش علی خاں شیدا ہے۔

میر نوازش علی خاں شیدا کے حالات ریاض حسینی مولفہ فتوت، مرقع سخن (جلد اول) اور دکن میں اردو میں درج ہیں۔شیدا کے سنین ولادت ووفات کا ٹھیک طور پر علم نہیں ہو سکا۔البتہ میر سعادت علی رضوی نے قرائن سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ۱۱۴۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔اور ۱۲۱۰ھ کے قریب انتقال کیا۔تذکرہ ریاض حسینی سے پتہ چلتا ہے کہ حیدرآباد شیدا کا مسکن وماویٰ تھا۔

آصفجاہ ثانی نواب میر نظام علی خاں بہادر کے عہد سلطنت میں شیدا خانسامانی یا بقول بعض میر سامان کے ممتاز عہدے پر فائز تھے۔آصفجاہ ثانی نے اورنگ آباد کے بجائے حیدرآباد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تو شیدا یہاں کی قدیم عمارات کی ترمیم اور نئے محلات کی تعمیر کے نگران کار مقرر ہوئے۔شیدا بادشاہی عاشور خانہ کے منتظم تھے۔یہ عاشو خانہ جسے محمد قلی قطب شاہ نے تعمیر کروایا تھا اورنگ زیب کی فتح کے بعد ویران ہو گیا تھا۔شیدا کی کوششوں سے اس کی مرمت ودرستگی ہوئی۔عاشور خانے اور علم ومغفر کی نگرانی کے علاوہ شیدا نے حیدرآباد میں عزاداری ومرثیہ خوانی کی ترویج اور شعبہ آثار کی حفاظت کے لئے سرگرم کوشش کی۔

شیدا نہایت قادرالکلام اور پر گو شاعر تھے۔ان کی دو ضخیم مثنویاں مشہور وموجود ہیں۔

(۱) روضتہ الاطہار (۲) اعجاز احمدی۔

مثنوی روضۃ الاطہار کا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ ہے جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے۔

ہوا جب ختم یہ مضمون ماتم
کہا تاریخ ہاتف "مجلس غم"
۱۱۷۳ھ

کیا چاہو تم آسانی سیں ازبر
اگیارہ سو پہ سن تھا تب تہتر
[۳۴]

اعجاز احمدی :

یہ شیدا کی دوسری تصنیف ہے۔ روضۃ الاطہار سے اس کی ضخامت زیادہ ہے اور یہ اس کے تیرہ سال بعد لکھی گئی۔ اس کا موضوع آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ و حیات مقدمہ ہے۔
سروری صاحب نے وضاحتی فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ میں اعجاز احمدی کا سن تصنیف ۱۱۸۷ھ بتایا ہے۔[۳۵] جب کہ خود مصنف نے اس کا سال تصنیف ۱۱۸۶ھ قرار دیا ہے اور اس کی نشاندہی اس طرح کی ہے۔

اے شیدا تواریخ لکھ اوسکی اے
کرے ختم کا سال دریافت سب
کتاب یہ نبیؐ پاس ہووے قبول
تو تاریخ لکھ اس کی فیض رسول
۱۱۸۶ھ [۳۶]

شیدا نے اعجاز احمدی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

منصور نامہ :

منصور نامہ حسین حلاج کی داستان حیات ہے جسے فیاض تخلص کے کسی شاعر نے نظم کیا ہے۔اس میں کل اشعار ۴۵۶ ہیں۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے منصور نامہ کے نام سے ایک داستان لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۲۹ میں محفوظ ہے۔

اس داستان کا سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے۔جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے۔

وہی تاریخ پہ مصرع اصدق
شہ طیفور منصور انا الحق

۱۱۹۹ھ

ان اشعار میں معنوی تاریخ ۱۱۹۹ھ تو واضح ہے لیکن اس شعر کے مصرعہ ثانی ''شہ طیفور منصور انا الحق'' کے الفاظ مادّہ تاریخ ہیں لیکن بحساب جمل ان ۱۱۸۷ کے عدد برآمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر بارہ کم ہیں۔

فیاض نے منصور نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

بہار ستان عشق :

بہارستان عشق غلام اعز الدین مستقیم جنگ نامی کی تصنیف ہے۔

اس مثنوی میں نامی نے لیلیٰ مجنوں کی داستان نظم کی ہے۔نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ یہ مثنوی نظامی کی فارسی لیلیٰ مجنوں کا ترجمہ ہے۔اس میں شک نہیں کہ نامی نے نظامی کی خوشہ چینی کی ہے چنانچہ سبب تالیف کے بیان میں وہ کہتے ہیں کہ مثنوی شیریں خسرو (نو بہار عشق) کی تکمیل کے بعد وہ بیکار اور اداس رہنے لگے اس زمانے میں مثنوی لیلیٰ مجنوں کی مقبولیت کو دیکھکر انھیں لیلیٰ مجنوں

کی داستان کو نظم کرنے کا خیال آیا۔

اس مثنوی کے ابتدائی ابواب میں حمد و نعت، منقبت و معراج کے عنوانات ہیں پھر ارکاٹ کے فرمانروا عمدۃ الامرا کی مدح و ستائش کی گئی ہے اس کے بعد اصل قصہ بیان کیا گیا ہے۔ بہارستان عشق کا سال تصنیف ۱۲۱۳ھ ہے۔ مثنوی کے اختتامیہ میں انھوں نے سنہ تصنیف اور مثنوی کے نام کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

دل میں کر تاریخ کا اس کے خیال
جب کیا پیر فرد سے میں سوال
یوں کہا (ہے) کھینچ کرکے آہ سرد
اس کی تب تاریخ ہے گی داغ درد
۱۲۱۳ھ
دیکھ یہ سر سبز کشت اہلِ عشق
پھر کہا ہے یہ بہشت اہلِ عشق
۱۲۱۳ھ
ہے تروتازہ جو یہ بستان عشق
نام اس کا ہے ''بہارستان عشق''

۳۸

روضتہ الاسلام :

روضتہ الاسلام کے مصنف کا نام مولوی محمد باقر آگاہ ہے۔

اس مثنوی میں فقہ شافعی کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

آگاہ کی اس مثنوی کا سنہ تصنیف ڈاکٹر افضل اقبال نے ۱۲۱۴ھ بتایا ہے جو ان کے بقول

''محمدی مذہب''اور روضہ دلنواز'' سے بر آمد ہوتا ہے۔لیکن یہ دونوں مادہ ہائے تاریخ غلط ہیں کیونکہ اول الذکر سے ۸۴۹اور موخر الذکر سے ۱۱۰۹ھ کے اعداد حاصل ہوتے ہیں۔

مثنوی کے آخر میں خود مصنف نے تین قطعات تاریخ درج کئے ہیں۔ان میں مادۂ تاریخ کی ابیات اسطرح ہیں۔

کہا سال اتمام ناگہ سروش
کہ ہے یہ عجب روضہ دلنواز

ناگہاں از سرامداد ومہ وش
بول اٹھا روضہ دین واسلام

کہا ناگاہ ہاتف از سرجد
ہے یہ بے شک محمدی مذہب

ان مادہ ہائے تاریخ سے اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۴ھ حاصل ہوتا ہے۔

یہ مثنوی دو ہزار چار سو چوبیس ابیات پر مشتمل ہے۔

ہے سب ابیات اسکے بے تلبیس
دو ہزار چارسو (پہ ہیں) چوبیس

۳۹

هفت سیر حاتم (نسخه چهارم) :

ہفت سیر حاتم کے مصنف کا نام مہماںؔ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ہفت سیر حاتم کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ ہے۔ مصنف نے ہفت سیر حاتم مثنوی کے سن کو دو اشعار میں ظاہر کیا ہے۔

جو حاتم کیا راہ مولیٰ میں سیر
ہے تاریخ بھی مقدم کار خیر
۱۲۱۵ھ

خرد نے جو یہ مثنوی خوش کہی
سو کہنے لگا ہے یہ "باغ پری"
۱۲۱۵ھ

مہماں نے ہفت سیر حاتم کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ظفر نامہ :

ظفر نامہ کے مصنف کا نام محمد حنیف ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے ظفر نامہ کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

مخطوطہ ہذا کی آخری (۵٦) اشعار کا وزن جن میں مقطع بھی ہے، کتاب کا نام بھی، اور سنہ تصنیف بھی، مثنوی کی باقی ابیات کے وزن سے مختلف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ احمد جس نے سیوک کے جنگ نامہ کے آخر میں متعدد ابیات بڑھائی ہیں ان میں بحر کا خیال نہیں رکھا۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

ہوا نامہ حنیف غازی کا اتمام
ظفر نامہ رکھا اس نظم کا نام
مدد سے کاشف بدرالدجی کی

مدسوں ہادیٔ راہ ہدا کی
ہوا تصنیف جب اے نظم روشن
تھا گیارہ سو پو بتیسواں سن
اٹھا ہجرے نبی سوں جگ میں اظہر
کہا تاریخ ہاتف "نظم گوہر"

۱۲۲۱ھ

دو جا پھر یوں کیا مجکوں سو ارشاد
کہ ہے مقبول اے نظم دل آباد

۱۲۲۱ھ

یہ عجیب بات ہے کہ تین بیتوں میں دو سنہ ظاہر کیے گئے ہیں۔ ایک بیت میں سنہ ۱۱۳۲ھ لفظوں میں ہے۔ دوسری بیت میں "نظم گوہر" مادۂ تاریخ ہے جس کے اعداد ۱۲۲۱ہوتے ہیں۔ تیسرے بیت کے دوسرے مصرع "مقبول اے نظم دل آباد" سے بھی ۱۲۲۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل تصنیف جنگ نامہ محمد حنیف کا سنہ تصنیف ۱۱۳۲ ہے اور احمدؔ کی اضافہ کی ہوئی ابیات کا سنہ ۱۲۲۱ ہے۔

حقوق المسلمین :

اس کے مصنف کا نام عارف الحسینی تخلص عارفؔ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے حقوق المسلمین کے نام سے ایک کتاب لکھا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۴۲] میں موجود ہے۔

عارف حسینی تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے حقوق المسلمین کے سنہ

تصنیف کے قطعات خود کہے ہیں جو یہ ہیں:

فضل حق سے جب کیا ختم کتاب
تب کہا میں عقل سے اے نکتہ یاب
اس کی کہہ تاریخ کچھ فی الفور تو
وہ کہے میری سے کرشکہہ غور تو
دیکھ اس دس حرف میں ہو بیگماں
یعنے در ''آیات واخبار'' اے جواں

۱۲۲۲ھ

بار ثانی پھر کیا اس سے سوال
کہہ مرے سے اور بھی کچھ حسب حال
وہ لگی کہنے کو، سن اے نیک نام
بول تو ''آج ہوا نسخہ تمام''

۱۲۲۲ھ

بار ثالث میں کہا کہہ صاف تر
نا رہے پوشیدہ تا میرے اُوپر
تب کہے مجھ سات با لطفِ کمال
یک ہزار و دو صد و باویس سال

عارف نے حقوق المسلمین کے سنہ تصنیف کی نشاندہی صوری ومعنوی دو طریقوں سے کی ہے۔

مثنوی دو دو دلیه :

مثنوی دودودلیہ کے مصنف کا نام ہمرنگ ہے۔

۳۱۴ اشعار کی اس مثنوی میں علمائے بے عمل ۔مشائخ و پر امل اور فقراء لا اصل کی ان عادات واطوار کا بیان ہے جو روح اسلام کے منافی اور اُسوۂ رسول اللہ کے خلاف ہیں۔ دودودلیہ سے مراد طلب دنیا حرص جاہ ومال ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۲۳ھ ہے۔جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے۔

پارے الماس کے یہ بتیس ہیں
ان کو آنکھوں سے دیکھنا لذّت
سال تاریخ سنئے ہمرنگ سے
دودودلیہ ہوا ہے بالذت

۱۲۲۳ھ

ان اشعار میں معنوی تاریخ ۱۲۲۳ھ تو واضح ہے لیکن دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی ''دو دودلیہ ہوا ہے بالذت'' کے الفاظ مادّہ تاریخ ہیں لیکن بحساب جمل ان ۱۲۲۴ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر ایک زیادہ ہے ۔لیکن تاریخ گویوں نے ایک کی کمی بیشی کو روا رکھا ہے۔

ہمرنگ نے دودودلیہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

سلیمان نامه :

سلیمان نامہ کے مصنف کا نام غلام اعز الدین مستقیم جنگ نامؔی ہے۔

مثنوی کے ابتدائی ابواب حمد،نعت،مناجات،مناقب سیدنا علیؓ و حسینؓ اور مدح عبدالقادر

جیلانیؒ کے لئے وقف ہیں پھر سبب تالیف کی وضاحت کے بعد اصل موضوع چھیڑا گیا ہے۔ یہ مثنوی تقریباً چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ نامی نے ۱۲۲۵ھ میں اس مثنوی کی تصنیف کا آغاز کیا اور ۱۲۲۶ھ میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

درج ذیل اشعار سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

ہوا ختم جب نسخہ دلکشا
میں تاریخ کی فکر کرنے لگا
یکایک سروش سعادت سرشت
کیا ہے ندا بوستان بہشت

۱۲۲۶ھ

جو پوچھا میں سال شروع کتاب
کہا روضہ حور سے کر حساب

۱۲۲۵ھ

کتب خانہ آصفیہ[۴۴] کتب خانہ سالار جنگ[۴۵] کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۴۶] میں سلیمان کا ایک ایک قلمی نسخہ اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں اس کے دو نسخے محفوظ ہیں۔[۴۷] اس مثنوی پر سخاوت مرزا کا ایک تفصیلی مضمون رسالہ نوائے ادب بمبئی بابتہ اپریل ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا ہے۔

قصہ ماہ روپری :

قصہ ماہ روپری کے مصنف کا نام محمد رضا خاں ہے۔

محمد رضا خاں نام اور رضا تخلص تھا، حسین دوست خاں چنداصاحب کی اولاد میں تھے، مرزا دبیر لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا، فارسی اور اردو دونوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

اس مثنوی میں شہزادہ فرخ سیر اور راحت افزا پری کی داستان نظم کی گئی ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۲۷ھ ہے۔ جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے۔

کیا جب کہ تاریخ کی جستجو
بھرے فکر تن میں مرے موبمو
سر اتحادی سے یوں ایک بار
ا
کہا مجھکو ہاتف ہے باغ بہار
۱۲۲۷ھ

ان اشعار میں معنوی تاریخ ۱۲۲۷ھ تو واضح ہے لیکن دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی "ہے باغ بہار" کے الفاظ مادہ تاریخ ہیں لیکن بحساب جمل ان ۱۲۲۶ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر اکم ہیں۔ اس میں "سر اتحادی" کے الف کے اعداد جمع کرنے سے مطلوبہ تاریخ ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

غلام محی الدین معجزؔ:

غلام محی الدین معجزؔ ندیم اللہ کے لڑکے تھے۔ تذکرۂ صبح وطن میں انھیں نامُطی اور ان کے اسلاف کا وطن مدینہ منورہ بتلایا گیا ہے۔ یوسف کوکن عمری نے معجزؔ کے والد کا نام ندیم اللہ خاں ندیم لکھا ہے۔

معجزؔ ۱۱۷۳ھ میں محمد پور (ارکارٹ) میں پیدا ہوئے۔ ایام ولادت میں ان کی والدہ اور طفلی میں والد کا انتقال ہوگیا۔ معجزؔ نے ارکاٹ میں مختلف اساتذہ سے عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی ۱۱۹۰ھ میں وہ مدراس آئے۔ یہاں ابتداء میں والد جاہ کے بڑے بھائی نواب محفوظ خاں شہامت

جنگ محفوظ نے ان کی کفالت کی۔ ان کی سر پرستی میں معجز نے مدراس کے مشاہیر علماا ساتذہ عربی وفارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

معجز نے بیدل کے دیوان اور رقعات کا مطالعہ خود بیدل کے شاگرد علی دل خاں مروت کے ہاں کیا جو ۱۲۰۰ھ میں سفر حج پر روانگی کے لئے مدراس آئے تھے۔ معجز کی فارسی دانی اور لیاقت وکمال کا شہرہ سنکر نواب امیر الامرا امیر نے انھیں اپنے فرزند نواب عبدالعلی خاں کا اتالیق مقرر کیا جو بعد میں عظیم الدولہ کے لقب سے کرناٹک کے حکمراں ہوئے۔ امیر الامرا کی وفات کے بعد نواب والا جاہ نے انھیں اپنے دامادوں اور فرزندوں کا استاد مقرر کیا۔

۲۴/شوال ۱۲۲۹ھ کو معجز نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ میلا پور (مدراس) میں ان کا کالبد خاکی سپرد لحد کیا گیا۔ ان کے فرزند غلام عبدالقادر ناظر نے تاریخ کہی

ہاتفم گفت بالب افسوس

سال مرگ پدر کہ درد عظیم

۱۲۲۹ھ=۱+۱۲۲۸

۷۹

گنج قدرت :

گنج قدرت کے مصنف کا نام غلام اعزالدین مستقیم جنگ نامی ہے۔

یہ مثنوی (۲۷۴۸) اشعار پر محیط ہے جس کے عناوین فارسی اشعار میں لکھے گئے ہیں۔

اس مثنوی میں شاہ عبدالقادر مانک پوری (م ۹۷۸ھ) مرید ومجاز شاہ محمد غوث گوالیاری کے حالات واسفار اور کرامات نظم کی گئی ہیں۔

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف کی وضاحت درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

بنی جب یہ کتاب با سعادت

رکھا میں نام اس کا گنج قدرت
کیا میں فکر تاریخ لطامت
کہا ہاتف نے اشعار کرامت

۱۲۳۳ھ

نامی کی اس مثنوی کے دو مخطوطے کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اور ایک مخطوطہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان کا مخزونہ ہے۔ یہ مثنوی ۱۲۶۸ھ مدراس سے شائع ہوچکی ہے۔

نامیؔ نے گنج قدرت کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

تحفتہ المذاہب :

تحفتہ المذاہب کے مصنف کا نام کمترؔ ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔ اس نے تحفتہ المذاہب کے نام سے ایک نظم لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

کمتر غالباً مدراس کے باشندے تھے یا وہاں قیام رکھتے تھے۔

مصنف نے "داغ بر دل" سے تاریخ تصنیف ۱۲۴۱ھ برآمد کی ہے۔

اس کی تاریخ کا کیا جو حساب
داغ بر دل دیا یہ نظم کتاب

۱۲۴۱ھ

گرچہ ہے مختصر یہ نظم کلام
وے نشتر ہے بر دلِ ظلاّم

کمتر نے تحفتہ المذاہب کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

ریاض السیر:

ریاض السیر کے مصنف کا نام غلام محمود حسرت ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے ریاض السیر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔

اس میں اول حمد،نعت، حالات معراج حضرت جیلانیؒ کی مدح،اپنے مرشد شاہ ابوالحسن کی ستائش سبب تالیف کے بعد اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مرشد نے اپنے فرزند شاہ عبداللطیف کو کیا کیا نصیحتیں فرمائیں۔پھر نفس مضمون شروع ہوا ہے۔مصنف نے واضح کیا ہے "ذوقی" کی فارسی کتاب کا یہ دکھنی ترجمہ ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۱۲۴۷ھ ہے۔اختتام پر تاریخ کی صراحت اس طرح کی ہے۔

یہی ہے وہ تاریخ بس جانفزا
زہے معجز خاتم انبیا

۱۲۴۷ھ

لے آیا ساقیا ساغر غم گسار
کہ بے ذوق کردے ہے مجھ کو خمار
پیو نام لے کر علی کا مدام
رہو مست و مدہوش ہی تا مدام

ان اشعار میں معنوی تاریخ ۱۲۴۷ھ تو واضح ہے لیکن پہلے شعر کے مصرعہ ثانی "زہے معجز خاتم انبیا" کے الفاظ مادہ تاریخ ہیں بحساب جمل ان سے ۱۲۴۷ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔

غلام محمود حسرت نے ریاض السیر کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی

ہے۔

کرامات نامہ :

کرامات نامہ کے مصنف کا نام دائم ہے۔

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے کرامات نامہ کے نام سے

ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ ہے جس کی نشاندہی مصنف نے قطعہ تاریخ میں کی ہے۔

آخری مصرع سے تاریخ تصنیف برآمد ہوتی ہے۔

کیا فکر تاریخ سال بنا
سخن یہ مرا جب کہ دل نے سنا
کہا 'دے' یہ تاریخ دلپذیر
کرامات نامہ ہے پیر ان پیر

۱۲۴۸ھ

دائم نے کرامات نامہ کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

چار باغ احمدی :

چار باغ احمدی کے مصنف کا نام شیخ حسرت کرنولی ہے۔

مصنف کا نام شیخ احمد والد محمد علی ابن عبدالصانع صدیقی ہے۔وہ حسرت تخلص کرتے تھے

وطن قمر نگر المعروف کرنول تھا مگر حیدرآباد چلے آئے تھے۔

حسرت بڑے پرگو اور کثیر الکلام تھے۔انھیں شاعری میں حافظ شمس الدین فیض سے تلمذ تھا

نظم میں گلدستہ قصائد نعتیہ اور دیوان عاشقانہ (تصوف و عرفان) مجموعہ مناقب مجموعہ مراثی ۔ چار گل جس میں خلفائے راشدین کا حال ہے اور مثنوی رنگین سخن بہ جواب بدر منیر و بے نظیر یادگار ہیں ۔ نثر میں چار باغ احمدی ۔ چار چمن شہادت ۔ چار گلشن غوثیہ کے سوا مقراض الامراض، قاتل الامراض، عدد الامراض اور رد الامراض چار کتابیں طب کی بھی تصنیف کی تھیں۔

۲۵/شعبان المعظم ۱۲۷۸ھ کو نماز عشاء ادا کر رہے تھے کہ ایک قعدہ میں روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی ۔ اس وقت آپ کی عمر ۹۹ سال کی تھی۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان[۵۵] میں موجود ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۲۷۰ھ ہے جس کی نشاندہی مصنف نے اس طرح کی ہے۔

بیاں چار باغ احمدی اب
۱۲۷۰ھ
مفصل ہووے حسرت سے رقم کب
اگر چہ یہ بیان مختصر ہے
پہ ہر اک معتقد کو پراثر ہے
محبت اس چمن سے گر کروگے
یقین جانو کہ جنت میں رہو گے
ادب سے تم جھکا کر سر عزیزو
پڑھو صلوات حضرت پر عزیزو

حسرت نے چار باغ احمدی کے سنہ تصنیف کی نشاندہی معنوی تاریخ کے ذریعہ کی ہے۔

من سبد :

اس کے حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ہیں۔اس نے من سبد کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

اس کا سنہ تصنیف ۹۵۰ھ ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

من سبد ایک مثنوی ہے۔شیخ ملتانی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کی وفات ۹۲۵ھ میں ہوئی مصنف من سبد نے بھی یہی سنہ وفات نظم کیا ہے جو صوری بھی ہے اور معنوی ہے۔

جو دنیا سے گئے جو شاہ کامل
جمعہ کا فطر کا تھا روز فاضل
یو نو سو پر اتہا بیس تیس کا سن
زمین ہوئی جب شہ ملتان کا مدفن
ڈھونڈیا تاریخ انکی جب یو جاہل
کیاہاتف ''بموئی گشت واصل''

۹۲۵ھ

ان اشعار میں صوری تاریخ ۹۲۵ھ تو واضح ہے لیکن تیسرے شعر کے مصرعہ ثانی ''بموئی گشت واصل'' کے الفاظ مادہ تاریخ ہیں لیکن بحساب جمل ان ۹۰۵ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر ۲۰ کم ہیں۔

قطعہ تاریخ بِنائے مسجدِ رائے کھڑ :

رائے گھڑ احمد آباد گجرات کا ایک قدیم قصبہ ہے۔یہاں اردو زبان کا سب سے قدیم کتبہ دستیاب ہوا ہے۔یہ کتبہ ایک مسجد پر نصب ہے جو گجری کے مشہور صوفی شاعر شاہ علی محمد جیو گام دھنی کے

مزار کے احاطے میں ہے۔اس کتبے کے تاریخی اشعار یہ ہیں۔

فناؤ نیں سمجھائے کر باندھے شاجی پال
بانو مسجد کے تیئں ہیچیں ملک جلال
تاریخ اس میت کی ہوئی سویوں مشہور
مسجد جامع کے بیچ ڈھایا بے نور

آخری مصرع سے ۹۶۳ھ نکلتا ہے۔

میاں خوب چشتی: احمد آباد (گجرات)

گجری زبان میں مثنوی خوب ترنگ لکھی۔یہ شیخ کمال محمد سیستان کے مرید تھے۔مثنوی میں اپنے مرشد شیخ کمال محمد کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے۔

کہ تاریخ تھوں کی خوب
جن عدد ذاکر محبوب
۹۷۹ھ

کتاب کا سنہ تصنیف ۹۸۶ھ ہے۔

نسخہ کی تاریخ اس تھا نہ
پاے عدد ہر مصرع مانہ
خوب محمد گنے بچار
چودہ گھاٹ اوس برس ہزار

یعنی ہزار میں سے چودہ کم یعنی ۹۸۶ھ۔جیسا کی پہلے شعر میں اشارہ کیا ہے دوسرے شعر کے ہر مصرع سے بحساب ابجد یہی سنہ نکلتا ہے۔

سنہ کے ساتھ تاریخ اور دن بھی بتا دیا ہے۔

دو جا چاند سوتھا شعبان

دیس دوشنبہ کیا بیان

''خوب تھے''۱۰۲۳ھ خوب محمد چشتی کا سال وفات ہے۔[۱۸]

سخنوران گجرات :

شیخ وجیہہ الدین کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے نام میں شیخ سے تاریخ ولادت ۹۱۰ھ

وجیہہ الدین سے عمر ۸۸ سال

شیخ وجیہہ الدین سے سال وفات ۹۹۸ھ بر آمد ہوتا ہے۔لیکن حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ شیخ سے سال ولادت ۹۱۰ھ تو بر آمد ہوتا ہے لیکن وجیہہ الدین سے ۸۸ اور شیخ وجیہہ الدین سے ۹۹۸ھ بر آمد نہیں ہوتا۔ از روے حساب وجیہہ الدین سے ۹۵ اور شیخ وجیہہ الدین سے ۱۰۰۵ھ بر آمد ہوتا ہے۔

(شاہ) شیخ وجیہہ الدین ولادت ۹۱۰ھ یا ۹۱۱ھ

(مرید شاہ محمد غوث گوالیلری) وفات ۹۹۸ھ عمر ۸۸

شیخ سے تاریخ ولادت ۹۱۰

وجیہہ الدین سے عمر ۸۸ سال (درحقیقت ۹۵ سال)

شیخ وجیہہ الدین سے سال وفات ۹۹۸ھ (درحقیقت ۱۰۰۵ھ)

مادہ تاریخ وفات قاضی محمود بحری :

قاضی محمود بحری کے والد کا نام بحرالدین تھا۔اسی لئے قاضی صاحب نے اپنا تخلص بحری رکھا تھا۔بحرالدین قاضی دریا کے لقب سے موسوم تھے،آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔قاضی محمود بحری نے طویل عمر پائی ۔ انھوں نے وقت کے عظیم حوادث اور دہر کے عجیب

انقلابات کا مشاہدہ کیا۔انھوں نے بیجاپور اور گولکنڈے کی خوش حالی اور خلفشار بھی دیکھا،راجگان بیدر اور عالمگیر سخت معرکے اور پامالی کے عینی شاہد تھے۔تغیر نہاد زمانے کے نیرنگیوں کی سیر کرتے ہوئے بحری نے بعمر ۱۰۸ سال ۱۰/شوال ۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں وفات پائی اور اپنے مرشد شاہ باقر کی چوکھنڈی میں آسودۂ خاک ہوئے۔جس کی تعمیر خود بحری نے کرائی تھی۔بحری کا مزار موضع گوگی میں واقع ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی گوگی کو مدراس کا علاقہ لکھا۔[۵۹] جو صحیح نہیں گوگی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ کرناٹک میں واقع ہے۔قطعہ تاریخ وفات کے آخری شعر کا مصرع ثانی مادہ تاریخ ہے۔

گوش کردم ندائے رحلت او
داخل مجلس رسول اللہ

۱۱۳۰ھ

۶۰

قطعئہ تاریخ وفات سراج اورنگ آبادی :

سراج اورنگ آبادی دکنی شعروسخن کی بزم کی آخری شمع تھے۔تحفۃ الشعراء چمنستان شعرا اور تذکرہ شعرائے دکن میں ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں۔دیگر تذکروں میں مختصراً درج ہیں۔ان کا پورا نام سید سراج الدین اور تخلص سراج ہے۔شاہ سراج کے نام سے مشہور تھے۔نسباً سادات حسینی سے تعلق تھا۔ان کے اجداد مشائخین میں سے تھے۔شیخ چاند نے انھیں شاہ طاہر محدث پٹن کی آل سے بتایا ہے۔تاقساں نے سراج کے والد کا نام سید درویش بتایا ہے۔آگے وہ لکھتا ہے کہ ابتدا میں سراج نے پیشہ سپہگری اختیار کیا لیکن بعد میں ترک دنیا کر کے درویشی اختیار کر لی۔سراج اورنگ آبادی نے بالآخر پچاس کی عمر میں ۴/شوال ۱۱۷۷ھ کو باد فنا کے جھونکے نے سراج کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔انھیں کے تکیے میں تدفین عمل میں آئی۔اورنگ آباد کے مشہور شعرا نے ان کی وفات کی تاریخیں برآمد کیں۔

آزاد بلگرامی :

تاریخ وفات اوخرد گفت

ہے ہے مصباح ہند خاموش

۱۱۷۷ھ

شفیق اورنگ آبادی:

سال فوش شفیق کردرقم

روبر حماں نمود شاہ سراج

۱۱۷۷ھ

ضیاءالدین پروانہ:

ندار سید زہاتف بہ سمت پروانہ

سراج بہ فانوس قبر پنہاں شد

۱۱۷۷ھ

۱۱۷

تاریخ وفات قربیؔ :

قربیؔ دکن کے ایک مُتبّحر عالم باکمال صوفی اور خوش بیان شاعر تھے۔''تذکرہ گلزار اعظم''اور ''تذکرہ شعرائے دکن''میں ان کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ پروفیسر سید محمد فضل اللہ مرتب ''دیوان قربی''نے اپنے مقدمے میں اور ڈاکٹر یوسف کوکن عمری نے اپنی کتاب ''عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک''میں قربیؔ کے حالات وسوانح بیان کئے ہیں۔سید محمد فضل اللہ رقمطراز۔ہیں''آپ کا پورا نام سید شاہ ابوالحسن لقب رکن الدین اور تخلص قربیؔ ہے۔''لیکن آگے انھوں نے قربی کا جو شجرہ نسب نقل کیا ہے اس میں ان کا نام سید شاہ رکن الدین قربی درج ہے۔ڈاکٹر یوسف کوکن لکھتے ہیں کہ''آپ کا نام رکن الدین احمد تھا لیکن آپ سید ابوالحسن قربیؔ کے نام سے مشہور ہیں۔

قربی کا سلسلہ نسب والد کی جانب سے سیدنا حسینؓ اور والدہ کی جانب سے سیدنا حسنؓ تک پہنچتا ہے۔قربی کے والد سید عبداللطیف نقوی بھی ایک جید عالم اور بلند پایہ صوفی تھے۔انقراض بیجاپور کے سبب پیدا شدہ شورش وبدامنی کی وجہ سے انھوں نے ۱۱۲۱ھ میں اہل خاندان کے ساتھ شاہ پور کی طرف ہجرت کی۔وہاں دو سال قیام کرنے کے بعد انھوں نے سرا کی طرف کوچ کیا۔وہاں وہ زائداز دس سال مقیم رہے۔اس کے بعد مرہٹوں کی تاخت وغارت گری سے گھبرا کر ارکاٹ چلے آئے۔یہاں چندے قیام کیا پھر ویلور منتقل ہو گئے۔

قربی کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ان کے فرزند ذوقی لکھتے ہیں کہ ''وفات اودر بلدۂ ایلور درسن یک ہزار صدو ہشتا دو سہ،شب ہتیم رمضان المبارک شب پنجشنبہ پس عمر او شصت و ہفت سال باشد۔''اس بیان کی روشنی میں سنہ وفات ۱۱۸۲ھ قرار دیا تا ہے۔لیکن قربی کے عزیز شاگرد باقر آگاہ نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس سے ۱۱۸۲ھ برآمد ہوتا ہے اور یہی قطعہ قربی کے لوح مزار پر کندہ ہے جو ان کے مسکونہ مکاں المعروف بہ ''حضرت مکاں'' کے احاطہ میں مسجد کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔مادۂ تاریخ اس طرح ہے۔

''غاب قطب البلاد''

۱۱۸۲ھ

۴۳

دیوانِ تمنا :

دیوان تمنا کے مصنف کا نام اسد علی خاں تمنا ہے۔

اسد علی خاں تمنا اورنگ آباد کے باشندے میر غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد تھے۔صمصام الملک اور ارسطو جاہ کے درباری شاعر تھے۔حیدرآباد میں اقامت کرلی تھی۔اعلیٰ حضرت آصف جاہ ثانی کی مدح میں بھی قصیدے پیش کرتے تھے۔اسد علی خاں تمنا کے متعلق واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک

خوب صورت اور حسین جوان تھا اور جوانی میں اس کا انتقال ہوا، لطف النساء بیگم امتیاؔز اس کی شریک زندگی تھی، تمؔنا کا انتقال ۱۲۰۴ھ میں ہوا ہے۔

اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔

محمد علی شوق نے تمنا کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ وفات اس طرح لکھا ہے۔

لیا جب تمنا نے راہ عدم
ہوئی موجزن بحر رنج والم
کہا شوؔق نے سالِ تاریخ بہ
وفات بہشتی کر اے دل رقم

۱۲۰۴ھ

مادہ تاریخ وفات شاہ کمال :

شاہ کمال کا پورا نام سید کمال الدین اور ان کے والد کا نام سید جمال الدین تھا۔ نسباً وہ سادات حسنی الحسینی تھے۔ آبائی وطن بخارا تھا۔ سخاوت مرزا نے خاندانی شجرے (مملوکہ شاہ احمد حسین حیدر آبادی) کے حوالے سے لکھا ہے کہ شاہ کمال کے جدِ امجد نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے خاندان میں رشتۂ مناکحت، استوار کیا تھا نواب والا جاہ غلام غوث خاں اعظم نے اپنے تذکرے، گلزار اعظم، میں شاہ کمال کے مختصر حالات درج کیے ہیں۔

شاہ کمال کا انتقال ۱۲۲۴ھ میں ہوا۔ گورم کونڈہ ضلع چتور میں اپنے جدِ امجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ سخاوت مرزا نے شاہ کمال کے سنہ وفات کے دو مادہ ہائے تاریخ نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مرشد حق بیں و حق داں حق نیوش
شہ کمال اللہ میر عارفاں

سال قدسی آمد از و صلش عجیب
رہنمائے سالکیں رفت از جہاں

۱۲۲۴ھ

مرشد تحقیق دل قبلہ کمال
"تربت پیر ھدا" سال وصال

۱۲۲۴ھ

[۲۵]

ڈاکٹر منیبہ خانم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اردو میں قطعہ نگاری میں لکھا ہے کہ:

"بہر حال دکنی دور میں تاریخ گوئی کی
مثالیں تو موجود ھیں لیکن قطعات تاریخ
سے دکنی دور کا دامن تہی ھے۔" [۲۶]

لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ غالباً موصوفہ دکنی ادب کا گہرائی سے مطالعہ نہیں کیا دکنی ادب میں متعدد تاریخی قطعات ملتے ہیں۔ مثلاً

بقول ہاشمی صاحب وہ ۱۰۸۵ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے ثبوت میں یہ قطعہ تاریخ پیش کیا گیا ہے جس کے مصنف کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ضرب شمشیر سوں یہ دنیا چھوڑ
جا کے جنت کے گھر میں خوش ہو رہے
سال تاریخ آملائک نے
یوں کہے "نصرتی شہید آہے"

۱۰۸۵ھ

فہرست حوالہ جات

۱ بحوالہ ڈاکٹر زور، اردو شہہ پارے، ص ۴۷

۲ بحوالہ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ص ۱۹۸

۳ بحوالہ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص ۲۵۳

۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۲۲۴

۵ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۹۹

۶ پروفیسر عبدالمجید صدیقی علی نامہ ۱۹۵۹ء، ص ۵۵

۷ ایضاً، ص ۹۵

۸ کوی رندر پرمانند، شیوا بھارتم، (سنسکرت)، باب ۲۸، ص ۸۴

۹ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ص ۲۰۲

۱۰ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص ۳۷۶

۱۱ افسر صدیقی امرہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۹۸

۱۲ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، دکنی ادب کی تاریخ، ص ۹۳

۱۳ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ جلد دوم، ص ۸۰

۱۴ ایضاً، کتب خانہ سلار جنگ، ص ٦٦

۱۵ محمد ابرار حسین فاروقی فہرست مخطوطات اردو مشمولہ اردو ادب (سہ ماہی) علی گڑھ مارچ ۱۹۵۳ء
ص ۱۳۳

۱۶ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، ادارۂ ادبیات اردو جلد چہارم، ص ۱۹۷

۱۷ ڈاکٹر نسیم الدین فریسؔ، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مقالہ

برائے پی ایچ. ڈی ۱۹۹۵ء، غیر مطبوعہ، ص ۱۹۹

۱۸ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان جلد پنجم، ص ۲۷۹

۱۹ اردو قدیم، لکھنؤ ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۳ تا ۱۰۴

۲۰ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۲۲

۲۱ ایضاً، کتب خانہ آصفیہ جلد دوم، ص ۲۳

۲۲ محمد اکبر الدین صدیقی اور ڈاکٹر محمد علی اثر، تذکرہ مخطوطات جلد ششم، ص ۴۵، ۴۴، اور ۱۵۴، ۱۵۱

۲۳ مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد چہارم، ص ۲۵۶

۲۴ سہ ماہی رسالہ اردو ادب، علیگڑھ بابتہ جولائی ۱۹۴۴ء ص ۱۷۷

۲۵ نصیر الدین ہاشمی، یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۶۶، ۳۶۵

۲۶ فہرست کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، ص ۷۱

۲۷ اردوئے قدیم، ص ۱۰۴

۲۸ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تذکرہ مخطوطات جلد اول، ص ۶۰

۲۹ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۲۲، و نیز کتب خانہ آصفیہ جلد دوم، ص ۲۳۰

۳۰ سید محمد مرتب پنچھی باچھا مصنفہ وجدی، حیدر آباد ۱۹۵۹ء مقدمہ، ص ۷

۳۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد دوم، ص ۷۸

۳۲ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ، جلد اول، ص ۲۱۶، و نیز کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۸۹

۳۳ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد چہارم، ص ۲۱۲

۳۴ مرقع سخن، جلد اول، ص ۴۳

۳۵ فہرست اردو مخطوطات، جامعہ عثمانیہ، ص ۱۰۴

۳۶ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۹۰

۳۷ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۲۹۷

۳۸ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ جلد اول، ص ۱۲۸
۳۹ ڈاکٹر نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ مقالہ برائے پی ایچ. ڈی ۱۹۹۵ء، غیر مطبوعہ، ص ۴۷۰
۴۰ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۶۶
۴۱ ایضاً، ص ۴۴
۴۲ ایضاً، جلد دوم، ص ۱۰۵
۴۳ ایضاً، جلد اول، ص ۳۵۶
۴۴ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ، جلد اول، ص ۹۰
۴۵ ایضاً، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۱۹
۴۶ رسالہ اردو بابتہ، جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۱۷۳
۴۷ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو جلد اول، ص ۲۹۲ و نیز جلد پنجم ص ۱۳۲
۴۸ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۲۷
۴۹ ڈاکٹر نسیم الدین فریس، اٹھارھویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ مقالہ برائے پی ایچ. ڈی ۱۹۹۵ء (غیر مطالعہ) ص ۵۰۰
۵۰ سہ ماہی رسالہ اردو بابتہ، جولائی ۱۹۵۴ء، ص ۱۸۶
۵۱ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، ص ۳۵۵
۵۲ ایضاً، جلد دوم، ص ۱۷۴
۵۳ نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۸۰
۵۴ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد اول، ص ۸۱
۵۵ ایضاً، ص ۵۷
۵۶ ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۹۳

۵۷ اردوزبان کاایک قدیم کتبہ،مولوی عبدالحق،اردواپریل ۱۹۳۸ء قدیم اردو،ص ۱۷۰،۱۶۹

۵۸ مولوی عبدالحق،میاں خوب محمد چشتی رسالہ اردوجنوری ۲۹ قدیم اردو،کراچی ۱۹۶۱ء،ص ۶۹

۵۹ تاریخ ادب اردو،(جلداول)،ص ۵۲۰

۶۰ بحوالہ حکیم رئیس فاطمہ،محمد سخاوت مرزا(دکنی ادب کاایک معتبر محقق)،ص ۱۴۷

۶۱ ڈاکٹرنسیم الدین فریس اٹھارویں صدی کی دکھنی شاعری کاتحقیقی وتنقیدی مطالعہ مقالہ برائے پی،ایچ،ڈی ۱۹۹۵ء،غیرمطبوعہ،ص ۲۵۷

۶۲ انوارافطاب ویلور،ص ۳۹

۶۳ ایضاً،ص ۳۷،۳۶

۶۴ افسرصدیقی امروہوی،کتب خانہ انجمن ترقی اردوپاکستان،جلد چہارم،ص ۱۴۹

۶۵ سخاوت مرزا،سید شاہ کمال الدین مضمون مشمولہ رسالہ اردو،اپریل ۱۹۳۹ء،ص ۲۶۸

۶۶ ڈاکٹرمنیبہ خانم،اردومیں قطعہ نگاری مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی ۲۰۰۲ء غیرمطبوعہ،ص ۴۱۳

پانچواں باب :

مجموعی جائزہ

کسی لفظ ،فقرہ ،عبارت مصرع یا شعر کے ذریعہ کسی واقعہ کی خبر دینے اور مکتوبی حروف کے اعداد سے بحساب ابجد اس واقعہ کا سال بر آمد کرنے کو اصطلاح میں تاریخ کہتے ہیں اور گنتی کے اس قاعدہ کو جمل۔

تاریخ گوئی کی ابتداءزمانہ ماقبل تاریخ میں ہوئی ۔اس لیے یہ کہنا قطعیت کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ یہ فن کب ظہور میں آیا۔انسانی معاشرہ اتنا قدیم ہے کہ تاریخ اس کا احاطہ نہیں کر سکی۔ بہت سی چیزیں ہم کو روایات اور قصے کہانیوں میں ملتی ہیں اور اتنے قدیم دور سے تعلق رکھتی ہیں جب علم تحریر بھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔تمدن کی ابتداء میں انسان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ چیزوں کو شمار کرے ۔ چنانچہ اس نے علم ہندسہ ایجاد کیا۔ یہ فطرت انسانی کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کو دنیا یاد رکھے اور اس کے کارنامے اس کی زندگی کے بعد بھی تاریخ کا ایک حصہ بن جائیں ۔قدیم عمارت پر ہم اکثر سنہ تعمیر کندہ پاتے ہیں مقصد یہ ہے کہ تعمیر عمارت کی تاریخ اہلِ عالم کے سامنے قائم ودائم رہے ۔ان قدیم عمارتوں کے بنانے والے کب کے خاک کے ڈھیرے ہوئے لیکن عمارتیں باقی ہیں۔اور بنانے والے کا نام اور تعمیر کا سنہ آج بھی ہمارے پیش نظر ہے۔امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ بھی ایک امر فطری ہے کہ جس طرح عمارتوں کے بنانے والے موت کی نیند سو گئے ۔اسی طرح ان کی بنائی ہوئی عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل گئیں ۔لیکن وہ عبارات اب بھی کتابوں میں محفوظ ہیں جو ان تعمیرات کی نشاندہی کرتی ہیں۔حقیقت حال یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان مرنا نہیں چاہتا۔ جب تک کوئی شخص انسانوں کے ذہن میں موجود ہے، وہ شخص زندہ ہے۔ جب کوئی کارنامہ تاریخ کا حصہ قرار دیا جاتا ہے تو وہ جاوداں ہو جاتا ہے۔اسی لیے یہ تحریک پیدا ہوئی کہ انسانی کارناموں کو تاریخ گوئی کے ذریعے قائم وجاوداں بنایا جائے ۔اسلامی دور کے مشہور تاریخی واقعات ،فتوحات ،سنین پیدائش ووفات جلوس شاہانہ تصانیف کتب وغیرہ تاریخ گوئی کے ذریعے محفوظ ہیں۔

تاریخ گوئی علم وادب کا ایک عجیب لطیفہ ہے۔مسلمانوں کی ایجاد اور عربی ،فارسی ،اردو

کے ساتھ مخصوص، اگر چہ حروف تہجی کے اعداد مسلمانوں کیا، عیسائیوں سے بھی پہلے کے ہیں، لیکن ان اعداد سے یہ کام لینا جس کو "تاریخ گوئی" کہتے ہیں اور اس کو ایک مستقل باصول فن بنا دینا مسلمانوں کے شوق بلاغت طرازی اور شغف انشا پردازی کی اختراع بدیع کے علاوہ ان کی فرصت بے نہایت کی بھی یادگار ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی اپنی تحقیق کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"ایران میں ادب فارسی کے آغاز سے اس نوع کی تاریخ گوئی کے نمونے ملنے لگتے ہیں۔چھٹی صدی ھجری کے بعد سے تاریخ گوئی کا دائرہ وسیع ہوتاچلاگیا۔تاآنکہ ایل خانی دور اور تیموری ادوار میں اس کی اہمیت فن تعمیر کے توسط سے شعراء کی نظر میں بڑھ گئی ۔شمس العلماء مولوی ذکا اللہ فرماتے ہیں۔حضرت نظامی علیہ الرحمتہ کے زمانے سے پیشتر شعراء کے کلام میں تاریخوں کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔دہ فروغ اس کو حضرت جامی کے زمانے میں ہواھے۔ان کے بعد بہت سے شعراء نے اپنے کلام میں قواعد منضبط کئے ۔جس کے بعد پھر ان میں کوئی ترمیم وتغیر و تبدل نہیں ہوا۔"

تاریخ خزانہ،فیروزالدین،ص۴

فنِ تعمیر کے ذوق فراواں نے تاریخ گوئی کے فن کو شہرت دی۔ اس طرح دسویں صدی ہجری تک مشرقی ممالک میں اس علم کا خاصہ چرچا ہو گیا۔۔۔۔۔ برصغیر پاک و ہند میں اس فن کا نقطہ عروج ''دور ہمایوں'' سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کتبوں میں اس کا رواج ضرور تھا۔ لیکن ہمایوں کے زمانے میں تاریخ گوئی لغز و معما اور چیستا کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی تو اس فن کو بھی مقبولیت کے پر لگ گئے۔ آل تیموری کے ہاں اس کا ذخیرہ وافر پایا جاتا ہے۔ اکبر، جہانگیر، شاجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں اس صنف کو بہت ترقی ہوئی اور عمارتوں کے کتبے نیز تاریخی کتب میں واقعات کے بارے میں قطعات تاریخ بکثرت رقم ہونے لگے۔

ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر ہے۔ ابجد آٹھ کلموں پر مشتمل ہے۔

(۱) ابجد (۲) ہوز (۳) حطی (۴) کلمن (۵) سعفص (۶) قرشت (۷) ثخذ (۸) ضظغ

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ ہمارے پاس عرب شاعروں کی تاریخ گوئی کے قدیم ترین نمونے موجود نہیں ہیں۔ ہماری تاریخ گوئی کی ابتداء فارسی شاعری سے ہوتی ہے۔ تاریخ گوئی کے سب سے قدیم نمونے ایرانی شاعری میں پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد فارسی گویان ہند کی شاعرانہ کاوشوں میں ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ اردو شاعری کا دور شروع ہوتا ہے اور تاریخ گوئی کا سلسلہ فارسی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں پھیل جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ عرب شعراء نے تاریخ گوئی کی طرف ابتدا سے توجہ نہیں کی یا اگر توجہ کی تو اس کے نمونے باقی نہیں رہے یا انھوں نے شہرت حاصل نہیں کی اور وہ ہم تک نہیں پہنچے۔ ممکن ہے پرانی کتابوں میں عربی تاریخ گوئی کے قدیم نمونے ڈھونڈھ کر نکالے جا سکتے ہوں لیکن یہ شوق زیادہ تر فارسی اور اردو شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ لیکن تاریخی نام تجویز کرنے کا طریقہ اہلِ عرب میں عام رہا۔ یہ ایک خاص اسلامی طریقہ ہے پرانے زمانے میں عموماً ہر شخص کے دو نام ہوتے تھے۔ ایک نام معروف ہوتا تھا اور دوسرا تاریخی جس سے سنہ پیدائش معلوم ہو سکتا تھا۔ یہ ایک خالص عربی طریقہ کہلاتا ہے جو ہندوستان میں بھی پھیل گیا۔ لیکن تاریخی قطعات کہنے کا رواج عربی شاعری میں یا تو موجود ہی نہ تھا یا بہت کم تھا۔ فتح قسطنطنیہ کی تاریخ ایک

عربی مورخ نے یوں نکالی: بلدۃ طیبۃ (۸۵۷ھ) لیکن فارسی تاریخ گوئی کے نمونے اس تاریخ سے بہت قدیم دستیاب ہو جاتے ہیں۔ فردوسی نے اپنے شاہ نامہ کی تاریخ ۴۰۰ھ میں کہی ہے۔

زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار
کہ من گفتم ایں نامۂ نامدار

۵×۸۰=۴۰۰ھ

اور گرشاسب نامہ کی تاریخ اسدی نے ۴۵۸ نکالی ہے:

زہجرت بدورِ سپہری کہ گشت
شدہ چار صد سال و پنجاہ و ہشت

۴۵۸ھ

یہ دونوں تاریخیں صوری ہیں، یعنی شاعر نے بجائے کسی لفظ یا ٹکڑے یا مصرعے کے جس کے اعداد سے سال مطلوبہ برآمد ہوتا، اپنے قطعے میں تاریخ وقوعہ درج کر دی ہے۔ فارسی شاعری کی قدیم معنوی تاریخوں میں محقق طوسی کی یہ تاریخ قابل ذکر ہے۔ اس نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی تاریخ 'خون' نکالی جس کے عدد ۶۵۶ ہیں۔ ایرانی شاعر خواجو کرمانی نے مثنوی ،ہمای وہمایوں، کی تاریخ ''بذل'' نکالی جس سے ۷۳۲ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔

کنم بذل بر ہر کہ داری ہوی
کہ تاریخ آں نامہ بذل است وبس

۷۳۲

اُن دنوں معنوی تاریخ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ بجائے پورا مصرع یا ایک ٹکڑا تلاش کرنے کے کسی ایک لفظ سے سال مطلوبہ برآمد کیا جاتا تھا۔ کسی ایک لفظ سے تاریخ نکالنا ظاہر کرتا ہے کہ تاریخ گوئی کے لیے شاعر ہونا چنداں ضروری نہ تھا۔ جب تاریخ گوئی کی صنف کو رواج ہوا تو یہ شاعری کا

ایک اہم جزو بن گئی۔شعراء نے تاریخ گوئی کو اپنالیا۔تاریخیں مصرعوں کے ذریعے کہی جانے لگیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخی قطعات بطور ایک صنف شاعری کے وجود میں آ گئے۔تاریخ گوئی کا فن جب ترقی پذیر ہوا تو طرح طرح کی صنعتیں نکل آئیں۔تعمیہ تخرجہ ہونے لگا۔نت نئی تاریخیں کہی جانے لگیں۔پیدائش،وفات،شادی بیاہ اور مختلف رسوم کے موقع پر شرفا میں یہ دستور ہوگیا کہ اس موقع کو یاد رکھنے کی خاطر اس کے متعلق تاریخی قطعات فراہم کیے جائیں۔اس طرح تاریخ گوئی کا تعلق معاشرے کی سرگرمیوں سے اور بھی گہرا ہوگیا اور یہ ضروری نہ رہا کہ محض تاریخی نوعیت کے واقعات ہی کو نظم کیا جائے اور ان کی تاریخ نکالی جائے۔

اردو میں تخلیق ادب کا آغاز دکن میں ہوا۔دکنی کے قدیم شعراء نے شاعری کی مختلف اصناف فارسی سے مستعار لیں۔اصناف سخن کے ساتھ ساتھ انھوں نے شاعری کے صنائع وبدائع بھی فارسی سے اخذ کیے۔اس طرح مختلف صنائع وبدائع کے ساتھ تاریخ گوئی کا فن بھی فارسی سے دکنی میں آیا۔اردو میں بیشتر اصناف ادب کے اولین نمونے دکنی کے خزینہ ادب میں ملتے ہیں۔جیسے اردو کی پہلی مثنوی،اردو کی پہلی غزل،اردو کا پہلا قصیدہ،اردو کا پہلا مرثیہ اردو کی پہلی رباعی اور نثر میں اردو کی پہلی داستان وغیرہ سب دکنی میں ملتی ہیں۔اسی طرح مختلف صنائع وبدائع کا استعمال بھی دکنی شعراء کی اولیات میں سے ہے۔چنانچہ قطب شاہی دور کا ایک اہم شاعر ابن نشاطی اپنی مثنوی پھول بن میں لکھتا ہے کہ اس نے اس مثنوی میں (۳۹) صنعتیں استعمال کی ہیں۔

ہنر کوئی نئیں دکھا یا سو دکھایا
صنائع ایک کم چالیس لایا

دکنی زبان کے ادبی سرمایے کے پیش نظر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں تاریخ گوئی کا آغاز بھی دکنی زبان میں ہوا۔دکنی کی پہلی تاریخ یا دکنی زبان میں تاریخ گوئی کے اولین نمونے کی نشاندہی نہایت مشکل ہے۔تاہم راقم الحروف کے محدود علم ومطالعہ کے مطابق دکنی زبان کی اولین تاریخ بہمنی دور کے شاعر اشرف بیابانی کی مثنوی نوسر ہار کی تصنیف کی تاریخ ہے۔اشرف نے

نوسر ہار واقعہ کربلا کے موضوع پر لکھی۔اس کا سنہ تصنیف ۹۰۹ہجری ہے۔جس کی نشاندہی اس نے مثنوی کے دو مقامات پر اس طرح کی ہے۔

ہجرت نبی نو سو نو

کھیا اشرف نو سر یو

ایک اور جگہ کہتا ہے:

نو سو ہوئے اگلے نو

یہ دکھ لکھیا اشرف نو

دکنی مثنویات،غزلیات،قصائد اور مراثی کے مطالعہ سے بداہتاً یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دکنی زبان کے شعراء بڑے باکمال،نغز گو اور قادر الکلام واقع ہوئے تھے۔لیکن یہ امر نہایت حیران کن ہے کہ تخلیق وفن کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود بیشتر دکنی شعراء مثلاً وجہی،غواصی، نصرتی اور ابنِ نشاطی وغیرہ نے اپنی مثنویات کی تاریخ تصنیف کے اظہار کے لیے صوری تاریخ کا طریقہ اختیار کیا معنوی تاریخ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔اس کی وجہ بتانا تو مشکل ہے لیکن اس کا ایک ظاہری سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دکنی اصوات کی طرح دکنی شاعری کا رجحان بھی تسہیل کی طرف مائل تھا۔دکنی شعراء مبالغے کے مقابلے میں حقیقت وصداقت،اور تصنع وتکلف کے مقابلے میں فطری انداز اور سادگی کو پسند کرتے تھے۔شائد یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فنِ جمل کے تکلفات میں پڑنا گوارا نہیں کیا اور تاریخ گوئی کے لیے صوری طریقے کے راست اظہار اور آسانی کو اپنایا۔لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکالنا چاہیے کہ دکنی شعراء معنوی تاریخ کہنے پر قادر نہیں تھے۔دکنی ادب کے ذخیرے میں معنوی تاریخیں بھی ملتی ہیں جن سے اس فن میں شعرائے دکن کی قدرت ومہارت کا پتہ چلتا ہے۔لیکن دکنی شعراء کا عمومی رجحان صوری تاریخ کی طرف جھکاو رکھتا نظر آتا ہے۔دکنی شعراء کے ہاں جو معنوی تاریخیں ملتی ہیں وہ بھی سیدھی سادھی ہیں۔ان میں معنوی تاریخ کے صنائع بدائع مثلاً زبر وبینات، تضارب،تناصف،اعجام،اہمال،ملفوظی،مسروری،مکتوبی اور موشحہ وغیرہ ممکن ہے دکنی شعراء فن تاریخ

گوئی کو شاعری سے الگ اور جداگانہ فن سمجھتے ہوں اور اس فن کی نزاکتوں میں دماغ سوزی اور دیدہ ریزی کو اپنی شعری و تخلیقی صلاحیتوں کے لیے مضر سمجھتے ہوں۔ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بڑے شاعروں نے بھی بعض اعلیٰ درجے کی تاریخیں کہی ہیں لیکن فن تاریخ گوئی مشکل پیچیدہ اور دقیق صنعتوں کے نمونے کم تر درجے کے شعراء نے پیش کیے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دکنی دور شعر و ادب کا ارتقائی دور ہے۔ اس دور میں اصل توجہ فن پاروں کی تخلیق کی طرف رہی صنائع و بدائع خصوصاً تاریخ گوئی جیسی صنعت کے لطائف و دقائق کی طرف ان شعراء کا خیال نہیں گیا۔ بعد میں جب اردو زبان اور شعر و ادب کا ایک معیار مقرر ہو گیا۔ تو بعد کے دور کے شعراء نے فن جمل کی موشگافیوں میں اپنی اپج اور طباعی کا کمال دکھایا۔

دکنی شاعری میں تاریخ گوئی کے جو نمونے ملتے ہیں انھیں واضح طور پر دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) صوری تاریخیں (۲) معنوی تاریخیں

ان دو زمروں کو مزید کی ضمنی گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل شجرے سے واضح ہوگی۔

دکنی مثنویوں میں تاریخ گوئی کے نمونے

- صوری
  - سنہ کا غیر واضح یا مبہم ذکر
    - تاریخ گوئی کے قصد سے ذکر
      - مثلاً: بھوگ بل
    - ضمناً یا محض برسبیل تذکرہ ذکر
      - مثلاً: کدم راو پدم راؤ
      - وصیت النور
  - سنہ کا تعین واضح الفاظ میں
    - الف:
      - صرف سنہ کا ذکر
      - سال اور ماہ کا ذکر
      - سال، ماہ اور تاریخ کا ذکر
      - سال، ماہ، تاریخ اور دن کا ذکر
      - سال، ماہ، تاریخ، دن اور وقت کا ذکر
    - ب:
      - تاریخی شعر فارسی میں
      - ایک مصرع دکنی اور دوسرا فارسی میں
      - تمام اعداد فارسی میں
      - کچھ اعداد دکنی اور کچھ فارسی میں/عربی میں
- معنوی
  - مثنویوں کے تاریخی نام
  - سالم الاعداد
  - تدخلہ
  - تخرجہ

دکنی شاعری کے سرمایے میں صوری تاریخ کے مختلف نمونے ملتے ہیں۔دکنی شعراء نے الفاظ کے ذریعہ مطلوبہ زمانے یا سنہ کے اظہار کے متنوع طریقے اختیار کیے ہیں۔ان میں ایک عجیب طریقہ یہ بھی ہے کہ شاعر صرف کسی بادشاہ کے دور یا صدی کا ذکر کرتا ہے واضح طور پر کسی خاص سنہ کا تعین نہیں کرتا۔قریشی بیدری کی تصنیف ''بھوگ بل''میں تاریخ کے اظہار کی یہ صورت ملتی ہے۔قریشی نے اپنی مثنوی بھوگ بل جو سنسکرت کام شاستر کا دکنی روپ ہے برید شاہی خاندان کے فرمان روا امیر برید ثانی کے دور میں تصنیف کی۔وہ کہتا ہے۔

بھی اس بعد دردور ثانی امیر
کہ جن شاہ بھوگی ہیں نزل سر یر
سو اس شاہ کے دور بیدر مقام
یو شاعر کیا نظم دکنی تمام

چونکہ امیر برید دوم کا دور حکومت ۱۰۱۰ء تا ۱۰۱۸ء ہے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے قریشی نے یہ مثنوی مذکورہ سنین کے درمیانی دور میں لکھی۔

مثنوی کدم راؤپدم راو:

فخر دین نظامی نے اپنی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ میں تاریخ کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ برسبیل تذکرہ بہمنی خاندان کے بادشاہ اوراس کے فرزند کا ذکر کیا ہے۔

جمیل جالبی نے لکھتے ہیں کہ اس میں نظامی نے دو بادشاہوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے نام احمد ہیں ایک کو وہ ''شہنشہ'' بتاتا ہے اور دوسرے کو اس کا کنور یعنی شہزادہ،مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کو جمیل جالبی عہد احمد شاہ ولی بہمنی کی تصنیف قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ احمد شاہ ولی کے والد کا نام احمد خان تھا جو بانی سلطنت علاؤالدین حسن کا فرزند تھا۔نظامی نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے کنور یعنی شہزادے احمد شاہ ولی بہمنی کی تعریف وتوصیف کی ہے۔

اپنے بیان کے ثبوت میں جمیل جالبی نے مثنوی کے یہ اشعار پیش کیے ہیں۔

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنور
پرت پال سنسار کرتار آدھار
دھنیں تاج کا کون راجا ابھنگ
کنور شاہ کا شاہ احمد بجھنگ
لقب شہہ علی آل بہمن ولی
ولی تھی بہت بُدھ تد آگلی

(فخر دین نظامی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ مرتبہ جمیل جالبی دہلی ۱۹۷۹ء ص ۱۴)

اگر جمیل جالبی کے بیان کے مطابق ہم یہ تسلیم کرلیں کہ نظامؔی نے احمد شاہ بہمنی کو اس کے والد احمد کا کنور کہا ہے اور اس کی تعریف وتوصیف کی ہے تو پھر نظامؔی کا یہ کہنا کہ ولی سے احمد کی فہم وفراست زیادہ ہے تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ وقت کی تعریف کرتے ہوئے گویا شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ وہ دانشمندی میں اپنے والد سے کم ہے اور اس سے ذم کا پہلو نکلتا ہے جو بادشاہِ وقت کے لئے قطعاً مناسب نہیں اور مدح وستائش کے درمیان یہ بیان بے محل بھی معلوم ہوتا ہے۔

میراں جی شمس العشاق نے بھی اپنی مثنوی وصیت النور میں ضمناً صدی کا ذکر کیا ہے کہ اب دسویں صدی چل رہی ہے۔ اس سے اس مثنوی کا سنہ تصنیف تو ظاہر نہیں ہوتا لیکن اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ مثنوی کا وہ شعر جس میں انھوں نے دسویں صدی کا ذکر کیا ہے درج ذیل ہے۔

اِب دہ صدی چلتی اچھے اس تھے تھا پی ولی
وس ہی سلک پر حدراکھے تو یہ بات چلی

(میراں جی شمس العشاق (مصنف) وصیت النور، حبیبہ نسرین مرتب حیدرآباد ۱۹۸۸ء ص ۳۶)

اسی طرح کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض میں دکنی کے ایک مجہول الاحوال شاعر کا

چکی نامہ ہے جو دکنی کا سب سے طویل چکی نامہ ہے۔ اس میں شاعر نے کہیں سنہ تصنیف کی وضاحت نہیں کی لیکن اس نے اورنگ زیب پر طنز کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چکی نامہ اورنگ زیب کی فتح دکن ۱۰۹۸ھ کے بعد کی تصنیف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بارھویں صدی آئی ہے اور ایسے واقعات ہو رہے ہیں جو ظہور قیامت کی علامت ہیں۔

باروَیں صدی آئی اورنگ کی بادشاہی
قیامت آنے کی نشانی دیس آئی
انصاف اورنگ شہ کا شرعی آنے بھانے
ظاہر میں اخلاصی سینے میں سب کینے

ے

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چکی نامہ بارھویں صدی کے آغاز میں اورنگ زیب کی فتح دکن کے بعد اور اس کی وفات سے قبل لکھا گیا ہے۔

(محمد نعیم الدین فریس، تحقیقات، ص ۴۲)

دکنی میں فن تاریخ گوئی کے ارتقاء کے تفصیلی جائزے کے دوران بعض دلچسپ مشاہدات بھی سامنے آئے۔ جیسے کچھ شعراء نے صرف سنہ تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ بعض شعراء نے سنہ کے ساتھ مہینے کی بھی وضاحت کی ہے۔ بعض شعراء نے سنہ اور ماہ کے ساتھ تاریخ بھی ظاہر کی ہے۔ بعض شعراء نے سنہ، ماہ اور تاریخ کے ساتھ دن کا نام بھی واضح کیا ہے۔ بعض شعراء نے سال، مہینے، تاریخ اور دن کے ساتھ ساتھ وقت بھی ظاہر کیا ہے کہ کس پہر اور کس گھڑی ان کی تصنیف پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ذیل میں ہر زمرے کی تاریخیں الگ الگ درج کی گئی ہیں۔

صرف سنہ کا ذکر :

قطب مشتری۔ وجہی ۱۰۱۸ھ

تمام اس کیا دیس بارا منے

سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

(پروفیسر سیدہ جعفر، جلد سوم، ص ۳۳۶)

جنگ نامہ حیدر۔ اشرف ۱۱۲۵ھ

کیا ہوں بڑی شرف کی بھر جان
اگیارہ سو پچیس سنہ ہجری جان

(یورپ میں دکنی مخطوطات، ص ۳۴۹)

ارشاد نامہ۔ برہان الدین جانم ۹۹۰ھ

ہجرت نہ صد نود مان
ارشاد نامہ لکھیا جان

(اکبرالدین صدیقی ۱۹۷۱ء، ص ۲۸۲)

قصہ حسینی۔ خواصؔ ۱۰۹۰ھ

تھے ہجرت نود پر ہزار ایک سنہ
گذر کے نبی مانا ھور ھنہ

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۰۷)

ظفر نامہ (محمد حنیف کی جنگیں)۔ لطیف ۱۰۹۵ھ

سنہ ایک ہزار و نود پانچ پر
بناکر مرتب کیا یو اچھر

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۱۵۵)

سال اور ماہ کا ذکر :

طوطی نامہ: غواصیؔ ۱۰۴۹ء

برس یک ہزار ہور چالیس پہ نو
ہوئے تھے یو موتیاں پورویا ہوں تو

لطافت بھری مثنوی یو عجب
مرتب کیا خوش ہو چلی رجب

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۸)

ماہ پیکر۔احمد جنیدی مناجات وختم کتاب ۱۰۶۴ھ

نبی کی سو ہجرت کا یو تھا قرار
چہار سال تین بیس پر ایک ہزار
کہ تاریخ دوسویں محرم اتھی
ہوا ختم ہو نظم جوں مہ سیتی

(پروفیسر سیدہ جعفر ۱۹۸۶ء ص ۳۲۲)

ذی قوم نامہ۔فضل بن محمد ۱۱۹۴ھ

ہزار ایک سو نود پر تھے چار
ہوئے تھے جو ہجری کی ہر سال قرار
سو ذی قعدہ ماہ میں یہ مقال
کہا میں جو اس کا مقرر تھا حال

(کتب خانۂ آصفیہ ص ۱۱۶)

ابلیس نامہ۔علادل ۱۱۱۳ھ

اگیارویں صدی پر برس تیرواں
چلیا تھا ہجرت ہوا بعد ازاں
ماہی ذی الحجہ تھی بست و ایک
ہوا ہے قصہ یو عجب نیک دیک

کتب خانہ سالار جنگ، ص ۶۱۹)

قصہ بہرام وزہرہ۔صدیق ۱۱۵۴ھ

برس گیارہ سو تھے اور چوپن
اتھا رمضان کا جو شہر احسن

(ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ص۴۸۶)

فرائد در قوائد۔باقر آگاہ ۱۲۱۰ھ

تمام ابیات اس کے ہیں جو سب رس
یک ہزار و پانصد و دس
تھے بارا سو پہ جب دس اے گرامی
بہ شہر صوم پایا ہے تمامی

سال ماہ اور تاریخ کا ذکر :

سوداگر کی بی بی۔سید عبداللہ قیاسی ۱۱۶۴ھ

اتھا سن ایگیارا سو چو سٹ دیہ سال
تیاریخ ایگیارا اور ماہ شوال

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص۵۱۰)

خزانہ عبادت۔شاہ محمد حق نما ۱۱۶۵ھ

سنہ ہجری ہزار اور یک سو پہ نیز
گزر جاکو پینسٹھ جو بر ساں سگل
لگا تیسرا مہینا ربیع الاول
بنیا جب تو اسکوں دیا یوں خطاب

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص۴۷)

پُھل مالا۔سلیمانؔ ۱۱۷۸ھ

کیا ابتدا جب یو قصہ کا حال

سنہ گیارہ سو پر اٹھتر تھا سال
اتھا ماہ رجب کا تاریخ یو
گنو سب ملا کر بھی پندرا پو دو

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۳۴)

قصہ ابوشحمہ۔ اولیا ۱۰۹۷ھ

ہزار ایک برس ہور نود سال میں
رجب کی ستاویس ویں رات میں
کہ توفیق خدا نے مجھے جب دیا
تداں یو قصا میں مرتب کیا

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۲۱۸)

معجزہ حضرت فاطمہؓ۔ محبؔ ۱۰۸۸ھ

شب قدر ہو رہا تھا وہ ماہ صیام
کیا ختم ترتیب سوں دو کلام
اتھے یک ہزار و اسّی آٹھ سال
دیا یار اس مثنوی کا نہال

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۰۳)

ترجمہ سراج المومنین۔ حسین ۱۱۸۷ھ

اگیارہ سو پھر تھے آٹ ہور سات
کہ رمضان کی گیارھویں رات

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۳)

روضہ صفا۔ غوث جامی ۱۱۸۸ھ

اگیارہ سو اسّی اُپر آٹ سال

وہ روضہ صفا بچہ گن کو نکال
کیا شہر رمضاں میں اختتام
ستاویسویں شب کی تھی جبکہ شام

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۸۳)

سال، ماہ، تاریخ اور دن کا ذکر :

بہرام وحسن بانو۔ امین، دولت سنہ ۱۰۵۰ھ

سنہ ایک ہزار اور پنجاہ میں
جمعہ روز ربیع الاول ماہ میں
بفضل الٰہی کیا میں نظم
بتاریخ چہارم کیا ہے ختم

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۲۱۸)

پندنامہ۔ شغلی سنہ ۱۰۸۶ھ

اتھا سن چھ اوپر اسّی ایک ہزار
ربیع الاول ماہ دن اتوار
ہوئے ایک سو پانچ بیتاں تمام
زصدقِ محمد علیہ السلام

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۲۵۸)

شہباز ومنوہر۔ حسینی سنہ ۱۰۸۱ھ

سنہ یک ہزار ہور ہشتاد ایک
ہوئے پر کہیاہوں یو قصہ تو دیک
اتھا دن دو شنبہ زکی پہلی بار
مرتب ہوا یو قصہ ایک بار

مدد اس وقت مجکو سبحان تھا
مہینا دو سمجھو سو شعبان تھا

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۵۷)

قصہ ملکہ مصر۔ عاجز ۱۱۰۰ھ

مرتب ہوا یاں تھے قصہ تمام
کہوں اب سوں کس سوں پایا نظام
اگیارا تھے تاریخ ماہ صفر
سو پنجشنبہ کا روز خوب تر
نبی کی جو ہجرت برس ایک ہزار
ہور یک سو پو بولیا ہوں یو یادگار

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۲۶)

مردہ احوال۔ خاکی ۱۲۶۱ھ

بارہ سو یک سٹ درمیان ہجری سنہ کہ معتبر
شعبان دل افروز ماں پورا کیا قصہ نشر
تاریخ انتیسویں دن ایک شنبہ کا بڑا
کیتا تمام اس ماہ میں مجلس منیں اس کو بڑا

(ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ص ۲۷۷)

قصہ معجزہ۔ جنونی ۱۱۰۲ھ

ماہ ربیع الاولین تاریخ تھی چوبیسویں
منگل کے دن گفتیم من از فضل رب داد گر
سنہ ایک ہزار اور ایک سو دو برس اُوپر درحساب
بو دست کر دایں ختم در شہر گجرات اے پسر

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص۳۲)

مثنوی رنگین۔ رنگین ۱۲۴۹ھ

تھے ہزار اور دو سو انتالیس
یہ بھی تاریخ تو شوق سے گن
گیارویں تھی رجب کی پیر کا دن
سر کو یک مت پھرا رنگین

(کتب خانہ سالار جنگ، ص۹۳)

راحتِ دل۔ اشفاق ۱۲۴۵ھ

بست ویکم روز شنبہ بحر وبر
چار سو ہشتاد و ہشت ابیات کر
تھے صد و بارا پہ پینتالیس سال
تھا مہینہ ماہ ذیقعدہ کا حال

(کتب خانہ سالار جنگ، ص۲۹۰)

نظم مخارج۔ محی الدین قادری ۱۲۵۰ھ

ہزار و دو صدو پنجاسن میں
کیا اتمام سارے مخر جان کو
دہم تاریخ ذو الحج عید کا دن
مبارک روز تھا دو مومناں کو

(کتب خانۂ آصفیہ، ص۳۶)

کفایت الاسلام۔ یوسف مرگھے ۱۲۵۰ھ

یہ کہارکھ قبولیت کی آس
تھی سنہ یک ہزار دو سو پچاس

سال ہجرت سے ختم مرسل کے
بارہویں دن ربیع اول کے

(ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ص ۱۳۲)

وصول الحال۔ رسالہ ۱۲۶۶ھ

یک ہزار دو صد و چھہ سٹ کا سال
تھی او ستاویسویں ماہ شوال
روز تھا جمعہ کا عید المومنین
یہ ہوا منظوم اسرارِ متین

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۱۷۴)

قصہ فیروز شاہ۔ ضامن ۱۲۷۲ھ

ربیع الاول کا تھا ماہ شنبہ کا روز
اور تاریخ بستم تھی اے دل فروز
اور ہجرت نبی سے برس یک ہزار
دو صد اور بہتر تھے سن بر شمار

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۷۰۹)

رسالہ الف۔ ب۔ چھل داس ۱۸۸۳ء

رسالہ یہ ہوا ہے ختم جس دن
جمعہ کا روز تھا اوس پاس سوم
اٹھارہ سو تراسی عیسوی سن
مہینا فبروری تاریخ دوم

(کتب خانہ آصفیہ، ص ۳۳۵)

سال، ماہ، تاریخ، دن اور وقت کا ذکر :

یوسف زلیخا (دوسرا نسخہ) ہاشمی ۱۰۹۹ھ

مرتب کیا میں یو قصہ کوں تو
ہزار برس پر تھے نو نود پہ نو
دو شنبہ کا تھا روز آخر ظہر
محرم کا تھا ساتویں سو چندر

(کتب خانۂ آصفیہ، ص ۸۹)

یوسف زلیخا۔ شیخ محمد امین ۱۱۰۹ھ

اگیارہ سو اوپر جب نو گزرے
برس ہجرت محمد مصطفٰے کے
بتان چالیس سو پر چودہ اور سو
میں لکھا گودہری کے بیچ سن لیو
جمادی الاول میں اتوار کے روز
اتھی تاریخ دوجی دے دل افروز
صبح کے وقت لکھ رہیا امین رے
الٰہی توں محبت سب کے تیئں دے

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۳۳۸)

ترجمہ منطق الطیر۔ آفاق ۱۲۲۷ھ

سولویں تاریخ ذی قعدہ کی تھی
جب یہ تصنیف اس کی میں آغاز کی
سولویں ذی الحجہ کو پھر تو وقت شام

ایک مہینے میں ہوئی یعنی تمام
سال ہجری پھر گئے جو میں نے سب
سن تھے بارہ سو پہ ستائیس جب

(انجمن ترقی اردو پاکستان (اول)، ص ۳۱۸)

مثنوی فقہ۔ سید محمد ۱۱۳۲ھ

سنہ یک ہزار یک صدر سی ودو
اہے ناوتے دیک تاریخ یو
ربیع الاول کا مبارک شہر
تھی تاریخ گیارہ و روز قمر

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۲۶)

انتقام حسینی۔ نادر ۱۱۹۹ھ

تھا ہجرت سے سنہ ایک ہزار ایک سو
ہوئے سال تھے اوپہ نود پہ نو
محرم کی تاریخ تھی بیسویں
سنو اے بزرگاں زار باب دیں
وہ جمعہ کا تھا روز وقت ضحیٰ
زعونِ محمد بہ فضل خدا

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۴۷)

قصہ تمیم انصاری۔ غلامی ۱۲۱۸ھ

سنہ بارا سو اٹھارا کے درمیان
تھی تاریخ چودہویں اور ماہ شعبان
میں کھمبایت میں یہ قصہ کیا تھا

بندھا واڑ یکی مسجد میں لکھا تھا
جمعہ کی صبح ٹھنڈ کی سر سری تھی
وہ مسجد دو ستداراں سیں بھری تھی

(ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ص ۱۵۸)

مثنوی عقد فاطمہ۔ مخدوم حسینی ۱۱۶۴ھ

اگیارہ صدی پر تھے چو سٹھ برس
کیا نظم دکھنی ستی خوش مرس
کہ تاریخ بارہ سو ماہ صفر
کہ روزے اور سو وقت ظہر
کہ پورا ہوا سب یو ملت تمام
محمد پہ بھیجو درود و سلام

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۱۲)

شوہر نامہ۔ صابر ۱۱۵۰ھ

شریعت بموجب کے باتاں بکا
بیاں مرد عوت کے حق کا لکھا
گیارا سو پچاس پہ اتھاسن چھٹا
چلا کر قلم کے ترنگ کو رونا
سو ا سو بنابیت صابر تمام
رکھا شوہر نامہ کر تس کا نام
تھا دن یکشنبہ سہ پہر گشر گم
لکھا ماہ شعبان میں کر کر ختم

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۰۶)

تاریخی شعر فارسی میں :

دکنی شعراء نے اپنی بعض تصانیف کی تاریخیں فارسی میں بھی برآمد کی ہیں۔ اصل تصنیف دکنی زبان میں ہے لیکن اس کی تاریخ فارسی میں ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

گل صنوبر۔ احمد ۱۲۱۱ھ

بود برالف دو صدو گیارا
کہ ایں گنج بر خلق شد آشکارا

(ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، ص ۲۸۸)

فقہ المبین۔ یقین

صدو ہشتاد و دو الف ہجرت
بتاریخ ہمایوں گشت تمت

ریاض العارفین۔ محمد اسحاق بیجاپوری :

ہور سن ہجرت شہ ذوالافتخار
تھے ہزار و دو صد و شش درشمار

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۴۲۵)

ارشاد والا جاہی۔ محمد علی معروف بہ والا جاہ ۱۲۰۹ھ

یک ہزار و دو صد ونہ بود سال
شد مرتب نامہ باشرف وکمال
ہم چہارم ماہ رجب بود و بود
چون بدست آمد کہ این سودا و سود

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۴۲۹)

کچھ اعداد دکنی اور کچھ فارسی میں :

دکنی میں فن تاریخ گوئی کے جائزے کے دوران کچھ ایسی دلچسپ تاریخیں بھی دستیاب ہوتی ہیں جن میں کچھ الفاظ فارسی کے اور کچھ دکنی کے ہیں۔ مثالیں درج ذیل ہیں۔

ہزار ہور چہل شش یو ہجرت کے سال
ہوئے پر کھیا لیلیٰ مجنوں کے حال

(مقدمہ مثنوی یوسف زلیخا، ص ۳۷)

علی نامہ۔ شاہ عبدالعلی ۱۱۰۱ھ

بندہ شاہ عبدالعلی ہے ترا
گنہ بخش صاحب تو ہیگا مرا
اول فارسی تھا سو دکنی کیا
کرم کی نظر سے تیری بنا
تھا سنہ یک ہزار اور یک سو برس
اتھا اوپہ یک برس اوس پر سرس

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۸۶)

انواع العلوم۔ عاصی

ہزار یکسو چو تالیس پہ دوہان ماہ آتے وہ صنم
ہجرت بعد پچھاں توں یہ رسالہ تم

(یورپ میں دکھنی مخطوطات، ص ۵۰۲)

گلستاں اردو منظوم۔ آفاق ۱۲۳۲ھ

ہوئی نظم جب یہ بآئین بہ
تھے سنہ ایک ہزار و دو صد سی و سہ

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۰۲)

جوہرِ عشق۔ ملک محمود جوہرؔ ۱۲۴۲ھ

وہ القصہ جوہرؔ یہ قصہ ہوا
بفضل پیمبر یہ قصہ ہوا
جو یہہ سال ہجری ہے اے دوستوں
ہزار و دو صد اور چہل پر ہیں دو

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص۲۲۳)

قصیدۂ معجزہ: جنونی ۱۱۰۲ھ

ماہ ربیع الاولین تاریخ تھی چو بیسویں
منگل کے دن گفتیم من ازفضل ربّ داوگر
سنہ ایک ہزار اور ایک سو دو برس اوپر در صاحب
بود ست کردایں ختم درشہر گجرات اے پسر

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص۳۶)

زینت قادری، محی الدین :

بعد ہجرت یک ہزار و یک صدو شش سال بود
آمد الہام اندرونِ دل یہ قالِ نیک تر
کایں قواعد راکہ ورترتیل قراں بو و نثر
بہ کہ آرائش وہم آں رابہ نظمے چوں دُرد
تایہ طبع مبتدی خوش آید و خواند بہ شوق
می کند در کار محی الدین دعائے نیک تر

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص۱۸۱)

سراج المنیر ۔ غلام علی یکسو ۱۲۱۱ھ

کہ دو ایکہز و دوصد یازدہ
شد این مثنوی سالم و آراستہ

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۸۰۵)

باغ ارم ۔ مستعان علی نبیرۂ شاہ علاؤ الدین صدیقی ۱۲۴۴ھ

نام اس کا میں رکھا باغ ارم
رکھا مدام اس کوں خدا یا محترم
سال بھی اس نام سے ہے آشکار
یک ہزار و دو صدو چہل و چہار

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۱۰۵)

سبیل الشفاعت ۔ محسن ۱۲۵۸ھ

ہزار و دو صد بود پنجاہ وہشت
کہ محسن ازیں نظم فارغ یکمشت
دیہہ پہلا ذلحجہ کے مہنہ کا تھا
سن ہجرت خاتم الانبیا

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۵۵۵)

نصاب فارسی موسومہ کمال دانش ۔ میر دلاور علی دانش ۱۳۲۶ھ

جن کو یہ نسخہ فائدہ بخشے
کہیں دانش تھے خدا بخشے
سال تالیف بشنوائے میوش
سہ صدو یک ہزار بست و شش

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۳۶)

باغ ارم۔حکیم محمد یحیٰ ندرت ۱۱۴۴ھ

نام اس کا میں رکھا باغ ارم
رکھا مدام اس کو خدایا محترم
سال بھی اس نام سے ہے آشکار
یک ہزار و دو صد و چہل و چہار

(ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ص ۲۰۸)

مثنویوں کے تاریخی نام :

وجدی کے دو مثنویوں سے تاریخی نام معلوم ہوتے ہیں۔مثنوی مخزنِ عشق کا سنہ تصنیف ۱۱۴۴ھ ہے۔یہ تاریخ ''مخزن عشق'' سے برآمد ہوتی ہے۔اور دوسری مثنوی باغ جانفزا کا سنہ تصنیف ۱۱۴۵ھ ہے۔یہ تاریخ ''باغ جانفزا'' سے برآمد ہوتی ہے۔

سالم الاعداد :

سالم الاعداد تاریخ کہنا بڑا مشکل کام ہے۔دکنی شعرا نے سالم الاعداد تاریخیں بھی کہی ہیں ذیل میں ان کی مثالیں درج ہیں۔

مراۃ الحشر۔فراقی ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء

کیا قصد تاریخ جب بولنا
یو اجمال تفصیل کر کھولنا
تو مجھ دل کیا اس وضع انتخاب
یو دیکھو جو ہے با برکت کتاب

۱۱۳۳ھ

(کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۶۰)

نیہہ درپن۔سید احمد ہنر ۱۱۴۴ھ

ستیا مج نیہہ درپن نے یو جھلکار
اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار
ہوا جب کامل اس کا نظم ہر حال
زمانے نے کیا مج بھوت خوشحال
کہیا تاریخ یو رخ نج سخن کا
یو نو تحفہ مبارک لے ہنر کا

۱۱۴۴ھ

آخری مصرع سے سالم الاعداد تاریخ ۱۱۴۴ھ بر آمد ہوتی ہے۔

(ڈاکٹر نسیم الدین فریس، ص ۱۹۹)

تدخلہ:

اگر سالم الاعداد تاریخ کے لیے درکار مادہ تاریخ موزوں نہ ہو تو تاریخ گوشاعر صنعت تدخلہ یا تخرجہ کے ذریعہ کچھ اعداد کی کمی بیشی کر کے مطلوبہ سنہ بر آمد کرتا ہے اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قصہ ماہ روپری۔محمد رضا خاں ۱۲۲۷ھ

کیا جب کہ تاریخ کی جستجو
بھرے فکر تن میں مرے مو بمو
سر اتحادی سے یوں ایک بار
کہا مجھکو ہاتف ہے باغ بہار

۱۲۲۷ھ

(کتب خانہ آصفیہ، ص ۱۲۷)

ان اشعار میں معنوی تاریخ ۱۲۲۷ھ تو واضح ہے لیکن دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی "ہے باغ بہار" کے الفاظ مادہ تاریخ ہیں لیکن بحساب جمل ان سے ۱۲۲۶ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو اصل تاریخ سے بقدر ا کم ہیں۔ اس میں "سر اتحادی" کے الف کے اعداد جمع کرنے سے مطلوبہ تاریخ ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

تخرجہ :

مخزن عشق۔ وجدی ۱۱۴۴ھ

لچھونت یو قصا مقبول ارباب
بحق مصطفٰے و آل و اصحاب
اگر تاریخ کا ہے دل منے عشق
کر ابجد سوں حساب "مخزنِ عشق"
نکال اس نے عدد وجدی کے تیویس
رہیں گے تب اگیارہ سو چوالیس

(انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۱۷۹)

مخزن عشق کے اعداد ۱۱۶۷ھ ہوتے ہیں۔ اس میں سے (۲۳) منہا کرنے پر ۱۱۴۴ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس حساب سے مخزن عشق کا سنہ تصنیف ۱۱۴۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تاریخ صنعت تخرجہ میں ہے۔

مثنوی گلدستہ۔ صنعتی ۱۰۷۷ھ

صنعتی کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ صنعتی نے اپنی دوسری مثنوی "گلدستہ" کا سنہ تصنیف معنوی تاریخ میں دیا ہے۔ اس نے پہلے مصرعے "یوہد یہ دیا دل لگت صنعتی" سے ۱۱۵۵ کا مادہ برآمد کیا۔ پھر صنعت تخرجہ کے ذریعہ "عدد" کے حرف کے اعداد (۷۸) اس میں سے منہا کیے اس سے اصل سنہ ۱۰۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے تاریخی مصرعے درج ذیل ہیں۔

سنو کان بھر سن اول ہجرتی
یو ہدیا دیا دل لگت صنعتی
سمجھ دیکھنا ہے اتا دھر نظر
عدد حرف پر ہے بیاں اوس نثر

(پروفیسر سیدہ جعفر، ص ۱۵۲)

خود شاعر کہتا ہے کہ سمجھ سے کام لو اور بغور دیکھو تو "عدد" کے حرف سے اس مثنوی کے سنہ تصنیف کی حقیقت واضح ہو گی۔ عدد کے ۷۸ اعداد کو ۱۱۵۵ھ سے نکال دیا جائے تو ۱۰۷۷ھ برآمد ہوتے ہیں اور تجزیہ سے حاصل کی ہوئی یہی تاریخ مثنوی گلدستہ کا صحیح سن تصنیف ہے۔

کتابیات

سلسلہ نشان	مصنف کا نام	کتاب کا نام	سنہ، مقام اشاعت
۱	آزاد محمد حسین	آب حیات	۱۹۸۰ء/الہٰ آباد
۲	آغا افتخار حسین	مخطوطات پیرس	۱۹۶۷ء/کراچی
۳	آغا محمد باقر	تاریخ نظم ونثر	۱۹۳۳ء/لاہور
۴	آمنہ خاتون، ڈاکٹر	ریاست میسور میں اردو	۱۹۶۰ء/میسور
۵	ابوالبرکات کربلائی	قطب مشتری کا تنقیدی مطالعہ	۱۹۸۵ء/لکھنؤ
۶	ابوالبلاغت رتن پنڈوروی	فن تاریخ گوئی	۱۹۸۴ء/دہلی
۷	ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	لکھنؤ کا دبستان شاعری، حصہ دوم	۱۹۵۵ء/لاہور
۸	ابوالنصر محمد خالدی، ڈاکٹر	تاریخ عادل شاہی	۱۹۶۴ء/حیدرآباد
۹	ایضاً	کلام معظم بیجاپوری	۱۹۸۰ء حیدرآباد
۱۰	ابوظفر ندوی، سید پروفیسر	مختصر تاریخ ہند	۱۹۲۸ء/اعظم گڑھ
۱۱	اثر محمد علی، ڈاکٹر	دکن کی تین مثنویاں	۱۹۸۷ء/حیدرآباد
۱۲	ایضاً	دکنی ادب کی تحقیق	۱۹۸۸ء حیدرآباد
۱۳	ایضاً	تحقیقی نقوش	۱۹۹۳ء مدراس
۱۴	ایضاً	غواصی شخصیت اور فن	۱۹۷۷ء حیدرآباد
۱۵	ایضاً	دکنی اور دکنیات	۱۹۸۲ء حیدرآباد
۱۶	اختر حسن	قطب شاہی دور کا فارسی ادب	۱۹۷۳ء/حیدرآباد
۱۷	اعجاز حسین، سید	مختصر تاریخ ادب اردو	۱۹۸۴ء/الہٰ آباد
۱۸	ایف۔د۔نسیم	تاریخ ادبیات مسلمانان ہند چھٹی جلد	۱۹۷۱ء لاہور
۱۹	افسر صدیقی امروہوی	مثنوی نوسرہار	۱۹۸۲ء/کراچی

۲۰	افضل الدین اقبال ڈاکٹر	مدراس میں اردو ادب کا نشو نما	۱۹۷۹ء حیدر آباد
۲۱	اکبرالدین صدیقی محمد	قدیم اردو (ارشاد نامہ) دور دوم (جلد اول)	۱۹۷۱ء/حیدر آباد
۲۲	انورالدین محمد پروفیسر	فکر و نظر	۱۹۹۵ء/حیدر آباد
۲۳	شمیم امروہوی	اُنیس سو بیاسی عیسوی	۱۹۸۲ء/دہلی
۲۴	بدیع حسینی	دکن میں ریختی کا ارتقاء	۱۹۶۲ء/حیدر آباد
۲۵	بشیر الحق قریشی	سخن وران ویلور	۱۹۷۹ء/مدراس
۲۶	پرکاش مونس، ڈاکٹر	اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر	۱۹۷۸ء/الہٰ آباد
۲۷	جمال شریف محمد ڈاکٹر	دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے	۲۰۰۴ء/الہٰ آباد
۲۸	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو جلد اول	۱۹۷۷ء/دہلی
۲۹	ایضاً	ایضاً جلد دوم (حصہ دوم)	۱۹۸۴ء دہلی
۳۰	ایضاً	مثنوی کدم راؤ پدم راؤ	۱۹۷۹ء/دہلی
۳۱	جوہر غلام حسین	گلزار آصفیہ	۱۹۶۰/بمبئی
۳۲	حامد حسن قادری	داستان تاریخ اردو	۱۹۸۸ء/دہلی
۳۳	حبیب نثار، ڈاکٹر	دکنی کی مخصوص شعری اصناف	۱۹۹۵ء/حیدر آباد
۳۴	ایضاً	مطالعہ	۱۹۹۷ء/حیدر آباد
۳۵	حبیب النساء بیگم ولی اللہ ، ڈاکٹر	ریاست میسور میں اردو کی نشو و نما	۱۹۶۳ء/بنگلور
۳۶	حسینی شاہد، ڈاکٹر	سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ	۱۹۷۳ء/حیدر آباد
۳۷	ایضاً	شاہ معظم	۱۹۷۸ء/حیدر آباد
۳۸	حفیظ سید، ڈاکٹر	کلیات بحری	۱۹۳۹ء/لکھنؤ

۳۹	حفیظ قتیل، ڈاکٹر	میراں جی خدانما	۱۹۶۱ء/حیدرآباد
۴۰	ایضاً	معراج العاشقین کا مصنف	۱۹۶۸ء/حیدرآباد
۴۱	حمیرہ جلیلی، ڈاکٹر	ادب پارے	۱۹۸۰ء/حیدرآباد
۴۲	ایضاً	سب رس کی تنقیدی تدوین	۱۹۸۳ء/حیدرآباد
۴۳	خالد بیگم، ڈاکٹر	دیوان داؤد اورنگ آبادی	۱۹۵۸ء/حیدرآباد
۴۴	خاں رشید، ڈاکٹر	دکنی اردو	۱۹۸۷ء/بمبئی
۴۵	خلیق انجم	معراج العاشقین	۱۹۵۷ء/دہلی
۴۶	خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر	کلاسیکی ادب	۱۹۵۳ء/دہلی
۴۷	رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	۱۹۲۹ء/لکھنؤ
۴۸	راہی فدائی	کڑپہ میں اردو	۱۹۹۲ء/مدراس
۴۹	رحمت یوسف زئی	اردو شاعری میں صنائع وبدائع تاریخی وتنقیدی مطالعہ	۲۰۰۳ء/حیدرآباد
۵۰	رئیس فاطمہ، حکیم	محمد سخاوت مرزا (دکنی ادب کا ایک معتبر محقق)	۲۰۰۶ء/حیدرآباد
۵۱	زور، سید محی الدین قادری	اردو شہ پارے	۱۹۲۹ء/حیدرآباد
۵۲	ایضاً	مرقع سخن جلد اول	۱۹۳۵ء/حیدرآباد
۵۳	ایضاً	مرقع سخن جلد دوم	۱۹۳۵ء/حیدرآباد
۵۴	ایضاً	کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ	۱۹۴۰ء/حیدرآباد
۵۵	ایضاً	دکنی ادب کی تاریخ	۱۹۶۰ء/کراچی
۵۶	زینت ساجدہ، ڈاکٹر	کلیات شاہی	۱۹۶۲ء/حیدرآباد
۵۷	ساحل احمد	ولی فن وشخصیت اور کلام	۱۹۷۹ء/الہ آباد

۵۸	سخاوت مرزا،محمد (مرتب)	من لگن	۱۹۵۵ء/کراچی
۵۹	سروری عبدالقادر، ڈاکٹر	اردو کی ادبی تاریخ	۱۹۸۱ء/دہلی
۶۰	ایضاً	کلیات سراج	۱۹۸۲ء/دہلی
۶۱	ایضاً	اردو مثنوی کا ارتقاء	۱۹۸۳ء/علی گڑھ
۶۲	سعید عبدالخالق محمد	میسور میں اردو	۱۹۳۲ء حیدرآباد
۶۳	سلطانہ بخش، ڈاکٹر	دیوان تراب	۱۹۸۲ء/کراچی
۶۴	سلیم اختر، ڈاکٹر	اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	۱۹۹۴ء دہلی
۶۵	سید محمد (مرتب)	پنچھی باچھا (مصنفہ وجدی)	۱۹۵۹ء/حیدرآباد
۶۶	سیدہ جعفر پروفیسر (مرتب)	من سمجھاون	۱۹۶۴ء/حیدرآباد
۶۷	ایضاً	دکنی رباعیاں	۱۹۶۶ء/حیدرآباد
۶۸	ایضاً	سکھ انجن	۱۹۶۸ء/حیدرآباد
۶۹	ایضاً، اشتراک گیان چند پروفیسر	تاریخ ادب اردو جلد اول	۱۹۸۸ء/دہلی
۷۰	ایضاً	ایضاً جلد دوم	۱۹۸۸ء/دہلی
۷۱	ایضاً	ایضاً جلد سوم	۱۹۸۸ء/دہلی
۷۲	ایضاً	ایضاً جلد چہارم	۱۹۸۸ء/دہلی
۷۳	ایضاً	ایضاً جلد پنجم	۱۹۸۸ء/دہلی
۷۴	شاہ کمال	ضیافت نامہ	ندارد/بنگلور
۷۵	شعبہ اردو علی گڑھ یونیورسٹی	علی گڑھ تاریخ ادب اردو	۱۹۶۲ء/علی گڑھ
۷۶	شمس اللہ قادری حکیم سید	اردوئے قدیم	۱۹۲۵ء/لکھنؤ
۷۷	ظہیر الدین مدنی، سید ڈاکٹر	سخنوران گجرات	۱۹۸۱ء/نئی دہلی

۷۸	ایضاً	گجری مثنویاں	۱۹۹۰ء/گاندھی نگر
۷۹	عبادت بریلوی	ولی اورنگ آبادی	۱۹۸۱ء/لاہور
۸۰	عبدالحق مولوی	قدیم اردو	۱۹۶۱ء/کراچی
۸۱	ایضاً	اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام	۱۹۹۵ء/نئی دہلی
۸۲	ایضاً	نصرتی	۱۹۸۸ء/دہلی
۸۳	عبدالستار دلوی، پروفیسر	دکنی اردو	۱۹۸۷ء/بمبئی
۸۴	عبدالمجید صدیقی	تاریخ گولکنڈہ	۱۹۳۹ء/حیدرآباد
۸۵	ایضاً	مقدمہ تاریخ دکن	۱۹۴۰ء/حیدرآباد
۸۶	ایضاً	تاریخ بہمنی سلطنت	۱۹۵۲ء/حیدرآباد
۸۷	عظیم الحق جنیدی	اردو ادب کی تاریخ	۱۹۸۵ء/علی گڑھ
۸۸	علیم صبا نویدی	جنوب کا شعروادب	۱۹۹۳ء/مدراس
۸۹	عنایت شاہ	نورنامہ	۱۹۵۳ء/ممبئی
۹۰	غلام رسول مہر	دکنی زبان کا آغاز وارتقاء	۱۹۶۷ء/حیدرآباد
۹۱	غلام عمر خاں، ڈاکٹر	مثنوی لیلیٰ مجنوں	۱۹۶۷ء/حیدرآباد
۹۲	فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	اردو نثر کا فنی ارتقاء	۱۹۹۷ء/نئی دہلی
۹۳	فریس محمد نسیم الدین، ڈاکٹر	تحقیقات	۱۹۹۳ء/حیدرآباد
۹۴	ایضاً	دکنی ادب کے مطالعے کی جہتیں	۲۰۰۴ء/حیدرآباد
۹۵	فضل اللہ، سید محمد	دیوان قربی	۱۹۶۴ء/حیدرآباد
۹۶	فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر	اردو مثنوی مطالعہ اور تدریس	۱۹۹۳ء/دہلی
۹۷	قیوم صادق، ڈاکٹر	بیجاپور کی اردو مثنویاں	۱۹۸۰ء/عثمان آباد

۹۸	کسریٰ منہاس	فن تاریخ گوئی	۱۹۸۹ء/لاہور
۹۹	گیان چند جین، پروفیسر	اردو کی نثری داستانیں	۱۹۶۹ء/کراچی
۱۰۰	مجید بیدار، ڈاکٹر	دکنی تذکرے	۱۹۸۵ء/حیدرآباد
۱۰۱	محسن حیدرآبادی	شعرائے مُرقع اردو مصوری، تحریر اور تدوین	۲۰۰۷ء/حیدرآباد
۱۰۲	محمد چراغ علی	اردو مرثیہ کا ارتقاء	۱۹۷۳ء/حیدرآباد
۱۰۳	محمود شیرانی حافظ، پروفیسر	پنجاب میں اردو	۱۹۸۲ء/لکھنؤ
۱۰۴	مسعود حسین خاں (مرتب)	ابراہیم نامہ (عبدل)	۱۹۶۹ء/علی گڑھ
۱۰۵	مسیح الزماں، ڈاکٹر	اردو مرثیہ کا ارتقاء	۱۹۸۳ء/لکھنؤ
۱۰۶	ملا وجہی	سب رس	۱۹۵۵ء/حیدرآباد
۱۰۷	مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ	دکن کی سیاسی تاریخ	۱۹۴۴ء/حیدرآباد
۱۰۸	مولانا مولوی حامد حسن صاحب قادری	جامع التواریخ	۲۰۰۰ء/نئی دہلی
۱۰۹	ایضاً	سفینۂ تواریخ	۲۰۰۰ء/نئی دہلی
۱۱۰	میر حسن	سحر البیان	۱۹۸۴ء/لکھنؤ
۱۱۱	نواب عزیز جنگ وِلاؔ، شمس العلماء	غرائب الجمل	۱۹۹۸ء/دہلی
۱۱۲	نورالحسن ہاشمی	کلیات ولیؔ	۱۹۵۴ء/کراچی
۱۱۳	نورالسعید اختر	نقوش دکن	۱۹۷۶ء/بمبئی
۱۱۴	وزیر آغا	اردو شاعری کا مزاج	۱۹۷۸ء/لاہور
۱۱۵	ہاشمی محمد نصیر الدین	دکن میں اردو	۱۹۸۵ء/دہلی

۱۱۶	ایضاً	یورپ میں دکھنی مخطوطات	۱۹۳۲ء/حیدرآباد
۱۱۷	ایضاً	مدراس میں اردو	۱۹۳۸ء/حیدرآباد
۱۱۸	ایضاً	مقالات ہاشمی	۱۹۳۹ء/لاہور
۱۱۹	ایضاً	دکنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین	۱۹۶۳ء/ دہلی
۱۲۰	ایضاً	دکنی کلچر	۱۹۶۳ء/لاہور

وضاحتی فہرستیں

سلسلہ نشان	مصنف کا نام	کتاب کا نام	سنہ/مقام اشاعت
۱	افسر صدیقی امروہوی	مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان جلد اول	۱۹۶۵ء/کراچی
۲	ایضاً	ایضاً (جلد دوم)	۱۹۶۷ء/کراچی
۳	ایضاً	ایضاً (جلد سوم)	۱۹۷۵ء/کراچی
۴	ایضاً	ایضاً (جلد چہارم)	۱۹۷۶ء/کراچی
۵	ایضاً	ایضاً (جلد پنجم)	۱۹۷۸ء/کراچی
۶	ایضاً	ایضاً (جلد ششم)	۱۹۸۲ء/کراچی
۷	اکبرالدین صدیقی، اثر محمد علی	تذکرۂ مخطوطات (جلد ششم)	۱۹۸۳ء/حیدرآباد
۸	حامداللہ ندوی، ڈاکٹر	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات	۱۹۹۰ء/دہلی
۹	زور، سید محی الدین قادری	تذکرۂ اردو مخطوطات (جلد اول)	۱۹۸۴ء/ایضاً
۱۰	ایضاً	ایضاً (جلد دوم)	۱۹۵۱ء/حیدرآباد
۱۱	ایضاً	ایضاً (جلد سوم)	۱۹۵۷ء/حیدرآباد
۱۲	ایضاً	ایضاً (جلد چہارم)	۱۹۵۸/حیدرآباد
۱۳	ایضاً	ایضاً (جلد پنجم)	۱۹۵۹ء/حیدرآباد

۱۴	سروری،عبدالقادر	فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ	۱۹۲۸/حیدرآباد
۱۵	ہاشمی،محمد نصیرالدین	وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ	۱۹۵۷ء/حیدرآباد
۱۶	ایضاً	وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ،جلد اول	۱۹۶۱ء/حیدرآباد
۱۷	ایضاً	ایضاً (جلد دوم)	۱۹۶۱ء/حیدرآباد

غیر مطبوعہ مقالہ

سلسلہ نشان	مقالہ نگار	مقالہ کا عنوان/ مقالہ برائے سند	سنہ تکمیل/ یونیورسٹی
۱	محمد نسیم الدین فریس، ڈاکٹر	اٹھارویں صدی کی دکھنی شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ (پی ایچ، ڈی)	۱۹۹۵ء/ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد
۲	نشاط احمد، ڈاکٹر	دکن کی تاریخ وتہذیب کے تناظر میں دکن کی صوفیانہ مثنویاں ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ (پی ایچ، ڈی)	۲۰۰۸ء/ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد

رسائل

سلسلہ نشان	رسالہ کا نام	سنہ اشاعت	مقام اشاعت
۱	اردو (سہ ماہی)	جنوری ۱۹۲۹ء	اورنگ آباد، دہلی اور کراچی
۲	ایضاً	اپریل ۱۹۳۹ء	ایضاً
۳	ایضاً	جولائی ۱۹۲۷ء	ایضاً
۴	ایضاً	اکتوبر ۱۹۲۴ء	ایضاً
۵	ایضاً	اپریل ۱۹۲۷ء	ایضاً
۶	ایضاً	جولائی ۱۹۵۴ء	ایضاً
۷	اردو ادب (سہ ماہی)	مارچ ۱۹۵۳ء	علی گڑھ
۸	ایضاً	جولائی ۱۹۴۴ء	ایضاً
۹	ایضاً	جون ۱۹۵۷ء	ایضاً
۱۰	ایضاً	دسمبر ۱۹۶۰ء	ایضاً
۱۱	ایضاً	اپریل ۱۹۶۱ء	ایضاً
۱۲	سب رس (ماہنامہ)	نومبر ۱۹۷۸ء	حیدرآباد
۱۳	ایضاً	ستمبر ۱۹۷۳ء	ایضاً
۱۴	ایضاً	مئی ۱۹۸۰ء	ایضاً
۱۵	ایضاً	فروری ۱۹۴۰ء	ایضاً
۱۶	ایضاً	مارچ ۱۹۸۷ء	ایضاً

۱۷	کتاب نما	پروفیسر مسعود حسین خاں نمبر جون ۲۰۱۱ء	دہلی
۱۸	نقوش	عصری ادب نمبر ستمبر ۱۹۸۲ء	لاہور
۱۹	ایضاً	اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء	ایضاً
۲۰	ایضاً	غالب نمبر ۱۹۷۱ء	ایضاً
۲۱	ایضاً	ادبی معرکے نمبر ستمبر ۱۹۸۱ء	ایضاً
۲۲	ایضاً	اکتوبر ۱۹۶۱ء	ایضاً
۲۳	ایضاً	جنوری ۱۹۷۶ء	ایضاً
۲۴	نوائے ادب	اپریل ۱۹۵۷ء	بمبئی
۲۵	ایضاً	جولائی ۱۹۶۳ء	ایضاً
۲۶	ایضاً	جنوری ۱۹۵۶ء	ایضاً
۲۷	ایضاً	اکتوبر ۱۹۶۷ء	ایضاً